امام عثمان بن سعید الدارمی رحمہ اللہ کی شہرہ آفاق کتاب

''الرّد علی الجهمية'' کا اردو ترجمہ بنام

جہمیہ کے گمراہ کن عقائد

اور ان کا ردّ

تالیف: امام عثمان بن سعید الدارمی رحمہ اللہ المتوفی ۲۸۰ء
اردو قالب: فضیلۃ الشیخ پروفیسر ابوحمزہ سعید مجتبیٰ السعید
تحقیق وتخریج: محمد ارشد کمال

مکتبہ مسلم

انٹرنیٹ ایڈیشن: مسلم ورلڈ ڈیٹا پروسیسنگ پاکستان

فہرست مضامین

پیش لفظ

’’كتاب الرد على الجهمية‘‘ محدثِ ہرات امام عثمان بن سعید الدارمی کی تالیف کردہ ہے۔ امام موصوف ۲۰۰ھ سے کچھ پہلے پیدا ہوئے، حصول علم کی خاطر حرمین، حجاز، شام، مصر، عراق اور بلادِ عجم کا رخ کیا اور وہاں کے معروف اور جید علماء کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیے، آپ کی توثیق، امامت اور جلالت پر محدثین اور علماء حق متفق ہیں۔ آپ نے ۲۸۰ھ میں وفات پائی۔ رحمہ اللہ

’’كتاب الرد على الجهمية‘‘ جیسا کہ نام ہی سے پتا چل رہا ہے کہ اس میں امام موصوف نے ’’فرقہ جہمیہ‘‘ کے گمراہ کن عقائد کی خبر لی ہے۔ جہمیہ ماضی میں ایک فرقہ گزرا ہے جس کے عقائد و نظریات سراسر اسلامی تعلیمات کے منافی تھے۔ علماء حق نے بروقت ان کی خبر لی اور ان کے عقائد کا کفریہ اور شرکیہ ہونا واضح کیا۔ گو اب یہ فرقہ اپنا وجود کھو چکا ہے لیکن اس کے نظریات و عقائد کے اثرات آج بھی کسی نہ کسی شکل میں بعض لوگوں کے اندر پائے جاتے ہیں۔ جس وقت یہ فرقہ اپنے عروج پر تھا، اس وقت امام دارمی رحمہ اللہ نے اس کے ردّ میں دو عظیم الشان کتابیں لکھیں (۱) كتاب الرد على الجهمية (۲) كتاب الرد على بشر المريسى۔

حکیم الامت علامہ ابن القیم رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

وكتاباه من أجل الكتب فى السنة وأنفعهما، وينبغى لكل طالب سنة مراده الوقوف على ما كان عليه الصحابة والتابعين والأئمة ان يقرأ كتابيه، وكان شيخ الاسلام ابن

تيميه رحمه الله يؤمي بهذين الكتابين أشد الوصية ويعظمهما جدا، وفيهما من تقرير التوحيد والأسماء والصفات بالعقل والنقل ما ليس فى غيرهما.

اوراس (امام دارمی) کی یہ دونوں کتب (الرد علی الجہمیہ اورالرد علی بشر المریسی) سنت پرلکھی ہوئی بہترین اورانتہائی نفع بخش کتابوں میں سے ہیں۔ حدیث وسنت کا ہرطالب علم جوصحابہ تابعین اورآئمہ دین سے محبت رکھتا ہے اسے چاہیے کہ یہ دونوں کتابیں ضرور پڑھے۔شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ ان دونوں کتابوں کو پڑھنے کی زبردست وصیت فرمایا کرتے تھےاوران کی بے حد تعظیم کیا کرتے تھےان دونوں کتابوں میں توحیدواسماء وصفات کا ثبوت عقل ونقل دونوں سے پیش کیا گیا ہے۔ یہ برتری کسی دوسری کتاب کو(ان مسائل میں) حاصل نہیں ہے۔

[إجتماع الجيوش الإسلامية، ص ١٧٢]

کتاب الرد علی الجھمیہ کااردوترجمہ راقم کی درخواست پرجماعت کےمعروف عالم دین،اخی ومحبی فی اللہ جناب پروفیسرسعید مجتبیٰ السعیدی حفظہ اللہ نے کیا ہےاورتحقیق وتخریج بندہ ناچیز نے کی ہے۔مجلّہ نورالحدیث لاہور میں اسے پچیس اقساط میں شائع کیا گیا تھا اورقارئین نے اس سلسلے کو بے حدسراہا تھا۔اب اسے کتابی شکل میں شائع کیا جارہا ہے ۔اللہ تعالیٰ ہماری اس کاوش کوقبول فرمائے۔آمین۔محمدارشدکمال]

محمدارشدکمال:١٤-٠٧-٢٠٢٤

جہمیہ اور ان کا اجمالی تعارف

ابوحمزہ سعید مجتبیٰ السعیدی

یہ ایک بہت بڑا المیہ ہے کہ ہماری اس امت میں بہت سے گمراہ فرقے بھی وجود میں آئے اور اپنے اپنے دور میں کسی حد تک ان کو پذیرائی بھی ملی۔ تاہم اللہ تعالیٰ کے فضل سے اور علمائے حق کی طرف سے ان کا مقابلہ کرنے کے نتیجے میں یہ فرقے اور گروہ نیست نابود ہو گئے۔ ایسے گروہوں میں خوارج، معتزلہ، مرجئہ اور جہمیہ بہت مشہور ہیں۔ چونکہ پیشِ نظر کتاب میں ''جہمیہ کے گمراہ کن عقائد اور ان کا ردّ'' پیش کیا گیا ہے۔ اس لیے کتاب کے آغاز میں اس گروہ کا اجمالی تعارف اور ان کے بعض گمراہ کن عقائد کا تذکرہ کیا جا رہا ہے۔ تاکہ کتاب کو پڑھنے سے پہلے قارئین کو اس گروہ سے واقفیت ہو جائے۔

جہمیہ:

یہ لوگ جہم بن صفوان سمرقندی کے پیروکار ہیں اور اسی کی نسبت سے ان کو ''جہمیہ'' کہا جاتا ہے۔ اس بدبخت نے اللہ تعالیٰ کی صفات کا انکار اور اسے اپنی صفات عالیہ بالکل معطّل (محروم) کہنے کا بدعی عقیدہ اختیار کر کے اس کی ترویج کی۔ اور بہت سے بدبخت لوگوں نے اس میں اس کا ساتھ دیا۔

ابتداء:

دراصل اس نے یہ عقیدہ ''جعد بن درھم'' سے اخذ کیا تھا۔ جسے خالد بن عبداللہ القسری رحمہ اللہ نے ''واسط'' شہر میں عیدالاضحیٰ کے دن قتل کر کے کیفرِ کردار تک پہنچا دیا

تھا۔ اس نے عید کا خطبہ دیتے ہوئے لوگوں سے کہا: حضرات! (آج قربانی کا دن ہے) تم قربانیاں کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہاری قربانیاں قبول فرمائے۔ میں تو آج جعد بن درھم کو قتل کر کے اس کی قربانی کروں گا۔ اس کا یہ (خیال) عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل نہیں بنایا اور نہ وہ سیّدنا موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہم کلام ہوا ہے ۔(یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی ان صفات کا منکر ہے) یہ (ظالم) جو کچھ کہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے مکمل طور پر منزہ (پاک) اور بہت بلند ہے۔ پھر بعد از خطبہ اس نے اسے قتل کر دیا

۔

خالد بن عبداللہ القسر ی نے یہ عظیم کارنامہ اپنے دور کے کبار علمائے اہل سنت و سلف صالحین کی مشاورت سے سرانجام دیا تھا۔

اس کے بعد خراسان میں (ایک بدعقیدہ شخص) جہم نمودار ہوا۔ اس نے اس علاقے میں اپنے اس گمراہ عقیدے کا خوب پرچار کیا اور بہت سے لوگ اس کے ہم نوا بن گئے۔

جہم کی بدعقیدگی کی انتہاء:

اس کی بدعقیدگی یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ اسے اپنے رب (اللہ تعالیٰ) کے بارے میں بھی شک ہو گیا کہ حقیقت میں اس کا وجود ہے بھی یا نہیں؟ اور اس نے اسی لیے چالیس دنوں تک نماز ادا کرنے کا سلسلہ موقوف کیے رکھا۔ اس کا سبب یہ ہوا تھا کہ اس کا اپنے دور کے ہندوستانی فلاسفر جن کو ''السمنہ'' کہا جاتا تھا، سے ایک مناظرہ ہوا۔ وہ لوگ حسّی (ظاہر اور محسوس کی جانے والی اشیاء) کے سوا ہر چیز کا انکار کرتے تھے۔

انہوں نے اس (جہم) سے کہا کہ تم جس (اللہ) کی عبادت کرتے ہو، کیا اس کی رؤیت (اسے دیکھنا اور اس کی زیارت کرنا) ممکن ہے۔ یا کیا اسے سونگھنا، چکھنا یا اس کا لمس کیا جا سکتا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ نہیں، تو ان ہندوؤں نے اس سے کہا کہ اگر ان میں سے کچھ بھی ممکن نہیں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ معدوم چیز ہے (جس کا کوئی وجود ہی نہیں)

یہ ان کی بات سے اس قدر متاثر ہوا کہ اس نے چالیس دن تک عبادت کا سلسلہ ہی موقوف کیے رکھا۔ چنانچہ جب اس کا دل کسی بھی معبود کے تصور سے یکسر خالی ہو گیا تو شیطان کے بہکاوے میں آ کر اس نے ایک بالکل نئے اور گمراہ کن عقیدے کی بنیاد رکھی کہ اللہ تعالیٰ کا وجود (ذات) تو ہے البتہ اس کی کوئی بھی صفت نہیں۔ (جبکہ اہل اسلام اللہ تعالیٰ کی بے شمار صفات کے قائل ہیں) اس نے صاف کہا کہ یہ اہل اسلام اللہ تعالیٰ کی جن صفات کا اثبات کرتے ہیں، سب غلط ہیں۔

اور اس طرح وہ جعد بن درھم کا ہم نوا بن گیا۔

جعد بن درھم:

بعض اہل علم کا کہنا ہے کہ جعد کی حران شہر میں صابی فلسفیوں سے ملاقات ہوئی تو یہ ان سے متاثر ہو گیا۔ نیز اس نے کچھ عقائد یہودیت سے منحرف ان یہودیوں سے بھی اخذ کیے۔ جن کا لبید بن اعصم یہودی سے تعلق تھا۔ یہ وہی بدبخت تھا جس نے رسول اکرم ﷺ پر جادو کیا تھا تو جعد کی حد سے بڑھی ہوئی گمراہی اور بدعقیدگی کو دیکھتے ہوئے مسلم بن احوز نے ۱۲۸ھ میں اسے قتل کر کے جہنم رسید کر دیا تھا، مگر اس وقت

تک کافی دیر ہوچکی تھی اوراس کی گمراہی وبدعقیدگی کا لوگوں میں چرچا ہو چکا تھا۔اس کے بعدایک اورانتہائی گم راہ اور بدعتی گروہ ''معتزلہ'' نے بھی اس کی پیروی کرنی شروع کردی۔لیکن ''جہم'' گمراہی میں معتزلہ سے بڑھ کرگم راہ تھا۔کیونکہ یہ(ظالم) اللہ تعالیٰ کےاسماء حسنیٰ کا سرے سے منکر تھا۔جبکہ معتزلہ اللہ تعالیٰ کے اسماء کے نہیں بلکہ صرف صفات کے منکر تھے۔

اہل علم کی آراء:

جہمیہ کے حوالے سے اہل علم کی آراء مختلف ہیں کہ یہ لوگ ان بہتر (۷۲) گروہوں میں سے ہیں یانہیں، جنہیں رسول اللہ ﷺ نے گمراہ اورجہنمی قرار دیا ہے۔ امام عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ یوسف بن اسباط جہمیہ کوان (۷۲) گروہوں میں شمار نہیں کرتے تھے۔

مامون الرشید کے دور میں جب امام اہل سنت احمد بن حنبل رحمہ اللہ اور دیگر کبار علمائے اہل سنت پرآزمائشوں کا سلسلہ شروع ہواتواس دورِ نامسعود میں ان گمراہوں کوخوب تقویت ملی۔اوران کی تعداد میں اضافہ بھی ہوا۔ یہ (جہم) طویل عرصہ تک خراسان میں مقیم رہ کرلوگوں میں گھلا ملا رہا۔ ۲۱۸ھ میں اسے طرطوس میں آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑااوروہیں اسے قتل کردیا گیا۔جبکہ امام احمد رحمہ اللہ کو ۲۲۰ھ میں بغداد لایا گیا۔ وہاں پر معتصم باللہ نے بہت مظالم ڈھائے اوراس نے آپ کا آپ کے مخالفین کے ساتھ مناظرہ بھی کروایا۔جس میں آپ نے مخالفین کومنہ توڑمسکت جوابات دیے اور ثابت کردیا کہ ان لوگوں کے پاس اپنے موقف کی تائید میں کوئی دلیل نہیں۔آپ نے

یہ بھی ثابت کیا کہ آپ کے مخالفین کا لوگوں کو اپنی طرف مائل کرنا اور اعیانِ حکومت کی طرف سے آپ پر ظلم وتعذیب بہت بڑی حماقت، جہالت اور ظلم ہے۔ آپ کا موقف اور دلائل سن کر معتصم نے آپ کو رہا کرنے کا ارادہ کر لیا تھا مگر آپ کے مخالفین اور بدخواہوں نے حکمران سے کہا کہ مصلحت اور آپ کی حکومت واقتدار کی مضبوطی کا تقاضا ہے کہ احمد بن حنبل رحمہ اللہ کو رہا نہ کیا جائے بلکہ ان پر زدوکوب کر کے ان کو نشانِ عبرت بنا دے تا کہ ان کی وجہ سے امورِ حکومت میں بار بار خلل نہ آئے۔ جب حکومتی کارندوں نے امام صاحب پر ظلم ڈھائے اور آپ کو بے انتہاء تعذیب کا نشانہ بنایا تو عوام میں حکومت کے خلاف جذبات بھڑکنے لگے۔ بالآخر عوامی بغاوت کے خوف سے حاکم نے آپ کو رہا کر دیا۔

[ماخوذ از شرح العقيدة الطحاوية]

جہمیہ کے بعض گمراہ کن عقائد:

① ان کا عقیدہ ہے کہ ایمان لے آنے کے بعد اعمال صالحہ کی کوئی حیثیت نہیں اور برے اعمال کے ارتکاب سے ایمان قطعاً متاثر نہیں ہوتا۔

② اپنے اعمال کو سرانجام دینے کے حوالے سے ہر انسان مجبورِ محض ہے۔

③ اللہ تعالیٰ کا کلام (قرآن مجید) بھی ایک مخلوق ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرح قدیم نہیں بلکہ حادث ہے یعنی بعد میں وجود میں آیا ہے۔

④ اللہ تعالیٰ کی رؤیت (دیدار اور زیارت) اس دنیا میں بلکہ آخرت میں بھی ناممکن ہے۔

⑤ اللہ کے نبیوں اور امتیوں کا حتیٰ کہ فرشتوں کا ایمان برابر اور ایک درجے کا ہے۔ اس میں کوئی تفاوت نہیں۔

⑥ اللہ تعالیٰ کا علم قدیم نہیں بلکہ حادث ہے یعنی جب کوئی بندہ کسی کام کو سرانجام دے چکا ہوتا ہے اللہ کو اس کے بعد علم ہوتا ہے۔ اس سے قبل اسے کچھ بھی معلوم نہیں ہوتا۔

⑦ جو لوگ اپنے اعمال کی وجہ سے جنت یا جہنم کے حق دار ہوں گے۔ ان کو جنت اور جہنم میں داخل کرنے کے بعد ان دونوں (جنت اور جہنم) کو فنا کر دیا جائے گا۔

⑧ اللہ تعالیٰ کو کسی ایسی صفت سے متصف قرار دینا جائز نہیں جو بندوں میں پائی جاتی ہو۔ اس لیے انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حیّ (زندہ) اور عالم (صاحبِ علم) ہونے کا انکار کیا ہے۔

⑨ جو چیز انسانی عقل میں نہ آسکتی ہو، مثلاً معجزات وغیرہ، یہ ان کو بھی تسلیم نہیں کرتے۔

⑩ ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی محض معرفت (علم و تعارف ہونا) ہی اصل ایمان ہے۔ یعنی جو آدمی صرف اس قدر علم رکھتا ہو کہ اللہ تعالیٰ کی ذات موجود ہے۔ ان کے نزدیک وہ مومن ہے۔ ان کے نزدیک شیطان، فرعون اور ہر کافر بھی مومن ہے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات موجود ہے۔

⑪ جو آدمی یہ بھی نہ جانتا ہو کہ اللہ تعالیٰ کی ذات موجود ہے۔ صرف اسی کو کافر کہا

جائے گا۔

⑫ ان کے عقیدے کے مطابق اس کائنات میں فاعلِ حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہے اور انسان، باقی مخلوقات کی طرح مجبورِ محض ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ربِّ یَسِّرْ وَ اَعن برحمتك.

”اے رب! آسانی فرما اور اپنی رحمت سے مدد فرما۔“ (آمین)

باب: ۱

مقدمہ: اسلاف کے عقائد کا (اجمالی) تذکرہ

ابوالمکارم عبدالعظیم بن عبداللطیف بن ابی نصر الشرابی الاصبہانی رحمہ اللہ نے ہمارے نام ایک تحریر لکھ کر خبر دی اور کہا کہ میں نے ماہ ربیع الثانی ۵۶۷ھ میں محترمہ الشیخہ ام الصبح ضوء النساء بنت ابی الفتح عبدالرزاق بن محمد بن سہل الشرابی رحمہ اللہ کی خدمت میں اس کتاب کی قراءت کی تو انھوں نے ہمیں خبر دی کہ ماہ صفر ۵۲۹ھ میں میرے والد ابو الفتح نے اصبہان میں واقع ہمارے گھر میں ہمیں خبر دی اور کہا کہ ہم سے شیخ، امام، نجم الخطباء، ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ بن محمد المذکر الہروی نے حدیث بیان کی، وہ ہرات کے نواح میں واقع ''صع'' نامی بستی کے رہنے والے تھے، میں نے ان کے سامنے اس اصل کتاب سے دیکھ کر قراءت کی، جس کو سامنے رکھ کر انھوں نے اپنے شیخ سے کتاب کا سماع کیا تھا اور وہ کتاب حافظ ابوالفتح بن سمکویہ کے ہاتھ سے لکھی ہوئی تھی۔ میں (ابوالفتح عبدالرزاق) نے ان (ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ الہروی) سے عرض کیا کہ آپ کو الشیخ، الفقیہ ابوروح ثابت بن محمد الازدی السعدی نے ۴۵۶ھ کے دوران میں اس کتاب کے مندرجات کے متعلق خبر دیتے ہوئے کہا کہ مجھے میرے (ابوروح ثابت) کے والد ابومحمد محمد بن احمد بن محمد بن الفضل نے خبر دیتے ہوئے کہا کہ ہم سے ابوعبداللہ محمد بن اسحاق بن ابراہیم القرشی نے بیان کیا کہ امام ابوسعید عثمان بن سعید رحمہ اللہ نے فرمایا:

(۱) تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جو ہر اس چیز کا مالک ہے جو آسمانوں میں،

زمین، یا جو کچھ ان دونوں کے درمیان اور مٹی کی تہوں کے نیچے ہے۔ وہی عالم الغیب ہے جس سے زمین و آسمان میں ذرہ بھر بھی کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے۔ وہی عالم الغیب ہے جس سے زمین و آسمان میں ذرہ بھر بھی کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ وہ اپنی مخلوق کے ہر پوشیدہ اور عیاں کاموں اور باتوں سے بخوبی واقف ہے۔

ہم اس کی تمام تر حمدوں اور تعریفات کے ساتھ اس کی حمد کرتے اور اس کی ہر اس صفت کا دل سے اقرار کرتے ہیں جو خود اس نے اپنے لیے اور اس کے رسول نے اس کے لیے بیان کی۔

(۲) وہ اللہ رحمان، رحیم، (اپنے بندوں اور مخلوق کے بالکل) قریب، مجیب (اپنے بندوں اور مخلوق کی التجاؤں کو قبول کرنے والا) متکلم (کلام کرنے والا) قائل (گفتگو کرنے والا) شاء (چاہنے والا) مرید (ارادہ کرنے والا) فعال لما یرید (ہر اس کام کو کرنے والا، جس کا وہ ارادہ کرے) الاول قبل کل شیء (ہر چیز سے پہلا) له الخلق والامر (ہر چیز اسی کی تخلیق اور ان میں اسی کا حکم نافذ ہے) تبارک اللہ رب العالمین (وہ اللہ رب العالمین اور برکتوں والا ہے) له الاسماء الحسنیٰ (اسی کے بہت ہی اچھے اچھے اور پیارے نام ہیں)

زمین و آسمان کی ہر چیز اس کی تسبیح کرتی ہے، وہی ہر ایک پر غالب اور حکمتوں والا ہے، وہ تنگی کرنے والا، فراخی کرنے والا، کلام کرنے والا، بندوں کے نیک اعمال کی وجہ سے ان سے خوش اور ان کی نافرمانی سے ناراض ہونے والا، گناہوں سے ناراض ہونے والا، نیکی کرنے والوں سے محبت کرنے والا، گناہ اور نافرمانی کو ناپسند اور مکروہ

جاننے والا، بندوں کی اچھی باتوں پر مسکرانے والا، بعض چیزوں کا حکم اور بعض کاموں سے روکنے والا، بابرکت و باعزت چہرے والا، ہر بات کو سننے والا، ہر چیز اور ان کے کاموں کو دیکھنے والا اور واضح کلام کرنے والا۔

اس کے دو ہاتھ، دو مٹھیاں ہیں، وہ قدرت وسلطان وعظمت کا مالک اور ازلی علم کا حامل ہے۔ وہ ہمیشہ سے ان تمام صفات سے موصوف ہے۔ اور ہمیشہ ایسا ہی رہے گا۔ وہ اپنے عرش پر مستوی ہے اور اپنی مخلوق سے جدا ہے۔ تاہم مخلوق کی کوئی بھی بات اس سے پوشیدہ نہیں۔ اس کا علم ہر ایک کو گھیرے ہوئے ہے، اس کی نگاہ ہر ایک پر ہے [لَيْسَ كَمِثْلِهِۦ شَىْءٌۖ وَهُوَ ٱلسَّمِيعُ ٱلْبَصِيرُ] (الشوریٰ:۱۱)]۔ ''اس کی مثل کوئی چیز نہیں اور وہی سمیع وبصیر ہے۔''

(۳) جو رب ان تمام صفات سے موصوف اور ان کا حامل ہے، ہم اس رب پر ایمان لاتے اور اسی کی عبادت کرتے ہیں۔ ہم اسی کے لیے نمازیں پڑھتے اور اسی کے سامنے سربسجود ہوتے ہیں۔ پس جو کوئی عبادت کرتے ہوئے ایسے رب کے علاوہ کسی دوسرے ایسے معبود کی عبادت کا قصد کرے، جس میں یہ صفات نہ ہوں ، تو وہ درحقیقت غیر اللہ کی عبادت کرتا ہے۔ اور اس کا معبود، حقیقی معبود نہیں۔ وہ معبود حقیقی کا کافر ہے۔ وہ اس حقیقی معبود کی رحمت وغفران کا قطعاً حق دار نہیں۔

(۴) اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبودِ (حقیقی) نہیں، وہ ہر لحاظ سے اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔ اور ہم اس بات کی بھی گواہی دیتے ہیں کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، جنہیں اللہ نے اپنی وحی کے لیے

چنا اور اپنی رسالت کے لیے ان کا انتخاب کیا، اور اپنی مخلوق کی ہدایت و رہنمائی کے لیے مخلوق میں سے ان کا انتخاب کیا۔ اور اس نے ان پر اپنی کلام مبین اور کتاب عزیز نازل فرمائی، جس کے متعلق اس کا ارشاد ہے:

[لَّا يَأْتِيهِ ٱلْبَٰطِلُ مِنۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِۦ ۖ تَنزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍۢ]

”یہ ایک ایسی زبردست کتاب ہے کہ باطل نہ سامنے سے اس پر آ سکتا ہے، نہ پیچھے سے، یہ اس اللہ کی طرف سے نازل کردہ ہے جو حکیم وحمید ہے۔“

[فصلت: ٤٢]

نیز اللہ تعالیٰ نے قرآن کے متعلق یوں ارشاد فرمایا:

[قُرْءَانًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِى عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ]

”یہ قرآن عربی زبان میں ہے اور یہ کسی قسم کی کجی والا نہیں۔“

[الزمر: ٢٨]

نیز اللہ نے قرآن کے متعلق مزید فرمایا:

[إِنَّ هَٰذَا ٱلْقُرْءَانَ يَهْدِى لِلَّتِى هِىَ أَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ ٱلْمُؤْمِنِينَ ٱلَّذِينَ]

”یہ قرآن ایسی راہ دکھلاتا ہے جو بالکل سیدھی ہے اور جو لوگ اس پر ایمان لے آتے ہیں یہ انہیں خوش خبریاں دیتا ہے۔“

[الاسراء: ٩]

یہ ایسی عظیم کتاب ہے جس میں گزشتہ زمانوں والے اور بعد میں آنے والے لوگوں

کی خبریں ہیں، اس کی عبرتیں ختم ہونے والی نہیں، اس کے عجائبات بھی دائمی ہیں، یہ قرآن اللہ کا کلام ہے، مخلوق نہیں۔ نہ ہی اس کی نسبت کسی مخلوق کی طرف کی جاسکتی ہے۔

قرآن ہی کے متعلق اللہ تعالیٰ نے مزید فرمایا:

[نَزَلَ بِهِ ٱلرُّوحُ ٱلْأَمِينُ عَلَىٰ قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ ٱلْمُنْذِرِينَ]

''روح الامین یعنی جبریل (علیہ السلام) نے اسے اللہ سے حاصل کرکے آپ کے قلب اطہر پر اتارا ہے تاکہ آپ ان لوگوں میں سے ہوجائیں جو اللہ کی طرف سے اس کی مخلوق کو متنبہ کرنے والے ہیں۔''

[الشعراء: (١٩٣-١٩٤)]

نیز ارشاد فرمایا:

[مِن لَّدُنْ حَكِيمٍ عَلِيمٍ]

''یہ قرآن آپ کی طرف اللہ حکیم و علیم کی طرف سے نازل کیا جارہا ہے۔''

(٥) اور اللہ نے فرمایا:

[وَإِنَّكَ لَتُلَقَّى ٱلْقُرْءَانَ مِن لَّدُنْ حَكِيمٍ عَلِيمٍ]

''اور اے نبی! آپ یہ قرآن اللہ حکیم وعلیم کی طرف سے حاصل کر رہے ہیں۔''

[النمل: ٦]

نیز ارشاد ہے:

[نَزَلَ بِهِ ٱلرُّوحُ ٱلْأَمِينُ، عَلَىٰ قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ ٱلْمُنذِرِينَ، بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِينٍۢ]

''روح الامین یعنی جبریل علیہ السلام نے اسے اللہ کی طرف سے حاصل کر کے خالص عربی زبان میں آپ کے قلب اطہر پر نازل کیا ہے تاکہ آپ ان لوگوں میں سے ہو جائیں جو اللہ کی طرف سے اس کی مخلوق کو متنبہ کرنے والے ہیں۔''

[الشعراء: (١٩٣-١٩٤)]

(٦) یہ ایسی عظیم اور بابرکت کتاب ہے کہ جس نے اس کے مطابق بات کی، اس نے سچ ہی کہا۔ اور جس نے اسے مضبوطی سے تھام لیا، اسے صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق نصیب ہوگئی۔ اس حوالے سے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا:

[وَقُرْءَانًا فَرَقْنَـٰهُ لِتَقْرَأَهُۥ عَلَى ٱلنَّاسِ عَلَىٰ مُكْثٍۢ وَنَزَّلْنَـٰهُ تَنزِيلًا]

''اور ہم نے اس قرآن کو آپ پر تدریجاً نازل کیا ہے تاکہ آپ بھی ٹھہر ٹھہر کر اسے لوگوں کو سنائیں۔ اور ہم نے بھی اسے موقع بموقع تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا ہے۔''

[الأسراء: ١٠٦]

چنانچہ اللہ کی طرف سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جس طرح لوگوں کے سامنے پڑھنے اور انھیں سنانے کا حکم ملا تھا، آپ نے بعینہٖ اسی طرح اسے لوگوں کے سامنے پڑھا اور اللہ کی مخلوق کو اس کی طرف اعلانیہ اور پوشیدہ ہر طریقے سے دعوت دی۔ مگر مشرکین نے جب اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سنا تو انھوں نے آپ کو کبھی ساحر (جادوگر)

کاہن (غیب کی جھوٹ موٹ خبریں دینے والا نجومی) کبھی شاعر اور کبھی معلم مجنون یعنی سکھایا، پڑھایا ہوا اور پاگل جیسے ناروا القاب سے پکارا۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی اس روش کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

[وَٱنطَلَقَ ٱلْمَلَأُ مِنْهُمْ أَنِ ٱمْشُوا۟ وَٱصْبِرُوا۟ عَلَىٰٓ ءَالِهَتِكُمْ ۖ إِنَّ هَٰذَا لَشَىْءٌ يُرَادُ، مَا سَمِعْنَا بِهَٰذَا فِى ٱلْمِلَّةِ ٱلْءَاخِرَةِ إِنْ هَٰذَآ إِلَّا ٱخْتِلَٰقٌ]

’’اور کافروں اور مشرکین کے سربرآوردہ لوگ یہ کہتے ہوئے چل دیئے کہ لوگو! یہاں سے چل دو اور تم اپنے معبودانِ باطلہ کی عبادت پر ڈٹے رہو اس نبی کی طرف سے یہ باتیں کسی اور مقصد اور غرض سے کہی جا رہی ہیں۔ ایسی باتیں ہم نے اس سے پہلے کسی دوسری ملت میں کبھی کسی سے نہیں سنیں۔ یہ سب باتیں من گھڑت ہیں۔‘‘

[ص: ٦-٧]

مشرکین کی ایک اور بات قرآن نے یوں نقل کی ہے انھوں نے کہا:

[إِنْ هَٰذَآ إِلَّا قَوْلُ ٱلْبَشَرِ]

’’یہ تو محض ایک انسانی کلام ہے۔‘‘

[المدثر: ٢٥]

نیز مشرکین نے کبھی کہا:

[لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هَٰذَآ ۙ إِنْ هَٰذَآ إِلَّآ أَسَٰطِيرُ ٱلْأَوَّلِينَ]

''کہ چاہیں تو ہم بھی ایسی باتیں کر سکتے اور کہہ سکتے ہیں، یہ تو وہی پرانی باتیں ہیں جو پہلے والے لوگ کہتے آئے ہیں۔''

[الأنفال: ٣١]

[إِنْ هَـٰذَآ إِلَّآ إِفْكٌ ٱفْتَرَىٰهُ وَأَعَانَهُۥ عَلَيْهِ قَوْمٌ ءَاخَرُونَ]

''یہ قرآن تو محض ایک من گھڑت چیز ہے جسے محمد (ﷺ) نے گھڑ لیا ہے اور کچھ دوسرے لوگوں نے بھی اس کام میں اس کی مدد کی ہے۔''

[الفرقان: ٤]

اور ان ظالموں نے کبھی یوں کہا:

[وَقَالُوٓاْ أَسَـٰطِيرُ ٱلْأَوَّلِينَ ٱكْتَتَبَهَا فَهِىَ تُمْلَىٰ عَلَيْهِ بُكْرَةً وَأَصِيلًا]

''اور کافر کہتے ہیں کہ یہ تو پرانے لوگوں کی لکھی ہوئی باتیں ہیں جنہیں یہ (محمد ﷺ) نقل کراتا ہے اور یہ اسے صبح شام سنائی جاتی ہیں۔''

اور ان ظالموں نے کبھی یوں کہا:

[إِنَّمَا يُعَلِّمُهُۥ بَشَرٌ]

''کوئی آدمی اس کو یہ باتیں سکھاتا ہے۔''

[النحل: ١٠٣]

(نعوذ باللہ، وہ ظالم اس قسم کی باتیں کر کے نبی ﷺ کو ایذا پہنچاتے اور آپ کا دل دکھاتے تھے۔) اور وہ کہا کرتے تھے کہ یہ بھی اللہ کی مخلوق لوگوں کے کلام میں سے ہی

بنایا گیا کلام ہے اور مخلوق ہے۔

(۷) چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی اور قرآن کا دفاع کرتے ہوئے کفار کی بات کی تکذیب اور ان کے دعویٰ کے بطلان کو واضح کرتے ہوئے فرمایا:

[فَقَدْ جَآءُو ظُلْمًا وَزُورًا]

''ان (مشرک) لوگوں نے ایسا کہہ کر بہت بڑے ظلم اور جھوٹ کا ارتکاب کیا ہے۔''

[الفرقان: ٤]

نیز فرمایا:

[قُلْ أَنزَلَهُ ٱلَّذِى يَعْلَمُ ٱلسِّرَّ فِى ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ ۚ إِنَّهُۥ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا]

''اے نبی! آپ ان (کفار) سے کہہ دیں کہ اس قرآن کو اس اللہ نے نازل کیا ہے جو زمین اور آسمانوں کے بھیدوں کو بھی جانتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ وہ بڑا ہی غفور ورحیم ہے۔''

[الفرقان: ٦]

نیز اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

[قُلْ نَزَّلَهُۥ رُوحُ ٱلْقُدُسِ مِن رَّبِّكَ بِٱلْحَقِّ لِيُثَبِّتَ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ وَهُدًى وَبُشْرَىٰ لِلْمُسْلِمِينَ]

''اے نبی! آپ ان لوگوں سے صاف صاف کہہ دیں کہ اس قرآن کو روح

القدس یعنی جبریل نے میرے رب کی طرف سے بتدریج نازل کیا ہے تا کہ ایمان لانے والوں کو ایمان پر پختہ اور ثابت قدم کر دے اور ان کی سیدھی راہ کی رہنمائی کرے اور انھیں فلاح وسعادت کی خوشخبری دے۔''

[النحل: ۱۰۲]

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

[لِّسَانُ ٱلَّذِى يُلْحِدُونَ إِلَيْهِ أَعْجَمِىٌّ وَهَـٰذَا لِسَانٌ عَرَبِىٌّ مُّبِينٌ]

''یہ کفار جس آدمی کے متعلق کہتے ہیں کہ وہ آپ (ﷺ) کو یہ باتیں سکھا جاتا ہے، اس کی زبان تو عجمی (غیر عربی) ہے اور یہ (قرآن) اعلیٰ پائے کی عربی زبان (میں) ہے۔''

[النحل: ۱۰۳]

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

[قُل لَّئِنِ ٱجْتَمَعَتِ ٱلْإِنسُ وَٱلْجِنُّ عَلَىٰٓ أَن يَأْتُوا۟ بِمِثْلِ هَـٰذَا ٱلْقُرْءَانِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِۦ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا]

''کہہ دو کہ اگر تمام انسان اور جنات مل کر اس قرآن جیسی کوئی چیز لانے کی کوشش کریں تو وہ اس کے مدمقابل کوئی بھی چیز نہیں لا سکتے۔ خواہ وہ سب ایک دوسرے کے مددگار ہی کیوں نہ ہوں۔''

[بنی اسرائیل: ۸۸]

(۸) پھر اللہ تعالیٰ نے کفار ومشرکین کو دعوت دی کہ اگر وہ قرآن کے

بارے میں اپنے دعوے میں سچے ہیں کہ یہ محمد ﷺ کا یا کسی دوسرے انسان کا بنایا ہوا کلام ہے تو وہ اپنے خطیبوں اور شاعروں کو ساتھ ملا کر قرآن جیسا کچھ کلام تو بنا کر دکھائیں۔ چنانچہ فرمایا:

[فَأْتُوا۟ بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهِۦ مُفْتَرَيَٰتٍ وَٱدْعُوا۟ مَنِ ٱسْتَطَعْتُم مِّن دُونِ ٱللَّهِ إِن كُنتُمْ صَٰدِقِينَ]

''(اے کفار و مشرکین! تم کہتے ہو کہ یہ قرآن محمد نے ﷺ خود گھڑا ہے) تو پھر تم سب مل کر اس جیسی دس ہی سورتیں بنا کر لاؤ اور اللہ کے سوا تمہارے جس قدر معبود ہیں، ان کو بھی مدد کے لیے بلا سکتے ہو تو بلا لو۔''

[هود: ١٣]

بلکہ بعد میں اللہ تعالیٰ نے کفار و مشرکین کو چیلنج کرتے ہوئے فرمایا کہ تم قرآن جیسی دس نہیں تو ایک ہی سورت بنا کر دکھاؤ۔ چنانچہ فرمایا:

[وَإِن كُنتُمْ فِى رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا۟ بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِۦ وَٱدْعُوا۟ شُهَدَآءَكُم مِّن دُونِ ٱللَّهِ إِن كُنتُمْ صَٰدِقِينَ، فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا۟ وَلَن تَفْعَلُوا۟ فَٱتَّقُوا۟ ٱلنَّارَ ٱلَّتِى وَقُودُهَا ٱلنَّاسُ وَٱلْحِجَارَةُ ۖ أُعِدَّتْ لِلْكَٰفِرِينَ]

''اور اگر تمہیں اس امر میں شک ہے کہ یہ کتاب جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کی ہے (کہ یہ ہماری ہے یا نہیں) تو پھر تم سب مل کر اس جیسی کوئی ایک ہی سورت بنا لاؤ اور اس کے لیے اپنے سارے ہم نواؤں کو بھی بلا لو ایک اللہ کو

چھوڑ کر باقی جس جس کی چاہو مدد لے لو۔ اگر تم سچے ہو تو یہ کام کر کے دکھاؤ۔
لیکن اگر تم نے ایسا نہ کیا اور یقیناً تم ایسا کر بھی نہ سکو گے تو ڈر جاؤ (جہنم کی)
اس آگ سے جس کا ایندھن ہوں گے انسان اور پتھر، جو تیار کی گئی ہے
کافروں کے لیے۔''

[البقرة: ۲۳-۲۴]

(۹) اللہ تعالیٰ کے اس چیلنج کے بعد کوئی جن، انسان، کوئی عربی، عجمی، بتوں کے پجاری اور کوئی یہودی یا عیسائی، کوئی بھی شخص قرآن کی ایک سورت یا کسی سورت کے کچھ حصے کے مقابلے میں کچھ بھی نہ لا سکا۔ اگر انھیں پتہ ہوتا کہ وہ سب مل کر ایسا کر سکتے ہیں تو وہ اپنے مددگاروں کو ضرور بلاتے اور اس مقصد کے لیے اپنے خطیبوں، شاعروں عالموں، مذہبی رہنماؤں، کاہنوں، نجومیوں اور جادوگروں کو بھی بلا لیتے اور اس کے لیے انھیں کتنا ہی مال اور دیگر اچھی چیزیں قربان کرنا پڑتیں، وہ ضرور ایسا کرتے اور قرآن کے بالمقابل کوئی ایک ہی سورت لانے کی پوری کوشش کرتے تاکہ انھوں نے محمد ﷺ کی تکذیب کرتے ہوئے جو جھوٹی بات کہی ہے، اسے سچ ثابت کر سکیں۔

مگر حقیقت تو یہ ہے کہ مخلوق میں کسی کی کیا مجال ہے کہ وہ خالق کے کلام جیسا کلام پیش کر سکے، جب کہ اللہ تعالیٰ نے تحدّی اور چیلنج کے طور پر پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ ''لَن تَفْعَلُوا'' کہ تم قیامت تک یہ کام کر ہی نہیں سکو گے۔ پس جس طرح مخلوق میں سے کوئی بھی چیز اللہ کے مشابہ اور مثل نہیں اس طرح کوئی کلام اس کے جیسا ہو ہی نہیں

سکتا۔

(۱۰) اللہ کے رسول ﷺ اللہ تعالیٰ کے پیغام کو دنیا تک پہنچانے کے لیے اور لوگوں کو اللہ کی طرف اس کتاب اور اس کے کلام کی طرف ساری زندگی علانیہ اور پوشیدہ ہر طرح سے دعوت دیتے رہے اور اس راہ میں آپ کو مخالفین کی طرف سے جس قدر بھی مشقت، ایذاء کا سامنا کرنا پڑا آپ بڑے صبر وتحمل سے اسے برداشت کرتے رہے۔ تا آنکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کامیابی اور غلبے سے سرفراز فرما دیا۔ اور اللہ نے آپ کی بھرپور مدد کی اور آپ نے اس دور کے عرب وعجم کے مخالفین کا ڈٹ کر مقابلہ کیا تا آنکہ وہ ذلیل ونامراد ہوئے اور ان میں سے بہت سے لوگ طوعاً وکرھاً (خوشی اور ناخوشی سے) دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے تو وہ آپ کی زندگی میں اور آپ کی وفات کے بعد بھی دین پر قائم رہے۔ اور کسی بھی کافر منافق کو اتنی ہمت نہ ہوئی کہ وہ اپنے دل میں چھپائے ہوئے کفر ونفاق کا برملا اظہار کرتا۔ بلکہ وہ ہمیشہ اور ہر حال میں اسلام کا لبادہ اوڑھ کر مسلمانوں کے ساتھ مل کر ان میں زندگی گزارتے اور ان جیسے اعمال بجالاتے رہے۔

(۱۱) کفار قریش کے بعد اپنے باطنی کفر ونفاق کا سب سے پہلے بصرہ میں جعد بن درھم نے اور خراسان میں جھم بن صفوان نے اظہار کیا اور اللہ تعالیٰ نے جھم کو اپنے بندوں کے ہاتھوں بدترین انداز سے قتل کروا کر کیفر کردار تک پہنچایا۔

(۱۲) جعد بن درھم کو تو خالد بن عبداللہ قسری رحمہ اللہ نے گرفتار کر کے عیدالاضحیٰ کے دن عام مسلمانوں کی موجودگی میں واسط شہر میں قتل کر دیا۔ اس (خالد)

کے اس فعل پر اس دور کے کسی بھی مسلمان نے کوئی اعتراض کیا اور نہ نکیر۔ بلکہ سب نے اس کے اس فعل کی تصویب کی اور اسے مستحسن قرار دیا۔

(۱۳) حبیب بن ابی حبیب رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ خالد بن عبداللہ قسری نے واسط شہر میں عیدالاضحیٰ کے دن ہمیں خطبہ دیا اور دورانِ خطبہ اس نے کہا کہ لوگو! جا کر قربانیاں کرو۔ اللہ تعالیٰ ہماری اور تمہاری قربانیاں قبول فرمائے۔ میں آج جعد بن درھم کی قربانی کرنے والا ہوں۔ اس کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل نہیں بنایا۔ نہ اس نے موسیٰ علیہ السلام ساتھ کلام کی۔ جعد بن درھم جو کچھ کہتا ہے، اللہ تعالیٰ اس سے یکسر پاک ہے۔ پھر اس نے خطبے سے فارغ ہونے کے بعد جعد کو قتل کر دیا۔

[تحقیق و تخریج: اس کی سند ضعیف ہے۔ اسے امام بخاری نے ”خلق افعال العباد(ح:۳) اور ”التاریخ الکبیر“ (٦٤/١) امام آجری نے ”الشریعة“ (ح:٧٣٨) اور امام بیہقی نے ”السنن الکبریٰ“ (٣٨٥/١٠، ح: ٢٠٨٨٧) میں روایت کیا ہے۔ اس کی سند میں عبدالرحمٰن بن محمد بن حبیب اور اس کا والد مجہول ہیں]۔

(۱۴) ابوسعید عثمان بن سعید دارمی (مصنف کتاب ہٰذا) فرماتے ہیں کہ کفار و مشرکین نے اس کے بعد طویل عرصے تک چپ سادھے رکھی۔ وہ معاشرے میں انتہائی ذلیل، بے وقعت اور اہل علم کی نظروں میں دھتکارے ہوئے رہے، تا آنکہ امت اور معاشرے میں فقہاء بہت تھوڑے رہ گئے، اہل علم دنیا سے رخصت ہوتے گئے اور گمراہی کے منادوں نے لوگوں کو بدعات کی طرف بلانا اور غلط عقائد کو

ترویج دینا شروع کر دیا۔ یہودیوں اور عیسائیوں کی اولادوں نے پَر پُرزے نکالنے شروع کر دیے، انہیں اپنے گمراہ کن عقائد کی نشر و اشاعت کا موقعہ مل گیا، انھوں نے اسلام کی بنیادوں کو گرانا شروع کر دیا۔ وہ اللہ تعالیٰ کی صفات کا انکار اور رسولوں کی تکذیب کرنے لگے، انہیں جب بھی موقع ملتا وہ اللہ کی وحی (قرآن) کا ابطال کرتے، انھوں نے جب عوام الناس میں جہالت و کم علمی اور معاشرے میں اہل علم کی قلت کو دیکھا تو انھوں نے موقعے کو غنیمت جانتے ہوئے کفر کو اپنا امام بنا کر لوگوں کو اس کی طرف دعوت دینا شروع کر دی۔ وہ کم علم لوگوں کے سامنے پیچیدہ مسائل اور گمراہ کن نظریات پھیلا کر اہل اسلام کو مغالطوں میں الجھانے لگے تا کہ اسلام کے متعلق ان کے دلوں میں شکوک پیدا کر کے دین کو لوگوں پر خلط ملط کرنے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کے متعلق ان کو تشکیک میں مبتلا کر دیں۔ یہی کام ان سے پہلے کفار و مشرکین کا تھا۔ جو کہا کرتے تھے کہ:

[إِنْ هَٰذَآ إِلَّا قَوْلُ ٱلْبَشَرِ]

''یہ تو ایک انسانی کلام ہے۔''

[المدثر: ٢٥]

نیز ان لوگوں نے قرآن کے متعلق یہ بھی کہا کہ:

[إِنْ هَٰذَآ إِلَّا ٱخْتِلَٰقٌ]

''یہ قرآن تو محض من گھڑت اور محمد ﷺ کا اپنا بنایا ہوا ہے۔''

[ص: ٧]

(۱۵) پس جب ہم نے ان کی کج روی دیکھی اور ہمیں ان کے مذہب کی حقیقت سمجھ آئی کہ وہ لوگ درحقیقت کافر اور اللہ کے رسولوں اور اس کی نازل کردہ کتابوں کے منکر اور اللہ تعالیٰ کے کلام، اس کے علم اور امر کا انکار کرتے ہیں تو ہم نے ضرورت محسوس کی کہ ہم کتاب وسنت کے دلائل اور اہل علم کے کلام کے ذریعے ان لوگوں کے خود ساختہ اور مزعومہ دلائل کا رد پیش کریں تاکہ عام لوگ ان حضرات کے مغالطوں سے خود بھی محفوظ رہیں اور اپنی اولادوں اور اہل وعیال کو بھی متنبہ کرسکیں ۔ نیز دلائل کی روشنی میں ان گمراہ لوگوں کا رد کرسکیں۔ اس طرح وہ اللہ کے دین کا دفاع کرکے اللہ کے ہاں سرخرو ہوکر بہترین بدلہ پاسکیں۔

(۱۶) ہمارے اسلاف اس قسم کے موضوعات میں بحث ومباحثے کو قطعاً پسند نہیں کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسے موضوعات سے محفوظ رکھا تھا۔ البتہ ان کے بعد جب اسلام آہستہ آہستہ مٹنے لگا اور اہل علم دنیا سے رخصت ہوتے چلے گئے تو ہم جیسے لوگ اس قسم کے موضوعات میں مبتلا ہوگئے۔ ان گمراہ لوگوں نے جب باطل اور غلط نظریات کو فروغ دیا تو دلائل کے ساتھ ان کا رد کرنے کے سوا ہمارے لیے کوئی چارہ نہ رہا۔

اللہ کے رسول ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام اور تابعین عظام امت کو اس قسم کے گمراہ لوگوں سے اور ان کے مغالطات سے متنبہ کرتے رہتے رہے تاکہ وہ اپنی من مانی خواہشات کے بل بوتے پر، اللہ تعالیٰ کے بارے میں اور قرآن کریم کے بارے میں ایسی باتیں کرکے کفر میں مبتلا نہ ہوجائیں جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا

ہے:

((اَلْمِرَاءُ فِی الْقُرْآنِ کفرٌ))

”علم کے بغیر قرآن کے بارے میں لوگوں سے جھگڑنا کفر ہے۔“

[سنن ابی داؤد، ح: ٤٦٠٣]

اسی لیے صحابہ کرام اور تابعین عظام میں سے بعض حضرات قرآن کریم کی تفسیر سے حتی الامکان اجتناب کیا کرتے تھے کیوں کہ قرآن کے متعلق کچھ کہنا، دراصل اللہ ہی کے بارے میں کہنا ہوتا ہے۔

(١٧) سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

[أَيُّ أَرْضٍ تُقِلُّنِيْ وَ أيُّ سَمَاءٍ تُظِلُّنِيْ، إِذَا قُلْتُ فِي كَلَامِ اللهِ مَا لَا أَعْلَمُ]

”اگر میں علم یعنی دلائل کے بغیر اللہ کے کلام (قرآن مجید) کے بارے میں کچھ کہوں تو وہ کون سی زمین ہے جو مجھے پناہ دے گی اور کون سا آسمان ہے جو مجھ پر سایہ کرے گا۔“ (مراد یہ ہے کہ ایسی صورت میں میرے لیے آسمان کے نیچے اور زمین کے اوپر کوئی جائے پناہ نہیں ہوگی)

[**تحقیق وتخریج:** اس کی سند منقطع ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔ اسے امام ابن ابی شیبہ نے ”المصنف“ (ح: ٣٠٧٣١)، امام طبری نے ”جامع البیان“ (ح: ٧٨-٧٩)، ابوعبید قاسم بن سلام نے ”فضائل القرآن“ (ص: ٢٢٧)، خطیب بغدادی نے ”الجامع لإخلاق الراوي“ (ح: ١٥٩٦) اور ابن عبدالبر نے ”جامع البیان العلم“ (ح: ١٥٦١) میں روایت کیا ہے۔ ابومعمر، عامر شعبی اور ابراہیم تیمی کا سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت نہیں]

(١٨) عبیدہ سلمانی رحمہ اللہ سے قرآن کریم کے ایک مقام کی تفسیر کے حوالے سے دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا: اللہ سے ڈرو اور سیدھی راہ اختیار کرو۔ وہ لوگ دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں جو کما حقہ جانتے تھے کہ قرآن کی یہ آیت کس سلسلے میں نازل ہوئی تھی۔

[تحقیق و تخریج: اس کی سند صحیح ہے۔ اسے امام ابن المبارک نے "الزهد" (ح: ٢٠٥ زيادات نعيم بن حماد عنه)، امام طبری نے "جامع البيان" (ح:٩٧) اور ابوعبید قاسم بن سلام نے "فضائل القرآن" (ص: ٢٢٨) میں روایت کیا ہے۔]

(١٩) سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جو اس امت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے افضل اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پہلے خلیفہ ہیں، جنھوں نے اپنی آنکھوں سے تنزیل قرآن کے مواقع کا مشاہدہ کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اپنی آنکھوں سے دیکھا اور وہ قرآن کریم کے اکثر و بیشتر حصے کے متعلق جانتے بھی تھے کہ وہ کب اور کس سلسلے میں نازل ہوا، اس کے باوجود وہ قرآن کی تفسیر کے متعلق کچھ کہنے سے احتراز کرتے اور احتیاط برتتے تھے، مبادا کہ وہ کوئی ایسی بات کہہ بیٹھیں جو مرادِ الٰہی کے برعکس ہو اور وہ ایسی بات کہہ کر ہلاکت میں پڑ جائیں۔ اور یہی کیفیت ان کے بعد عبیدہ سلمانی رحمہ اللہ کی تھی، حالانکہ وہ کبار تابعین میں سے تھے۔ یہ عظیم المرتبت اہل علم وخواص قرآن کے حوالے سے گفتگو کرنے میں اس قدر محتاط تھے تو ان کے برعکس ان کے بعد آنے والوں کو بھی دیکھیں جو دین اور علم کے حوالے سے بالکل کورے ہیں اور اپنی بے دینی و کم علمی کی بنا پر دین کو درجہ بدرجہ نقصان پہنچا رہے ہیں۔ یہ اپنی خواہشات اور مرضی کی روشنی میں مرادِ الٰہی کے برعکس اور لغاتِ عرب کے بالکل متضاد و مخالف

تفسیر کرتے ہیں۔

(۲۰) (اسی لیے) بعض اہل علم نے کہا ہے کہ یہ امت اس وقت تک ہلاک (تباہ) نہیں ہوگی جب تک ان میں زندقہ (الحادو بے دینی) نہ آجائے اور یہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں (ناحق) باتیں نہ کرنے لگیں۔

(۲۱) حجاج بن دینار سے روایت ہے کہ منصور بن المعتمر فرماتے ہیں کہ کوئی دین اس وقت تک خراب نہیں ہوتا جب تک اس میں ''منانیۃ'' قسم کے لوگ نہ پیدا ہوجائیں۔ میں نے دریافت کیا کہ ان (منانیہ) سے کون لوگ مراد ہیں؟ انھوں نے کہا: ''بے دین۔''

[**تحقیق و تخریج:** اس کی سند ضعیف ہے۔ اسے امام فریابی نے ''كتاب القدر'' (ح: ۳۵۹) میں روایت کیا ہے۔ سوید بن سعید الانباری کے متعلق ہمارے شیخ زبیر علی زئی فرماتے ہیں: ضعيف ضعفه الأئمة من أجل اختلاطه ولا يحتج به إلا ما يروى عنه مسلم في صحيحه۔ أنوار الصحيفة، ص : ٤٤]

(۲۲) محمد بن الحنفیہ رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ دنیا اس وقت تک ختم نہ ہوگی جب تک لوگ اللہ تعالیٰ کے بارے میں اختلاف نہ کرنے لگیں گے۔

[**تحقیق و تخریج:** اس کی سند ضعیف ہے۔ سبب ضعف سفیان ثوری مدلس کا عنعنہ ہے۔]

(۲۳) محمد بن الحنفیہ رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ اس امت (کے لوگ) جب اللہ تعالیٰ (کی صفات کے بارے میں) بحث مباحثے کرنے لگیں گے تو یہ امت تباہ ہو

جائے گی۔

[اس کی سند ضعیف ہے۔عمرو بن ثابت سخت ضعیف ہے۔]

(۲۴) علی بن حسن بن شفیق سے روایت ہے کہ ابن المبارک نے فرمایا:
جہمیہ (ایک گمراہ فرقہ) کی باتیں کرنے کی نسبت مجھے یہ زیادہ پسند ہے کہ میں یہود و نصاریٰ کی باتیں ذکر کروں۔

[**تحقیق و تخریج:** اس کی سند صحیح ہے۔ اسے امام ابوداوٗد نے "مسائل الإمام احمد" (ح: ۱۷۳۷) اور عبداللہ بن احمد بن حنبل نے "السنة" (ح: ۲۳) میں روایت کیا ہے۔]

(۲۵) سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
((لا یزالون یسألون حتی یقال لأحدکم: هٰذا الله خلقنا، فمن خلق الله تبارک و تعالیٰ))
"لوگ دین کے حوالے سے بلاضرورت قسم کے سوال کیا کریں گے حتیٰ کہ ایسا بھی ہوگا کہ تم میں سے کسی سے یہ بھی دریافت کیا جائے گا کہ ہمیں تو اللہ نے پیدا کیا ہے (آپ یہ بتائیں کہ) اللہ تبارک وتعالیٰ کو کس نے پیدا کیا؟"
ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن میں بیٹھا ہوا تھا کہ اہل عراق میں سے ایک آدمی نے سوال کرتے ہوئے پوچھا: ابو ہریرہ! ان چیزوں کو تو اللہ نے پیدا کیا ہے۔ یہ بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ کو کس نے پیدا کیا ہے؟
ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: یہ سن کر میں نے (حیرت سے) اپنی انگلی اپنے کان پر رکھ

لی اورزور سے پکارا کہ اللہ اور اس کے رسول نے سچ فرمایا ہے، وہ اللہ واحد، یکتا اور بے نیاز ہے، اس کا ارشاد ہے:

[لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ، وَلَمْ يَكُن لَّهُۥ كُفُوًا أَحَدٌۢ]

"نہ اس (اللہ) نے کسی کو جنا اور نہ اسے کسی نے جنم دیا اور کوئی بھی اس کا ہم سر نہیں۔"

[الإخلاص: ٣-٤]

[**تحقیق و تخریج:** اسے امام مسلم نے اپنی "الصحیح" (ح: ١٣٥)، امام احمد نے "المسند" (٣٨٧/٢) میں روایت کیا ہے۔]

(٢٦) سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((یاتی الشیطان العبد له: من خلق کذا وکذا؟ حتیٰ یقول له: من خلق ربّک؟ فلیستعذ باللّٰه ولینته))

"شیطان بندے کے پاس آ کر (اس کے دل میں مختلف خیالات اور وسوسے ڈالتے ہوئے) کہتا ہے کہ اس چیز کو کس نے اور فلاں چیز کو کس نے پیدا کیا ہے؟ یہاں تک کہ وہ اسے یہ وسوسہ بھی دلاتا ہے کہ تمہارے رب کو کس نے پیدا کیا؟ (جب اسے اس قسم کے وسوسے اور خیالات آئیں) تو اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگے اور (مزید سوچنے سے) رک جائے۔"

[**تحقیق و تخریج:** یہ حدیث متفق علیہ ہے۔ اسے امام بخاری نے اپنی الصحیح" (ح: ٣٢٧٦) اور امام مسلم نے اپنی "الصحیح" (ح: ١٣٤) میں روایت کیا ہے۔]

(٢٧) سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((یاتی الشیطان أحدکم فیقول: من خلق السمآء؟ فیقول: اللہ عزوجل، فیقول: من خلق الأرض؟ فیقول: اللہ، فیقول: من خلق اللہ؟ فمن وجد من ذٰلک شیئا فلیقل: آمنّا باللہ))

''شیطان تم میں سے کسی کے پاس آ کر اسے اس قسم کے خیالات اور وسوسے دلاتا ہے کہ آسمان کو کس نے پیدا کیا؟ تو یہ آدمی کہتا ہے کہ اللہ عزوجل نے۔ پھر وہ وسوسہ ڈالتا ہے کہ اللہ کو کس نے پیدا کیا؟ پس جس آدمی کو اس قسم کے وسوسے آنے لگیں تو (وہ رک جائے اور) کہے: ہمارا اللہ پر ایمان ہے۔''

[تحقیق و تخریج: اسے امام مسلم نے ''الصحیح'' (ح: ١٣٤) میں روایت کیا ہے۔]

(٢٨) سیّدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مشرکین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں آ کر کہا: اللہ کے رسول! آپ ہمارے سامنے اپنے رب کا نسب بیان کریں تو اللہ عزوجل نے یہ سورت نازل فرمائی:

[قُلْ هُوَ ٱللَّهُ أَحَدٌ، ٱللَّهُ ٱلصَّمَدُ]

''کہہ دیجیے کہ وہ اللہ یکتا ہے، اللہ سب سے یکسر بے نیاز ہے۔''

الصَّمَدُ (سب سے یکسر بے نیاز) وہ ہوتا ہے جو [لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ] نہ اس کی کوئی اولاد ہے نہ وہ کسی کی اولاد ہے۔'' ہو، کیونکہ ہر پیدا ہونے والا بالآخر موت

سے دو چار ہوگا اور جسے موت آئے اس کا کوئی نہ کوئی وارث بھی ہوتا ہے۔ جب کہ اللہ کی شان یہ ہے کہ نہ تو اسے موت آسکتی ہے اور نہ کوئی اس کا وارث ہوسکتا ہے۔ [وَلَمْ يَكُن لَّهُۥ كُفُوًا أَحَدٌۢ] ''اور نہ کوئی اس کا ہمسر ہے۔'' یعنی نہ کوئی اس جیسا ہے، نہ کوئی اس کے برابر ہے۔ اور اس جیسا کوئی ہے ہی نہیں۔

[**تحقیق و تخریج:** اس کی سند ضعیف ہے۔ اسے امام ترمذی نے اپنی ''السنن'' (٣٣٦٤)، امام احمد نے اپنی ''المسند'' (١٣٤/٥)، اور امام حاکم نے ''المستدرک'' (٥٤٠/٢) میں روایت کیا ہے۔ اس کی سند میں ابوسعد محمد بن میسرہ ضعیف ہے۔ اس میں ایک علت اور بھی ہے وہ یہ کہ ابوجعفر کی ربیع بن انس سے روایت ضعیف ہوتی ہے]

(۲۹) ابو ہلال الراسبی کہتے ہیں کہ ہمیں ایک آدمی نے بیان کیا کہ سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سے کہا: کیا آپ اپنے رب کا تعارف کرواسکتے ہیں انہوں نے جواب دیا: ہاں۔ اس کی کوئی مثال ہی نہیں۔

[**تحقیق و تخریج:** اس کی سند ضعیف ہے۔ اسے امام عبداللہ بن احمد نے ''السنة'' (ح:١١٨٥) اور امام بیھقی نے ''اسماء اللہ وصفاته'' (ح: ٦١٧) میں روایت کیا ہے۔ اس میں رجل (آدمی) مجہول اور ابو ہلال الراسبی ضعیف ہے۔]

(۳۰) ابو یعلیٰ منذر الثوری کا بیان ہے کہ محمد بن حنفیہ نے کہا: تم سے پہلے لوگوں میں جن کو (دین کا) علم دیا گیا تھا، وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں تشکیک کا شکار ہوگئے تھے اور اس کی کیفیات کے متعلق بحث کیا کرتے تھے، وہ ایک دوسرے سے دریافت کیا کرتے تھے کہ آسمانوں کے اوپر کیا ہے؟ اور زمین کے نیچے کیا ہے؟ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ گمراہ ہوگئے۔ ان کی حالت یہاں تک جا پہنچی تھی کہ جب ان میں

سے کسی کو سامنے کی طرف سے پکارا جاتا تو وہ پیچھے کی طرف (منہ کر کے) جواب دیتا۔

[**تحقیق و تخریج:** اس کی سند حسن ہے۔ سالم بن ابی حفصہ صدوق ہے۔ (التقریب: ۲۱۷۱)]

(۳۱) ابوسعید عثمان بن سعید دارمی (مصنف کتاب ہٰذا) کہتے ہیں: اگر اس بات کا اندیشہ نہ ہوتا کہ عامۃ الناس ہماری بیان کردہ ان احادیث اوران جیسی دوسری احادیث کو صحیح طور پر سمجھنے سے قاصر ہیں تو میں اللہ تعالیٰ کی صفات کا انکار کرنے والے ان ''معطّلہ'' کے قبیح اقوال وآراء اوران کے کفریہ عقائد کے حوالے سے بہت سی ایسی باتیں ذکر کرتا جن سے ان کے اقوال وآرآء کی خرابیاں اور برائیاں آشکارا ہو جاتیں۔

مگر ہمیں اندیشہ ہے کہ عام اورسادہ منش لوگ ان کو سمجھ نہ کر سکیں گے اورانہیں صحیح طور پر نہ سمجھنے کی بنا پر شک وارتیاب کا شکار ہو جائیں گے۔ اسی حوالے سے امام ابن المبارک کا یہ قول قبل ازیں بیان ہو چکا ہے، انھوں نے فرمایا کہ جہمیہ (گمراہ لوگوں) کی باتیں ذکر کرنے کی نسبت مجھے یہ زیادہ پسند ہے کہ میں یہود ونصاریٰ کی باتوں کا ذکر کروں۔

(۳۲) ابن مبارک کی یہ بات یقیناً درست ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی صفات کے انکار کے حوالے سے جہمیہ وغیرہ کے عقائد وخیالات یہود ونصاریٰ کے عقائد سے زیادہ خطرناک ہیں۔ آئندہ اوراق میں ہم ان کے بہت سے غلط عقائد وخیالات کے

ردّ کے حوالے سے مختصر گزارشات پیش کریں گے۔ ان شاءاللہ تعالیٰ

باب: ۲

عرش الٰہی پر ایمان

اللہ کی صفات کا انکار کرنے والوں کو ''معطّلۃ'' کہا جاتا ہے۔ان حضرات نے اللہ تعالیٰ کی جن جن صفات کا انکار کیا ہے، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے عرش کو تسلیم نہیں کرتے۔

(۳۳) ابوسعید عثمان بن سعید دارمی (مصنف کتاب ہذا) کہتے ہیں: ہمارے وہم وگمان میں بھی کبھی یہ بات نہیں آئی تھی کہ ہمیں کسی مسلمان کے لیے عرش الٰہی کے اثبات اور اس پر ایمان لانے کے دلائل بھی پیش کرنے پڑیں گے۔ یہاں تک کہ ہمارے زمانے میں اللہ کی آیات وصفات کا انکار کرنے والا یہ ملحد گروہ ظاہر ہوا اور ہمیں ایک ایسے مسئلے کے لیے دلائل پیش کرنے پڑے جس کے متعلق ہم سے پہلے لوگوں میں کبھی اختلاف نہیں ہوا۔ اس حوالے سے ہم صرف اللہ تعالیٰ ہی سے شکوہ کرتے ہیں کہ یہ لوگ اسلام کی مضبوط بنیادوں کو کمزور کرنے میں اپنی صلاحیتوں اور توانائیوں کو صرف کر رہے ہیں۔ ہم اللہ ہی کی پناہ اور اس کی مدد چاہتے ہیں۔

(۳۴) اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی بہت سی آیات میں اپنے عرش کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ اس نے فرمایا:

[خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ]

''اس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا جب کہ (اس سے پہلے)

اس کا عرش پانی پر تھا۔“

[هود: ۷]

نیز اس نے فرمایا ہے:

[اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى]

”(وہ اللہ رحمٰن ہے اور وہ) رحمٰن اپنے عرش پر مستوی ہوا۔“

نیز فرمایا:

[ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۚ اَلرَّحْمٰنُ فَاسْاَلْ بِهٖ خَبِيْرًا]

”(زمین و آسمان کی تخلیق کے بعد) پھر وہ (رحمٰن) عرش پر مستوی ہوا، اس کی شان کسی جاننے والے سے ہی پوچھو۔“

نیز فرمایا:

[وَتَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ]

”اور آپ دیکھیں گے کہ فرشتے اللہ کے عرش کے اردگرد حلقہ بنائے ہوئے ہوں گے۔“

ان کے علاوہ بھی بہت سی آیات میں اللہ تعالیٰ کے عرش کا تذکرہ ہے۔

معطلّہ کے نزدیک عرش کا مفہوم:

(۳۵) یہ لوگ عام لوگوں کو دھوکہ دیتے ہوئے بظاہر کہتے ہیں کہ ان کا اللہ کے عرش پر ایمان ہے اور وہ اس کا اقرار کرتے ہیں، کیونکہ قرآن میں اس کا ذکر موجود ہے۔

تو میں (مصنف) نے ان میں سے ایک آدمی سے کہا کہ تم زبان سے تو عرش کا اقرار کرتے ہو مگر دلی طور پر اسے نہیں مانتے ہو اور تمہاری تو وہ حالت ہے جیسے اللہ نے فرمایا ہے:

[الَّذِيْنَ قَالُوَا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ]

''یہ لوگ زبان سے تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے جب کہ حقیقت یہ ہے کہ ان کے دل ایمان نہیں لائے۔''

[المائدة: ٤١]

یا تمہاری حالت ان منافقین کی سی ہے جن کا اللہ نے یوں ذکر کیا ہے:

[وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْآ اٰمَنَّا وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيَاطِيْنِهِمْ قَالُوْآ اِنَّا مَعَكُمْ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِئُوْنَ]

''یہ لوگ جب ایمان داروں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں اور جب علیحدگی میں اپنے شیطانوں یعنی سرکردہ لوگوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تو تمہارے ساتھ ہیں اور ان (مسلمانوں) سے محض مذاق کر رہے ہیں۔''

میں (مصنف) نے اس سے کہا: کیا تم اقرار کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کا عرش واقعی معلوم چیز ہے اور اس کی کچھ صفات ہیں اور ساتویں آسمان کے اوپر اسے ملائکہ نے اٹھایا ہوا ہے، اور اللہ اس کے اوپر ہے جیسا کہ اس نے (قرآن میں) بیان کیا ہے اور وہ (اللہ) مخلوق سے جدا ہے؟ میں نے جب ان باتوں کا تفصیل سے ذکر کیا تو وہ

ان کا اقرار کرنے سے ہچکچانے اور اِدھراُدھر کی باتیں کرنے لگا اور صراحت سے عرش کا اقرار نہ کیا۔

(۳۶) (مصنف) ابوسعید کہتے ہیں کہ معطلہ میں سے ایک سربرآوردہ آدمی نے میری ان باتوں کو سن کر کہا کہ عرش وہ نہیں جو تم کہتے ہو۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے جب آسمانوں، زمین اوران کے درمیان موجود مخلوقات کو پیدا کیا تو اس نے اس پوری کائنات کو پنا عرش کہا اور اس نے ان تمام باتوں پر کنٹرول اور اختیار حاصل کرلیا۔ اسی کا نام عرش ہے۔

(۳۷) میں نے اس سے کہا: تمہیں عرش کا انکار اور اس کی تکذیب کرنے سے کیا حاصل ہوا؟ حالانکہ عرش کے اثبات کے ایسے ایسے واضح اور نا قابل تردید دلائل موجود ہیں، جن کو تم جانتے تک نہیں۔ اس سے ہماری اس بات کی تصدیق اور تائید ہوتی ہے کہ تم زبانی طور پر عرش پر ایمان کا اظہار و اقرار کرتے ہو مگر تمہارے دل اسے تسلیم نہیں کرتے۔ اور تمہارا عرش پر ایمان ویسے ہی ہے جیسے اللہ نے فرمایا کہ:

[الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ ۛ]

''یہ لوگ زبان سے تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے جب کہ حقیقت یہ ہے کہ ان کے دل ایمان نہیں لائے۔''

[المائدة: ٤١]

تمہارے عقیدے اور نظریے کی اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں تکذیب کی ہے۔ تم کہتے ہو کہ یہ آسمان، زمین اور باقی کائنات یہ سب اللہ کا عرش ہے۔ اگر بات اسی

طرح ہے تو تم اس آیت کا کیا مفہوم بیان کرو گے کہ:

[اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّہِمْ]

''جن فرشتوں نے اللہ کے عرش کو اٹھایا ہوا ہے اور وہ فرشتے جو اللہ کے عرش کے اردگرد حاضر ہیں، وہ سب اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتے ہیں۔''

[المؤمن: ٧]

تو کیا عرش کو اللہ کے عرش ہی نے اٹھایا ہوا ہے یا اسے اس کی مخلوق نے اٹھایا ہوا ہے؟ یا اللہ نے جو فرمایا ہے:

[وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَہُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ]

''اور (قیامت کے دن) آٹھ فرشتے تیرے رب کے عرش کو اپنے اوپر اٹھائے ہوئے ہوں گے۔''

[الحاقة: ١٧]

تم ذرا بتلاؤ کہ وہ فرشتے آسمانوں، زمین اور ان کے درمیان والی مخلوقات کو اٹھائے ہوئے ہوں گے یا اللہ کے عرش کو؟ اگر تم کہو کہ وہ آسمانوں اور زمین کو اٹھائے ہوئے ہوں گے تو اس سے لازم آتا ہے کہ اللہ کی تمام مخلوق ہی اس کا عرش ہے اور اس طرح تم اللہ کے عرش کا انکار کرتے ہو۔ تمہاری اس تفسیر کے باطل، غلط اور محال ہونے میں کسی کو بھی شک نہیں۔ اور یہ بات کہہ کر تم اللہ، رحمٰن کے عرش کی تکذیب کے مرتکب ہوتے ہو۔

(۳۸)　اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

[خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ]

”کہ اس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا جب کہ (اس سے پہلے)اس کا عرش پانی پر تھا۔“

[هود: ٧]

اور رسول اللہ ﷺ نے بھی فرمایا ہے کہ ایک وقت تھا جب صرف اللہ تھا (اور کچھ نہیں تھا) اور اس کا عرش پانی پر تھا۔“

[صحيح البخاري، ح: ٣١٩١]

تو اللہ تعالیٰ کے ارشاد اور رسول اللہ ﷺ کے فرمان میں صاف دلالت ہے کہ جب نہ زمین کا وجود تھا نہ آسمان کا، اس وقت اللہ تعالیٰ کا عرش موجود تھا اور پانی پر تھا۔ تو تم جس چیز کے انکاری ہو اس کے متعلق لوگوں کو مغالطے کیوں دیتے ہو؟ تم محض زبانی طور پر عرش الٰہی کا قرار کرتے ہو تا کہ قرآن کی صریح نص کا انکار کرنے کی بنا پر لوگ تمھیں کافر نہ کہیں اور تمھیں قتل نہ کر دیں۔ جب کہ درحقیقت تم عرش کا انکار کرتے ہو۔

اللہ کی قسم! کم علم لوگ تو تمہارے گمراہ ہونے میں شک کر سکتے ہیں مگر اہل علم کو تمہارے گمراہ ہونے کا صاف یقین ہے جیسا کہ میں نے بھی تمھیں گمراہ کہا ہے۔ اس بارے میں الفاظ میں کمی بیشی کا تو امکان ہے مگر (ابوسعید دارمی) مصنف نے ایسے ہی

کہا تھا۔

(۳۹) سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان ہے کہ بنو تمیم کا ایک وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا، تو آپ نے فرمایا:

((يا بني تميم أبشروا))

"اے بنو تمیم! تمہیں خوشخبری ہو۔"

وہ کہنے لگے: آپ ہمیں خوش خبری دے رہے ہیں تو کچھ (مال و دولت بھی) عطا فرمائیں۔ یہ سن کر آپ کا چہرہ متغیر ہو گیا۔ اس کے بعد یمن کے کچھ لوگ آئے۔ تو آپ نے ان سے فرمایا:

[يا أهل اليمن! اقبلوا البشرىٰ إذ لم يقبلها بنو تميم]

"اے یمن والو! بنو تمیم نے تو خوشخبری قبول نہیں کی، تم قبول کر لو۔"

وہ بولے: ہمیں آپ کی خوش خبری قبول ہے۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے کائنات کی تخلیق اور عرش کے بارے میں بیان کرنا شروع کیا۔ اتنے میں ایک آدمی نے آ کر کہا: عمران! تمہاری سواری کھل گئی ہے اور دور جا رہی ہے۔ عمران رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں یہ سن کر اٹھ کر سواری کو پکڑنے کے لیے چل دیا۔ کاش! میں اس وقت اٹھ کر نہ جاتا اور آپ ﷺ کی پوری بات سن لیتا۔

[**تحقیق و تخریج:** اسے امام بخاری نے "الصحیح" (ح: ۳۱۹۱) میں روایت کیا ہے۔]

(۴۰) سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کی

خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ میں نے دروازے کے ساتھ اپنی اونٹنی کو باندھا اور اندر چلا گیا۔ اتنے میں بنوتمیم کے کچھ لوگ آپ کی خدمت میں آئے۔ آپ نے ان سے فرمایا:

((اقبلوا البشریٰ یا بني تمیم))

''اے بنوتمیم! تمہیں خوشخبری ہو۔''

انہوں نے کہا: آپ نے ہمیں خوشخبری دی ہے تو مال ودولت بھی عطا کریں، انہوں نے یہ بات دودفعہ دہرائی۔ اس کے بعد یمن کے کچھ لوگ آپ کی خدمت میں آ گئے۔ تو آپ نے ان سے فرمایا:

((اقبلوا البشریٰ یا أهل الیمن إذ لم یقبلها إخوانکم بنو تمیم))

''یمن والو! تمہارے تمیمی بھائیوں نے تو خوش خبری قبول نہیں کی، تمہیں خوشخبری ہو۔''

وہ بولے اللہ کے رسول! ہمیں آپ کی خوش خبری قبول ہے۔ ہم تو آپ کی خدمت میں دین کا علم حاصل کرنے کے لیے آئے ہیں، ہم آپ سے دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ اس کائنات کی ابتداء کیسے ہوئی تھی؟ آپ نے فرمایا:

((کان اللّٰه ولم یکن شیئ غیره، وکان عرشه علی الماء، ثم کتب فی الذکر کل شیئ، ثم خلق السمٰوات والأرض))

ایک وقت تھا جب صرف ایک اللہ تھا اور اس کے علاوہ کچھ بھی نہیں تھا۔ اور اللہ

کا عرش پانی پر تھا۔ تب اللہ نے لوح محفوظ میں ہر بات لکھی۔ پھر اس نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا کیا۔“

اتنے میں ایک آدمی نے آکر مجھ سے کہا کہ تمہاری اونٹنی کھل گئی ہے، جا کر اسے سنبھالو۔ میں اٹھ کر گیا تو دیکھا کہ وہ بہت دور جا رہی تھی۔ اللہ کی قسم! کاش کہ میں اسے جانے دیتا (اور اللہ کے رسول کی خدمت میں سے اٹھ کر نہ جاتا)۔

[**تحقیق و تخریج:** اسے امام بخاری نے ”الصحیح“ (ح: ٣١٩٠، ٣١٩١، ٤٣٦٥، ٤٣٨٦، ٧٤١٨ میں روایت کیا ہے۔]

(۴۱) مصنف کہتے ہیں کہ ان آیات واحادیث میں واضح بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین اور ان کے مابین والی مخلوقات کو پیدا کرنے سے پہلے عرش کو پیدا کیا اور ان نصوص میں عرش کا انکار کرنے والوں کے باطل دعوے کی تردید وتکذیب ہے۔

(۴۲) سیدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((خلق اللّٰه الخلق، وقضٰى القضية، وأخذ ميثاق النبيّين، وعرشه على المآء، وأخذ أهل اليمن بيمينهٖ، وأخذ أهل الشمال بيده الأخرىٰ، وكلتا يدى الرحمٰن يمين، ثم قال: يا أصحاب اليمين! قالوا: لبيک ربنا وسعديک، قال: ألست بربكم قالوا: بلى ثم قال: يا أصحاب الشمال! قالوا لبيک ربنا وسعديک، قال: ألست بربكم قالوا: بلىٰ، قال: فخلط

بعضهم ببعض فقال قائل:رب لم خلطت بيننا؟ قال: [لَهُمْ اَعْمَالٌ مِّنْ دُوْنِ ذٰلِكَ هُمْ لَهَا عَامِلُوْنَ] (المومنون: ٦٣) وقوله: [اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غَافِلِيْنَ] (الاعراف: ١٧٢) ثم ردّهم فی صلب آدم))

’’اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا اور وہ سارے امور سے فارغ ہوا۔ اور اس نے اپنے انبیاء سے میثاق - پختہ عہد - لیا۔ اس وقت اس کا عرش پانی پر تھا۔ اور اس نے داہنی جانب والوں کو اپنے داہنے ہاتھ میں لیا اور بائیں جانب والوں کو اپنے دوسرے ہاتھ میں لے لیا۔ اور (یاد رکھو کہ) اس کے دونوں ہی ہاتھ داہنے ہیں۔ پھر اللہ نے فرمایا: اے داہنی جانب والو! انہوں نے عرض کیا: اے ہمارے رب! ہم حاضر ہیں، اس نے کہا: کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ ان سب نے کہا: کیوں نہیں۔ (ہم اقرار کرتے ہیں کہ تو ہی ہمارا رب ہے) پھر اس نے کہا: اے دوسری جانب والو! ان سب نے کہا: کیوں نہیں۔ (ہم اقرار کرتے ہیں کہ تو ہی ہمارا رب ہے) آپ نے فرمایا: پھر اللہ تعالیٰ نے داہنی جانب والوں کو دوسری جانب والوں کے ساتھ خلط ملط کر دیا۔ تو کسی کہنے والے نے کہا: اے رب! تو نے ہمیں خلط ملط کیوں کر دیا؟ تو اللہ نے فرمایا:

[لَهُمْ اَعْمَالٌ مِّنْ دُوْنِ ذٰلِكَ هُمْ لَهَا عَامِلُوْنَ] (المومنون: ٦٣)

’’ان کے سوا ان کے اور اعمال بھی ہیں جو یہ کرتے رہتے ہیں۔‘‘

اسی طرح اللہ نے فرمایا ہے:

[اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غَافِلِيْنَ] (الاعراف: ۱۷۲)

''(اور ہم نے ان لوگوں سے اس وقت عہد اس لیے لیا تھا کہ کہیں تم قیامت کے دن یہ عذر پیش نہ کرو) کہ ہم تو اس بات سے بے خبر تھے۔''

یہ عہد لینے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان تمام روحوں کو پشت آدم میں لوٹا دیا۔''

سیدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ مزید فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((خلق الله الخلق وقضى القضية وأخذ ميثاق النبيّين وعرشه على المآء، وأهل الجنة أهلها، أهل النّار أهلها))

''اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کو پیدا کیا وہ تمام امور سے فارغ ہو چکا تو اس نے انبیاء سے میثاق (پختہ وعدہ) لیا۔ اس وقت اس کا عرش پانی پر تھا۔ اس وقت اس نے فیصلہ کر دیا کہ یہ لوگ جنتی ہوں گے اور یہ لوگ جہنمی ہوں گے۔''

تو کسی نے پوچھنے والے نے دریافت کیا کہ اللہ کے نبی! (اگر یہ فیصلے ہو چکے ہیں تو) اب عمل کی کیا حیثیت رہ گئی ہے؟ آپ نے فرمایا:

((أن يعمل كل قوم لمنزلهم))

''لوگ اپنے اپنے انجام اور مقام کو پانے کے لیے عمل کرتے ہیں۔''

یہ سن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: تب تو ہم زیادہ سے زیادہ عمل کریں گے۔

سیدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا: آپ اعمال کے متعلق وضاحت فرمائیں کہ کیا ہمارے اعمال کی بنیاد پر انجام کا فیصلہ ہوگا یا یہ سب

کچھ طے ہو چکا ہے؟ آپ نے فرمایا: ((بل فرغ منها)) ”حقیقت تو یہی ہے کہ ان باتوں کا فیصلہ پہلے سے طے ہو چکا ہے۔“

[تحقیق و تخریج: اس کی سند ضعیف ہے۔ اسے امام عقیلی نے ”کتاب الضعفاء“ (۱۵۸/۱) اور ابوالشیخ نے ”العظمة“ (۳۹) میں روایت کیا ہے۔ اس کی سند میں بشر بن نمیر القشیری، البصری متروک ہے۔]

(۴۳) سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[إن فى الجنة مائة درجة ما بين كل درجتين كما بين السماء والأرض، والفردوس أعلى الجنة، وأوسطها، وفوقها عرش الرحمٰن ومنها تفجر أنهار الجنة، فإذا سألتم الله فسلوه الفردوس]

”جنت کے سو درجے ہیں۔ ان میں سے ہر درجہ زمین و آسمان کے درمیانی فاصلے کے برابر ہے۔ بلاشبہ جنت کا اعلیٰ ترین درجہ ”الفردوس“ ہے اور اس کے اوپر اللہ تعالیٰ کا عرش ہے۔ جنت کی تمام نہریں اسی سے پھوٹتی ہیں۔ لہٰذا تم جب اللہ تعالیٰ سے جنت کی دعا کرو تو جنت الفردوس کی دعا کرو۔“

[تحقیق و تخریج: یہ روایت شواہد کے ساتھ ”صحیح“ ہے۔ اسے امام ترمذی نے ”الجامع“ (۲۵۳۰)، ابن ماجہ نے ”السنن“ (٤٣٣١) اور احمد نے ”المسند“ (٥/ ٢٤٠-٢٤١) میں روایت کیا ہے۔ عطاء بن یسار کی سیدنا معاذ سے ملاقات ثابت نہیں۔ اس کے شواہد کے لیے ملاحظہ ہو: صحيح البخاري، ح: ٢٧٩٠ عن ابي هريرة، جامع

الترمذی، ح: ٢٥٣١عن عبادة بن الصامت]

(۴۴) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:

((ان اللّٰه كان علٰى عرشه قبل أن يخلق شيئا، فكان اول ما خلق اللّٰه القلم، فامره وكتب ما هوا كائن وإنما يجري الناس على أمر قد فرغ منه))

''کائنات کو پیدا کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کا عرش پانی پر تھا۔ اس نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا اور اسے لکھنے کا حکم دیا۔ تو قیامت تک جو کچھ ہونے والا تھا اس نے وہ سب لکھ دیا۔ اب لوگ وہ عمل کرتے ہیں جن کے لکھنے سے فراغت حاصل کی جاچکی ہے۔

[**تحقیق و تخریج:** اس کی سند صحیح ہے۔ اسے امام طبری نے ''الجامع البیان'' (۲۱/۱۱) میں اور ابوبکر آجری ''الشریعة'' (۳۸۹) میں روایت کیا ہے]

(۴۵) سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:

((لما أراد اللّٰه تبارك وتعالىٰ أن يخلق شيئا إذ كان عرشه على المآء، وإذ لا أرض ولا سماء، خّق الريح فسلّطها على المآء حتى اضطربت أمواجه وأثار ركامه فأخرج من المآء دخانا وطينا وزبدا، فأمر الدخان فعلا وسما، ونمٰى، فخلق منه السمٰوات، وخلق من الطين الأرضين، وخلق من الزبد الجبال))

”جب اللہ نے کائنات کو پیدا کرنے کا ارادہ کیا، اس وقت اس کا عرش پانی پر تھا، اس وقت نہ زمین تھی نہ آسمان۔ اللہ نے ہوا کو پیدا کر کے اسے پانی پر مسلط کر دیا۔ یہاں تک کہ پانی کی موجوں میں اضطراب بپا ہو گیا اور جما ہوا پانی بکھر کر رہ گیا۔ پھر اللہ نے پانی سے دھواں اور جھاگ نکالی۔ پھر اللہ نے دھوئیں کو حکم دیا تو وہ پھیل کر بلندی میں دور تک چلا گیا۔ اللہ نے اسی سے آسمان پیدا کیے اور اس نے مٹی سے زمینوں کو اور جھاگ سے پہاڑوں کو پیدا کیا۔“

[**تحقیق و تخریج:** اس کی سند ضعیف ہے۔ ابن لہیعۃ مدلس ومختلط ہے اور رشدین بن سعد ضعیف ہے۔]

(۴۶) ابوسعید (مصنف) کہتے ہیں کہ گزشتہ تحریر میں ہم نے جو قرآنی آیات اور احادیث ذکر کی ہیں، ان میں یہ بیان ہے کہ کائنات کی چیزوں کی تخلیق سے پہلے اللہ تعالیٰ کا عرش موجود تھا۔ معطّلہ (اللہ کی صفات کا انکار کرنے والے لوگ) جس قسم کا دعویٰ کرتے ہیں، اس میں اللہ کے عرش کا انکار اور باطل اندازے ہیں۔ اگر ہم چاہتے تو عرش کے اثبات کے لیے مزید بہت سی احادیث اور صحابہ وتابعین کے اقوال پیش کر دیتے۔ لیکن ہم جانتے ہیں کہ ہماری ذکر کردہ آیات واحادیث اس حوالے سے کافی ہیں جن پر تمام خواتین اور بچوں کا ایمان ہے۔ سوائے اس ملحد اور گمراہ فرقے کے جو اللہ کی آیات کے انکاری ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے گمراہ لوگوں سے اپنی زمین کو پاک کرے اور اہل ایمان کو ان کے شر سے محفوظ رکھے۔ آمین

باب: ۳

اس امر کا بیان کہ اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہے اور وہ آسمانوں سے اوپر اور مخلوق سے جدا ہے

معطلہ اور جہمیہ ان مذکورہ بالا امور کا بھی انکار کرتے ہیں حالانکہ قرآن وحدیث کی بے شمار نصوص میں تفصیل سے ان کا بیان ہے۔

(۴۷) اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

[اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ]

”بے شک تمہارا رب وہ اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا پھر وہ اپنے عرش پر مستوی ہوا۔“

[الاعراف: ٥٤]

نیز اس کا ارشاد ہے:

[تَنْزِیْلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمَاوَاتِ الْعُلٰی (٤) اَلرَّحْمٰنُ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی (٥) لَهٗ مَا فِی السَّمَاوَاتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰی (٦) وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ یَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰی (٧) اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی (٨)]

”یہ قرآن اس ذات (اللہ) کی طرف سے نازل کیا گیا ہے جس نے زمین کو اور بلند آسمانوں کو پیدا کیا ہے۔ وہ رحمٰن (اللہ) عرش پر مستوی ہے۔ آسمانوں میں، زمین میں، ان کے درمیان اور زمین کے نیچے، جو کچھ بھی ہے، سب اسی کا ہے۔ تم اگر کھل کر کوئی بات کرو (تو وہ اسے جانتا ہے) بلکہ وہ تو چپکے چپکے سے کہی ہوئی ہر بات کو بلکہ اس سے بھی زیادہ پوشیدہ باتوں کو جانتا ہے۔ اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ اس کے اچھے اچھے بہت نام ہیں۔“

[طٰہٰ: ٤-٨]

نیز اس نے فرمایا:

[اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ ؕ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا شَفِیْعٍ ؕ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ (٤) یُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَی الْاَرْضِ ثُمَّ یَعْرُجُ اِلَیْهِ فِیْ یَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗۤ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ (٥) ذٰلِكَ عَالِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ (٦)]

”وہ اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں کو اور زمین کو اور ان ساری چیزوں کو جو ان کے درمیان میں ہیں، چھ دنوں میں پیدا کیا پھر وہ عرش پر مستوی ہوا۔ اس کے سوا نہ کوئی تمہارا حامی و مددگار ہے اور نہ اس کے سامنے کوئی تمہارے حق میں سفارش کرنے والا۔ تو پھر کیا تم سوچ وبچار نہیں کرتے؟ وہی آسمان سے زمین تک کے امور و معاملات کی تدبیر کرتا ہے اور اس کی تدبیر کی روداد پر،

اس کی طرف ایسے دن میں پیش کی جاتی ہے جس کی مقدار تمہارے حساب سے ایک ہزار سال کے برابر ہے۔ وہی ہے ہر پوشیدہ اور ظاہر چیز کو جاننے والا زبردست، رحیم۔‘‘

نیز اس نے فرمایا:

[اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَرَافِعُكَ]

’’میں تجھے (یعنی عیسی علیہ السلام کو) مکمل طور پر لینے والا ہوں اور تجھے اپنی طرف اٹھانے والا ہوں۔‘‘

نیز اللہ نے فرمایا:

[وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ ۚ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ]

’’اور وہی (اللہ) اپنے بندوں پر مکمل اختیار رکھتا ہے اور وہی بڑا دانا اور مکمل طور پر باخبر ہے۔‘‘

نیز اس نے فرمایا:

[يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ]

’’وہ (فرشتے) اپنے اس رب سے ڈرتے ہیں جو ان کے اوپر ہے اور انہیں جو حکم دیا جاتا ہے، اس کی تعمیل کرتے ہیں۔‘‘

نیز اللہ نے فرمایا:

[اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ]

’’اسی کی طرف پاکیزہ کلمات چڑھتے ہیں اور عمل صالح انہیں اوپر لے جاتا

ہے۔“

نیز اللہ نے فرمایا:

[مِّنَ اللّٰهِ ذِی الْمَعَارِجِ (٣) تَعْرُجُ الْمَلَآئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ]

”(وہ عذاب) بلند درجوں والے اللہ کی طرف سے ہے۔ فرشتے اور روح (جبریل) اس کی طرف چڑھیں گے، ایسے دن جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے۔“

نیز اللہ نے فرمایا:

[ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمُ الْاَرْضَ فَاِذَا هِيَ تَمُوْرُ (١٦) اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ اَنْ يُّرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ؕ فَسَتَعْلَمُوْنَ كَيْفَ نَذِيْرِ]

”وہ اللہ جو آسمان میں ہے کیا تم اس سے بے خوف اور مطمئن ہو کہ وہ تمہیں زمین میں دھنسا دے اور یہ زمین یکا یک ہچکولے کھانے لگے؟ اور کیا تم اس اللہ سے نہیں ڈرتے جو آسمان میں ہے کہ وہ تم پر پتھراؤ کرنے والی ہوا بھیج دے۔ پھر تمہیں پتہ چلے گا میری تنبیہ کیسی ہوتی ہے؟“

[الملک: ١٦-١٧]

نیز اللہ نے فرمایا:

[قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِیْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِیْ يَوْمَيْنِ وَ تَجْعَلُوْنَ

لَهٗۤ اَنْدَادًا ذٰلِكَ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ (٩) وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَبَارَكَ فِيْهَا وَقَدَّرَ فِيْهَاۤ اَقْوَاتَهَا فِيْۤ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ ؕ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِيْنَ (١٠) ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ؕ قَالَتَاۤ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ (١١) فَقَضَاهُنَّ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ فِيْ يَوْمَيْنِ وَاَوْحٰى فِيْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا ؕ وَزَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ وَحِفْظًا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ]

’’اے نبی! آپ ان لوگوں (کفار) سے دریافت کریں کہ کیا تم اس اللہ کا انکار کرتے ہو اور دوسروں (غیر اللہ) کو اس کا ہم سر قرار دیتے ہو، جس نے (اتنی بڑی زمین کو) دو ہی دنوں میں بنا دیا؟ وہی عظیم ذات ہی جو تمام جہانوں کا رب ہے۔ (اس نے وسیع وعریض زمین کو پیدا کرنے کے بعد اس کو ہلنے جلنے سے روکنے کے لیے) اس کے اوپر مضبوط پہاڑ پیدا کر دیے اور اس زمین میں اپنی برکتیں (نعمتیں) رکھ دیں اور اس نے ہر مخلوق کی ضرورت وحاجت کے مطابق درست ترین اندازے کے مطابق ان کی خوراک کا سامان مہیا کر دیا۔ یہ سارے کام صرف چار دن میں ہو گئے اس حال میں کہ سوال کرنے والوں کے لیے برابر (جواب) ہے۔ پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا، جو اس وقت محض ایک دھوئیں کی صورت میں تھا۔ اس نے آسمان اور زمین سے کہا کہ وجود میں آ جاؤ، تم چاہو یا نہ چاہو۔ دونوں نے کہا: ہم آ گئے فرماں بردار بن کر۔ تب اس نے دو ہی دنوں کے اندر سات آسمان بنا دیے۔ اور ہر آسمان میں اس نے اپنا امر (حکم) وحی کر دیا۔ اور ہم نے آسمانِ دنیا کو

چراغوں (تاروں) سے آراستہ کیا اور اس کی خوب حفاظت کی یہ سب کچھ ایک زبردست و علیم ہستی کا منصوبہ ہے۔''

(۴۸) ابوسعید (عثمان بن سعید دارمی، مصنف کتاب ہذا) کہتے ہیں کہ ان (جہمیہ اور معطّلہ کے حامل عقیدہ) کے لوگ زبانی زبانی تو ان آیات پر ایمان لے آئے۔ اور انہوں نے ان آیات اور ان کے مضمون پر ایمان لانے کا دعویٰ بھی کیا لیکن انہوں نے اپنے اس دعویٰ کا اپنے دوسرے دعویٰ کے ذریعے انکار اور ابطال کر دیا۔ انہوں نے دعویٰ کیا کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے اور کوئی بھی جگہ اس کے وجود سے خالی نہیں۔

ان کے اس دعویٰ کی بنا پر ہم نے ان سے کہا کہ ایک طرف تو تم اللہ کے عرش پر مستوی ہونے کا اقرار کرتے ہو۔ مگر تم اس کے ہر جگہ ہونے کا دعویٰ کر کے اپنے پہلے دعویٰ کو رد کر دیتے ہو۔

تو ہمارے اس اعتراض کے جواب میں انہوں نے کہا کہ ہمارے نزدیک اللہ تعالیٰ کے عرش پر مستوی ہونے کا معنی یہ ہے کہ وہ عرش کے اوپر غالب آ گیا اور اس کے اوپر چلا گیا، تو ہم نے ان سے کہا کہ کیا کوئی جگہ ایسی بھی ہے جس پر وہ غالب نہ آیا ہو اور اس کے اوپر نہ گیا ہو؟ اس لیے اس کے استواء کے لیے عرش کا خاص طور پر ذکر کرنے کی ضرورت پیش آئی ؟ اور اس نے اپنی کتاب میں اس بات کا بار بار اعادہ اور تکرار کیا ؟ اگر اللہ تعالیٰ کا عرش پر اور باقی جگہوں پر استواء برابر ہے تو تمہارے نزدیک ان آیات کا کیا مفہوم ہے جن میں اللہ تعالیٰ کے عرش پر استواء

ذکر ہے؟

(۴۹) تمہارا یہ دعویٰ نا قابل تسلیم حجت اور یکسر باطل کلام ہے۔خود تمہیں اپنی بات اور دعویٰ کے باطل اور محال ہونے میں شک نہیں۔تم ایسی باتیں کر کے عام لوگوں میں مغالطے پھیلاتے ہو۔

(۵۰) جب تم یوں کہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ پر ہے اور اپنی ہر مخلوق کے اندر ہے تو ذرا بتلاؤ کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان مخلوقات اور جگہوں کو پیدا کیا تو کیا وہ اکیلا الٰہ تھا؟ ہمارے اس سوال کے جواب میں انہوں نے کہا کہ ہاں، اس وقت وہ اکیلا ہی تھا تو ہم نے کہا کہ تو جب اس نے مخلوقات کو اور جگہوں کو پیدا کیا تو کیا وہ اس بات پر قادر تھا کہ وہ کسی بھی جگہ کے بغیر رہے جیسا کہ وہ مخلوقات کو پیدا کرنے سے پہلے تھا اسے اپنی مخلوقات اور پیدا کی ہوئی جگہوں میں جانے کی ضرورت نہیں تھی یا اس کے لیے اس کے بعد کسی مخلوق کے اندر یا کسی جگہ جانے کے بغیر کوئی چارہ نہ تھا اور کیا وہ اس بات سے مستغنی نہیں تھا؟

اس کے جواب میں انہوں نے کہا کہ اسے کسی مخلوق اور جگہ کے اندر جانے کی ضرورت نہیں تھی۔تو ہم نے کہا کہ وہ اللہ الملک القدوس (ہر نقص سے پاک بادشاہ) اپنی عزت اور جاہ وجلال کے ساتھ عرش پر ہے اور مخلوق سے جدا ہے، اب اسے کیا ضرورت پیش آئی کہ وہ اپنے پیدا کیے ہوئے نجس مقامات، انسانوں، پرندوں اور جانوروں کے شکموں (پیٹوں) میں منتقل ہو گیا اور دنیا کے ہر کونے، حجرے اور جگہ میں پھیل گیا؟

(۵۱) اگر تمہارا معبود ایسا ہی ہے (جیسا کہ تم نے خود بیان کیا ہے) تو تم نے اپنے معبود کا انتہائی ناپسند اور مکروہ تصور پیش کیا ہے۔ اللہ (برحق) اس بات سے انتہائی اعلیٰ اور بزرگ (اور اس بات سے منزہ) ہے کہ یہ (تمہارے بیان کردہ اوصاف) اس کی صفت ہوں۔ تم پر لازم ہے کہ تم اپنے اس دعویٰ کی تصدیق کے لیے اللہ کی کتاب سے یا رسول اللہ ﷺ کی سنت ثابتہ سے یا مسلمانوں کے اجماع سے کوئی واضح دلیل پیش کرو۔ جب کہ یہ حقیقت ہے تم تا قیامت ایک بھی دلیل پیش نہ کرسکو گے۔

(۵۲) میری اس بات کے جواب میں ان (معطلہ اور جہمیہ) کے ایک فرد نے ایسی دلیل پیش کی اور اس کے حامی نے اس کی زندیقیت کو سہارا دیتے ہوئے یہ دلیل پیش کی، جس کے محض ذکر کرنے سے ہی مجھے وحشت ہو رہی ہے کہ اس نے یہ کیا کہہ دیا۔ اس نے قرآن کی یہ آیت کریمہ پڑھی:

[مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلَاثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَآ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا ۚ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ]

”کبھی ایسا نہیں ہوتا کہ تین آدمی آپس میں سرگوشی کریں اور ان کے ساتھ چوتھا اللہ نہ ہو۔ اور پانچ آدمی کہیں سرگوشی کریں تو ان کے ساتھ چھٹا نہ ہو۔ سرگوشی کرنے والے اس سے کم ہوں یا زیادہ، وہ جہاں کہیں بھی ہوں اللہ

بہرحال ان کے ساتھ ہوتا ہے پھر قیامت کے دن وہ انہیں بتلا دے گا کہ انہوں نے کیا کچھ کیا۔ بے شک اللہ ہر چیز سے باخبر ہے۔''

[المجادلة: ۷]

(۵۳) ان کے استدلال کے جواب میں ہم کہیں گے یہ آیت تمہارے حق میں نہیں بلکہ ہمارے موقف کی دلیل ہے اور اس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ عرش پر ہونے کے باوجود اپنے علم کے لحاظ سے ہر سرگوشی کے وقت اور ہر ہر آدمی کے ساتھ ہوتا ہے کیونکہ اس کا علم ہر ایک کو گھیرے ہوئے ہے اور اس کی بصارت ہر ایک تک پہنچتی ہے۔ اس کے علم و بصارت سے کوئی بھی چیز پوشیدہ نہیں اور نہ ہی یہ لوگ اس سے کہیں چھپ سکتے ہیں۔ وہ اپنے کمالات کے ساتھ عرش پر ہے اور اپنی مخلوق سے یقیناً جدا ہے۔ اس نے اپنے متعلق فرمایا ہے:

[يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰى]

''وہ ہر پوشیدہ بات بلکہ اس سے زیادہ مخفی باتوں سے بھی واقف ہے۔''

[طٰه: ۷]

اور وہ عرش پر ہونے کے باوصف اپنی مخلوق کے ہر ہر فرد کی شہہ رگ سے بھی اس کے زیادہ قریب ہے۔ یہ سب اس کے لیے ممکن اور اس کی قدرت میں ہے کیونکہ کوئی بھی چیز اس سے دور ہو سکتی ہے اور نہ آسمانوں اور زمین کی کوئی چیز اس سے مخفی رہ سکتی ہے۔ لوگ جب کسی جگہ پر تین، چار یا پانچ ہوں تو ان کے ساتھ چوتھا، پانچواں یا چھٹا اللہ ہوتا ہے اور جسمانی طور پر زمین پر بندوں کے ساتھ نہیں ہوتا۔ جیسا کہ تمہارا دعویٰ

ہے۔امت کے اہل علم نے اس آیت کی یہی تفسیر کی ہے۔

(۵۵) ان کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ جی ہاں! بالکل آپ نے واقعی قرآن کریم سے استدلال پیش کیا ہے مگر اس کی صحیح تفسیر وہ ہے جو ہم نے ذکر کی ہے۔ آپ لوگ اس آیت کے حقیقی معنی کو نہیں سمجھ سکے۔اور آپ لوگ راہ راست سے بھٹک گئے ہیں۔آپ نے اس آیت کے درمیانی حصے کو پیش نظر رکھا اور اس کے ابتدائی اور آخری حصے پر توجہ نہیں دے سکے۔اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے درمیانی حصے کو پیش نظر رکھا اور اس کے ابتدائی اور آخری حصے پر توجہ نہیں دے سکے۔اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے آغاز میں علم کا ذکر کیا اور آیت کے آخر میں بھی علم کا بیان کیا ہے۔ اس آیت کے شروع میں ہے:

[اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ یَعْلَمُ مَا فِی السَّمَاوَاتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ]

”کیا آپ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کی موجود ہر چیز کو جانتا ہے۔“

اور پھر اسی آیت کے آخر میں اس نے فرمایا ہے:

[ثُمَّ یُنَبِّئُھُمْ بِمَا عَمِلُوْا یَوْمَ الْقِیَامَةِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ]

”پھر وہ اللہ ان لوگوں کو قیامت کے دن ان کے اعمال کے متعلق بتائے گا جو وہ دنیا میں کرتے رہے۔بے شک اللہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔“

تو اس آیت کے ابتدائی اور آخری الفاظ میں اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ

نے یہ بیان کیا کہ وہ بندوں کے بارے میں اوران کے کیے ہوئے تمام اعمال سے بخوبی واقف ہےاورتمہارے دعوے کے مطابق اس نے یہ نہیں کہا کہ وہ اپنے بندوں کے ساتھ ہرہرجگہ پرموجود ہے۔اگرتم لوگ کچھ سوچ وبچارکروتو یہ معنی واضح ہوجائے گااورتمہارے دعوے کے برعکس یہ زبردست دلیل ہے۔

نیز دوسری اہم بات یہ کہ جب ہم نے سنا کہ اللہ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے:

[اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ]

''پھروہ اپنے عرش پرمستوی ہوا۔''

نیزفرمایا:

[اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ]

''وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا۔''

[البقرة: ٢٩]

نیزاس نے فرمایا:

[ذِى الْمَعَارِجِ (٣) تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ]

''وہ اللہ بلندیوں والا ہے۔تمام ملائکہ اورجبریل علیہ السلام اسی کی طرف اوپرکو جاتے ہیں۔''

[المعارج: ٣-٤]

نیزاس نے فرمایاہے:

[يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ]

''وہ آسمان سے زمین تک تمام امور ومعاملات کی تدبیر وتنظیم کرتا ہے اور پھر اس تدبیر کی روداد اوپر اسی کی طرف جاتی ہے۔''

نیز اس کا ارشاد ہے:

[اِلَیْهِ یَصْعَدُ الْکَلِمُ الطَّیِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ یَرْفَعُهٗ]

''اسی کی طرف پاکیزہ کلمات چڑھتے ہیں اور عمل صالح انہیں اوپر لے جاتا ہے۔''

نیز اس نے فرمایا ہے:

[وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ]

''اور وہی (اللہ) اپنے بندوں پر مکمل اختیار رکھتا ہے۔''

[الانعام: ۱۸]

نیز اس نے فرمایا ہے:

[اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَرَافِعُكَ]

''میں تجھے (عیسیٰ علیہ السلام کو) مکمل طور پر لینے والا ہوں اور تجھے اپنی طرف اٹھانے والا ہوں۔''

مذکورہ بالا ہماری پیش کردہ اوران جیسی بے شمار آیات ہیں۔ ہمارا ان سب پر ایمان ہے اور ہم حتمی طور پر کسی شک وتردد کے بغیر ایمان رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس آسمانوں سے اوپر عرش پر مستوی ہے جیسا کہ خود اس نے اس کی وضاحت کی ہے۔ نیز وہ اپنی مخلوقات سے جدا ہے۔ پس جس آیت میں اس نے فرمایا ہے کہ:

[اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلَاثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ]

”کیا آپ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین میں موجود ہر چیز کو جانتا ہے اور کبھی ایسا نہیں ہوتا کہ تین آدمی آپس میں سرگوشی کریں اور ان کے ساتھ چوتھا اللہ نہ ہو۔“

ہم کہتے ہیں کہ وہ اللہ اس علم کے ساتھ اپنی مخلوق کے ساتھ ہوتا ہے جس علم کا اس نے آیت کی ابتداء میں اور آیت کے اختتام پر ذکر کیا ہے۔ ہم یہ معنی اور مفہوم اس لیے بیان کرتے ہیں کہ اس نے بے شمار آیات میں ذکر کیا ہے کہ وہ آسمانوں سے بھی اوپر عرش پر ہے اور اس کی یہ بات یقینی ہے جس میں ذرہ برابر بھی شک نہیں۔

پیشِ نظر آیت میں جب اس نے خود بیان فرمایا ہے کہ وہ ہر سرگوشی کرنے والوں کے ساتھ ہوتا ہے تو اس کی وضاحت کرتے ہوئے ہم کہتے ہیں کہ وہ اپنے علم اور بصارت کے حوالے سے ان لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے ورنہ اس کی ذات اقدس عرش پر ہوتی ہے جیسا کہ اس نے صراحت سے یہ بیان فرمایا ہے۔

اور کوئی بات بھی اور کوئی چیز بھی اس سے مخفی و پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔ کوئی ساتویں بلند آسمان میں ہو یا نیچے والی ساتویں زمین کی تہوں کے اندر ہو اس سے کچھ بھی پوشیدہ نہیں۔

اس آیت کا معنی و مفہوم اس آیت کی طرح ہی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور سیدنا ہارون علیہ السلام سے فرمایا:

[اِنَّنِیْ مَعَکُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰی]

''میں تمہارے ساتھ ہوں (اور عرش کے ہونے کے باوجود) میں سب کچھ سن اور دیکھ رہا ہوں۔''

(۵٦) ہم نے اللہ کی کتاب میں سے جو واضح ترین دلیل آپ کے ردّ میں پیش کی ہے۔ کیا اس سے بھی بڑھ کر کوئی آیت زیادہ واضح اور بلیغ تر ہوگی؟ پھر رسول اللہ ﷺ کی احادیث اور صحابہ وتابعین سے مروی روایات اس قدر کثیر تعداد میں ہیں کہ ان کو تو شمارہ نہیں کیا جا سکتا۔

ہم ان میں سے بعض کا ذکر آگے کرنے والے ہیں ان شاء اللہ۔ نیز متقدمین اور متاخرین علماء اور جاہلین کا اجماع اس پر مستزاد ہے کہ سب لوگ جب اللہ تعالی سے مدد مانگتے اور دعا کرتے ہیں تو وہ اپنے ہاتھوں اور نگاہوں کو اوپر کی طرف اٹھاتے ہیں اور کبھی بھی کسی نے بھی دعا کے وقت اپنے ہاتھوں کو سامنے کی طرف یا پیچھے کی جانب یا داہنی یا بائیں سمت کو نہیں پھیلاتا بلکہ ہر کوئی اپنے ہاتھ اوپر کی طرف ہی اٹھاتا ہے کیونکہ ہر کوئی جانتا اور سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے اوپر ہے۔

اور یہ بات بھی قابل غور ہے کہ تمام نمازی سجدے کی حالت میں ''سبحان ربی الاعلیٰ'' کہتے ہیں اور کوئی بھی ''سبحان ربی الاسفل'' نہیں کہتا بلکہ یہ بھی دیکھیں کہ فرعون جیسا اللہ کا باغی اور سرکش آدمی بھی یہی سمجھتا تھا کہ اللہ عزوجل آسمان پر ہے۔ اسی لیے اس نے کہا تھا:

[وَقَالَ فِرْعَوْنُ یَا هَامَانُ ابْنِ لِیْ صَرْحًا لَّعَلِّیْٓ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ

(٣٦) اَسْبَابَ السَّمَاوَاتِ فَاَطَّلِعَ اِلٰٓی اِلٰهِ مُوْسٰی وَاِنِّیْ لَاَظُنُّهٗ كَاذِبًا]

''اے ہامان! میرے لیے ایک بلند و بالا عمارت تعمیر کرو تا کہ میں آسمان کے راستوں (دروازوں) تک جا کر موسیٰ کے الٰہ (معبود) کی طرف جھانک کر دیکھ سکوں۔''

[طٰهٰ: ٣٦-٣٧]

(۵۷) اس آیت سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام اپنے مد مقابل فرعون کو اللہ تعالیٰ کی معرفت کی دعوت دیتے تھے کہ وہ اللہ آسمان کے اوپر ہے۔ اسی لیے تو فرعون نے (ہامان کو) ایک بلند و بالا عمارت بنانے کا حکم دیا اور اللہ کی طرف جھانکنے کا اس نے قصد کیا تھا۔

(۵۸) اسی طرح سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں فرعون جیسا اللہ کا نافرمان شخص جس کا نام نمرود تھا، اس نے بلندی میں اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے لیے تابوت اور سیڑھیاں لگوائیں۔ اس کی وجہ بھی یہی تھی کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام اسے اللہ کی طرف بلاتے تھے جو آسمان پر ہے۔

(۵۹) اسی طرح سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی لوگوں کو اسی اللہ کی طرف بلاتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی معرفت کے حوالے سے آپ لوگوں کو آزماتے اور جانچا کرتے تھے۔

(۶۰) سیدنا معاویہ بن حکم السلمی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میری ایک لونڈی جبل احد اور جوانیہ کے گرد و نواح میں بکریں چرایا کرتی تھی۔ میں ایک دن اچانک وہاں

پہنچا تو پتہ چلا کہ ایک بھیڑیا ریوڑ میں سے ایک بکری کو اٹھالے گیا ہے۔ میں چونکہ بنی آدم میں سے ایک ہوں۔ عام لوگوں کی طرح مجھے بھی اس نقصان پر بہت دکھ ہوا اور میں نے غصے کی شدت میں اس لونڈی کو تھپڑ رسید کر دیا۔ (پھر میں اپنے اس عمل پر پچھتایا اور جا کر رسول اللہ ﷺ سے اس کا ذکر کیا) تو آپ نے بھی احساس دلایا کہ مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا آپ کی سرزنش کے بعد میں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! کیا میں اس لونڈی کو آزاد نہ کر دوں؟ آپ نے فرمایا: ''پہلے اسے میرے پاس لے کر آؤ۔'' میں اسے لے کر آپ کی خدمت اقدس میں پہنچا تو آپ نے اس سے دریافت فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کہاں پر ہے؟'' تو اس نے کہا: آسمان پر۔ آپ نے پھر دریافت فرمایا: ''میں کون ہوں؟'' اس نے کہا آپ اللہ کے رسول ہیں۔ آپ نے فرمایا: تم اسے آزاد کر دو۔ یہ کامل ایمان والی یعنی صحیح عقیدے کی حامل ہے۔''

[**تحقیق و تخریج:** اسے امام مسلم نے "الصحیح" (ح: ٥٣٧)، ابوداؤد نے "السنن" (ح: ٩٣٠-٣٢٨٢)، نسائی نے "السنن" (ح: ١٢١٩) اور احمد نے "المسند" (٤٤٨/٥) میں روایت کیا ہے۔]

(٦١) مصنف نے اس حدیث کو اپنے استاذ یحییٰ کے طریق سے بھی روایت کی ہے۔

[**تحقیق و تخریج:** دیکھیں حدیث نمبر ٦٠۔]

(٦٢) اس حدیث کو مصنف نے اپنے شیخ یحییٰ بن یحییٰ) التمیمی کے طریق سے روایت کرتے ہوئے بیان کیا کہ معاویہ بن حکم رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے نبی

ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا: اللہ کے رسول! میری ایک لونڈی میری بکریاں چراتی ہے۔ایک دفعہ میں بکریوں کو دیکھنے گیا تو ایک بکری کم تھی۔ میں نے لونڈی سے اس کے متعلق دریافت کیا تو اس نے بتلایا کہ اسے تو بھیڑیا کھا گیا ہے ۔یہ سن کر مجھے بہت دکھ ہوا۔ میں بنی آدم میں سے ہی ہوں۔ مجھے غصہ آیا تو میں نے اسے ایک تھپڑ رسید دیا۔اور میرے ذمے ایک گردن (غلام یا لونڈی) کا آزاد کرنا بھی ہے۔تو کیا میں اسے آزاد کردوں؟ (پھر آپ کے حکم سے میں اس لونڈی کو آپ کی خدمت میں لایا)رسول اللہ ﷺ نے اس سے دریافت کیا کہ اللہ تعالیٰ کہاں ہے؟'' اس نے کہا آسمان میں۔آپ نے پوچھا:''میں کون ہوں؟''اس نے بتلایا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔یہ سن کر آپ نے فرمایا:''تم اسے آزاد کردو''

[**تحقیق وتخریج:** دیکھیں حدیث نمبر ٦٠]

(٦٣) ابوسعید (مصنف کتاب ہٰذا) کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث مبارک میں دلیل ہے کہ جو آدمی یہ بھی نہ جانتا ہو کہ اللہ تعالیٰ زمین پر نہیں بلکہ وہ آسمان پر ہے، وہ مومن نہیں ہوسکتا۔اگر وہ غلام ہو اور کسی نے اسے آزاد کردیا تو اس نے کسی مومن غلام (یا لونڈی) کو آزاد نہیں کیا کیوں کہ اسے یہی نہیں پتا کہ اللہ آسمان پر ہے۔ذرا دیکھیں، رسول اللہ ﷺ نے اس لونڈی کے صاحبِ ایمان ہونے کے لیے اس بات کو معیار قرار دیا کہ کیا وہ اقرار کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمان پر ہے؟

(٦٤) نیز رسول اللہ ﷺ کا اس سے دریافت کرنا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس کہاں ہے؟ اس میں ان لوگوں کی تکذیب وتردید ہے جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ

ہر جگہ موجود ہے؟ کیوں جو ہر جگہ موجود ہو، اس کے متعلق یہ دریافت کرنا ہی محال اور ناممکن ہے کہ وہ کہاں ہے؟ ایسا سوال اس کے متعلق کیا جا سکتا ہے جو (اپنی ذات کے لحاظ سے) کسی جگہ موجود ہو اور کسی جگہ موجود نہ ہو۔

(٦٥) اگر بات ویسے ہوتی جیسے یہ (جہمیہ اور معطلہ) گمراہ لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے تو رسول اللہ ﷺ اس لونڈی کی بات اور اس کے علم کا انکار اور تردید فرما دیتے لیکن چونکہ وہ جانتی اور ایمان رکھتی تھی کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں پر ہے اس لیے رسول اللہ ﷺ نے اس کی بات کی تصدیق کی اور اس کے مومن ہونے کی گواہی دی۔ جس طرح اللہ تعالیٰ آسمانوں پر ہے اگر وہ اسی طرح زمین پر بھی ہوتا تو اس کا ایمان اس وقت تک مکمل نہ ہوتا جب تک وہ یہ اقرار نہ کرتی کہ اللہ تعالیٰ جس طرح زمین پر بھی ہے۔

(٦٦) پس اللہ تبارک وتعالیٰ آسمانوں سے اوپر اپنے عرش پر ہے اور وہ اپنی مخلوق سے بالکل الگ اور جدا ہے۔ لہٰذا جو آدمی اس بات کو نہیں مانتا اور اس پر ایمان نہیں رکھتا وہ اپنے جس الٰہ (معبود) کی عبادت کرتا ہے، وہ اسے اس طرح نہیں جانتا کہ اسے جاننا چاہیے۔ اللہ کے عرش پر ہونے کے باوصف مخلوق میں سے کوئی قریب ہو یا دور، اس کے لیے سب برابر ہیں۔ کوئی بھی اس سے دور نہیں۔ جیسا کہ اس نے فرمایا ہے:

[لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ]

’’زمین میں کوئی ذرہ بھر بھی چیز اس سے پوشیدہ نہیں۔‘‘

[سبا: ۳]

اللہ کی صفات کا انکار کرنے والے لوگ اللہ کے بارے میں جو کچھ کہتے ہیں، وہ ان باتوں سے بالکل پاک اور معصوم ہے۔

(۶۷) امام عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ سے دریافت کیا گیا کہ ہم اپنے رب کو کیسے پہچان سکتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا: اللہ ساتویں آسمان سے اوپر عرش پر ہے اور اپنی مخلوق سے جدا ہے۔

[**تحقیق و تخریج:** حسن ہے۔ اسے امام عبداللہ بن احمد بن حنبل نے "السنة" (ح: ۵۹۸) اور امام بیہقی نے "اسما الله وصفاته" (ح: ۹۱۰) میں روایت کیا ہے۔]

(۶۸) ابوسعید رحمہ اللہ (مصنف کتاب ہٰذا) فرماتے ہیں کہ امام عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کے قول کی تائید رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان سے ہوتی ہے کہ جب آپ نے اس لونڈی سے دریافت کیا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس کہاں پر ہے؟ دراصل آپ نے اس طرح کے ایمان کو جانچنا چاہا تھا تو اس نے اس کے جواب میں کہا تھا "في السماء" کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس آسمان پر ہے۔ اس کا جواب سن کر رسول اللہ ﷺ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا: ((اعتقها فإنها مؤمنة)) "تم اسے آزاد کردو، یہ ایمان کی یعنی صحیح عقیدے کی حامل ہے۔" اس عقیدے کے اثبات کے حوالے سے رسول اللہ ﷺ کی بہت سی احادیث موجود ہیں اور اس کے اثبات کے بہت سے دلائل ہیں۔ الحمدللہ

(۶۹) سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”جولوگ (دوسروں پر) رحم کرتے ہیں، اللہ رحمٰن ان پر رحم فرمائے گا۔ تم اہل زمین پر رحم کرو، آسمان والا (یعنی اللہ تعالیٰ) تم پر رحم فرمائے گا۔“

[**تحقیق و تخریج:** حسن ہے۔ اسے امام ابوداؤد نے ”السنن“ (ح: ٤٩٤١) میں روایت کیا ہے۔]

(٧٠) سیدنا ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”جب تم میں سے کوئی بیمار ہو۔“ یا یوں فرمایا۔ کہ جب تمہارا کوئی (مسلمان) بھائی بیمار ہو تو وہ یوں دعا کیا کرے:

((حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ الْحَكَمِ بْنِ أَبِي مَرْيَمَ الْمِصْرِيُّ، أَنْبَأَ اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ، عَنْ زِيَادَةَ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ كَعْبٍ الْقُرَظِيِّ، عَنْ فَضَالَةَ بْنِ عُبَيْدٍ، عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ، رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " إِذَا اشْتَكَى أَحَدُكُمْ شَيْئًا، أَوِ اشْتَكَى أَخٌ لَهُ، فَلْيَقُلْ: رَبَّنَا اللَّهُ الَّذِي فِي السَّمَاءِ، تَقَدَّسَ اسْمُكَ، أَمْرُكَ فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ، كَمَا رَحْمَتُكَ فِي السَّمَاءِ فَاجْعَلْ رَحْمَتَكَ فِي الْأَرْضِ، وَاغْفِرْ لَنَا حُوبَنَا، وَخَطَايَانَا، أَنْتَ رَبُّ الطَّيِّبِينَ، أَنْزِلْ شِفَاءً مِنْ شِفَائِكَ، وَرَحْمَةً مِنْ رَحْمَتِكَ عَلَى هَذَا الْوَجَعِ "))

”ہمارا رب وہ اللہ ہے جو آسمان میں ہے، (یا اللہ!) تیرا نام پاک اور مبارک ہے، زمین و آسمان میں تیرا ہی امر نافذ ہے۔ (یا اللہ!) جس طرح آسمان میں

تیری رحمت (عام) ہے تو اسی طرح زمین پر بھی اپنی رحمت عام کردے۔ (یا اللہ!) ہماری تمام خطائیں اور غلطیاں معاف کردے۔ تو ہی اچھے اور پاکیزہ لوگوں کا رب ہے۔ تو اس بیمار پر اپنی شفاء اور خصوصی رحمت نازل فرما۔'' جب وہ مریض یہ دعا کرے گا تو اللہ کی رحمت سے وہ شفایاب ہوجائے گا۔''

[**تحقیق و تخریج:** اس کی سند ضعیف ہے۔ اسے امام ابوداوٗد نے ''السنن'' (ح: ۳۸۹۲)، امام نسائی نے ''السنن الکبریٰ'' (ح: ۱۰۸۰۹) اور حاکم نے ''المستدرک'' (۳۴۳/۱) میں روایت کیا ہے۔ زیادۃ بن محمد الانصاری منکر الحدیث ہے۔]

(۷۱) سیدنا جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک اعرابی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا: اے محمد! (قحط سالی کی وجہ سے) جانور تباہ ہو گئے، مال ختم ہو گئے، ہم آپ کو اللہ کے حضور اور اللہ کو آپ کے حضور بطور سفارشی پیش کرتے ہیں، آپ اللہ سے دعا کریں کہ وہ ہم پر بارش نازل فرما دے۔ اس کی بات سن کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اعرابی! افسوس ہے تجھ پر۔ کیا تجھے علم ہے کہ تو کیا کہہ رہا ہے؟ اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے کہیں زیادہ برتر اور عظمت والی ہے کہ اسے مخلوق میں سے کسی کے پاس بطور سفارشی پیش کیا جائے۔ بے شک اللہ تعالیٰ آسمانوں سے بھی اوپر اپنے عرش پر ہے اور اس کے سارے آسمان زمینوں کے اوپر اس طرح چھائے ہوئے ہیں جیسے کوئی قبہ ہو۔'' یہ بات فرماتے ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھ مبارک سے قبے کی شکل بنائی۔ ''اور اللہ کا عرش اس طرح سے چرچرا رہا ہے جیسے سوار کے سوار

ہونے پر پالان چر چراتا ہے۔‘‘

[**تحقیق و تخریج:** اس کی سند ضعیف ہے۔ اسے امام ابوداؤد نے ”السنن“ (ح: ٤٧٢٦) امام ابن ابی عاصم نے ”السنة“ (ح: ٥٧٥) امام طبرانی نے ”المعجم الکبیر“ (ح: ١٥٤٧) اور امام بیہقی نے ”اسماء اللہ وصفاته“ (ح: ٨٩١) میں روایت کیا ہے۔اس میں محمد بن اسحاق کا عنعنہ اور جبیر بن محمد مستور ہے۔]

(٧٢) سیدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں ایک جماعت کے ساتھ وادیٔ بطحاء میں تھا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس جماعت میں موجود تھے فضا میں ایک بدلی (بادل کا ٹکڑا) گزرا۔ آپ نے اس کو دیکھ کر دریافت فرمایا: تم لوگ اسے کیا نام دیتے ہو؟‘‘ صحابہ نے عرض کیا: سحاب (یعنی بادل)۔ آپ نے فرمایا: ’’اوراس کا نام ’’المزن‘‘ بھی ہے؟‘‘ صحابہ نے عرض کیا: جی ہاں، اس کا ایک نام ’’المزن‘‘ بھی ہے۔ آپ نے فرمایا: اس کا ایک اور نام ’’العنان‘‘ بھی ہے؟‘‘ صحابہ نے عرض کیا: جی ہاں۔ اسے ’’العنان‘‘ بھی کہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا (تمہارے خیال میں) آسمان اور زمین کے درمیان کتنی مسافت ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: (اللہ کے رسول) ہمیں اس بارے میں کچھ علم نہیں۔ آپ نے فرمایا: ’’زمین اور آسمان کے درمیان اکہتر، بہتر یا تہتر سال کی مسافت ہے۔ اس سے اوپر والا آسمان بھی (پہلے آسمان سے) اتنی ہی مسافت پر واقع ہے۔‘‘ آپ نے ساتوں آسمانوں کا اسی طرح ذکر کیا اور فرمایا: ’’ساتویں آسمان کے اوپر ایک سمندر ہے۔ اس کے اوپر والی اور نیچے والی سطح کے درمیان بھی اتنا ہی فاصلہ ہے جتنا ہر دو آسمانوں کے درمیان ہے۔ اس سمندر سے اوپر آٹھ بکرے ہیں۔ ان کے کُھر اور گھٹنوں کے درمیان بھی اتنا

ہی فاصلہ ہے۔ان بکروں کی پشتوں پر اللہ کا عرش ہے۔اس عرش کے اوپر والی اور نیچے والی سطح کے درمیان بھی اتنا ہی فاصلہ ہے۔ برکتوں اور بلندیوں والا اللہ اس کے اوپر ہے۔"

[**تحقیق و تخریج:** اس کی سند ضعیف ہے۔ اسے امام ابوداؤد نے "السنن" (ح: ٤٧٢٣)، امام ترمذی نے "الجامع" (ح: ٣٣٢٠)، امام ابن ماجہ نے "السنن" (ح: ١٩٣) اور امام احمد نے "المسند" (٢٠٧/١) میں روایت کیا ہے۔سماک مختلط ہے، جب کہ عبداللہ بن عمیرہ کا احنف بن قیس سے سماع غیر معروف ہے۔]

(٧٣) سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسراء (یعنی معراج) کرایا گیا۔ (تو دورانِ سفر) آپ نے انتہائی عمدہ خوشبو کی مہک محسوس کی۔آپ نے دریافت فرمایا: "جبریل! یہ کتنی عمدہ خوشبو ہے۔" انہوں نے بتلایا کہ یہ دختر فرعون کی ماشطہ (کنگھی کرنے والی، خدمت گار) اور اس کی اولاد کی قبروں سے آرہی ہے۔وہ دختر فرعون کو کنگھی کیا کرتی تھی۔ایک دفعہ کنگھی اس کے ہاتھ سے گر گئی۔تو اس نے فوراً "بسم اللہ" کہا۔فرعون کی بیٹی نے یہ سن کر پوچھا: تم نے میرے باپ کا نام لیا ہے؟ تو اس نے کہا نہیں، میرا اور تمہارے باپ کا (اور سب کا) رب "اللہ" ہے۔فرعون کی بیٹی بولی: میں تمہاری یہ بات اپنے والد کو بتادوں گی۔ اس نے کہا بتلا دو۔ چنانچہ اس نے یہ بات اپنے باپ فرعون کو بتادی۔فرعون نے ماشطہ کو بلا کر دریافت کیا کہ تمہارا رب کون ہے؟ کیا تم میرے سوا کسی اور کو اپنا رب مانتی ہو؟ اس نے کہا: میرا اور آپ کا رب تو وہ ہے جو آسمان پر ہے۔یہ سن کر اس نے تانبے کی ایک دیگ منگوائی۔اسے خوب گرم کروایا۔ پھر اس نے ماشطہ اور اس کے

بیٹے کو بلوایا اور ایک ڈیگ میں ڈال کر شہید کر دیا۔'' ابوسلمہ نے اس حدیث کو مفصل بیان کیا ہے۔

[**تحقیق و تخریج:** اس کی سند ضعیف ہے۔ اسے امام احمد نے ''المسند'' (۳۱۰/۱)، امام بزار نے ''المسند'' (ح: ۵۰٦۷)، امام ابویعلیٰ نے ''المسند'' (ح:۲۵۱۷) اور ابن حبان نے ''الصحیح'' (ح: ۲۹۰۳-۲۹۰٤) میں روایت کیا ہے۔ عطاء بن سائب مختلط ہے۔ اور حماد بن مسلمۃ کا ان سے دونوں حالتوں (قبل از اختلاط اور بعد از اختلاط) سماع ہے۔ فرق واضح نہ ہونے کی وجہ سے حماد عن عطاء ضعیف ہی ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیں رحمات الملأ الاعلیٰ بتخریج مسند أبی یعلی: ٤/۲۲۹ تا ۲۳۲)]

(۷۴) سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو آدمی اہل زمین پر رحم نہیں کرتا، آسمان والا (اللہ) بھی اس پر رحم نہیں کرتا۔''

[**تحقیق و تخریج:** اس کی سند ضعیف ہے۔ ابوعبیدہ کا اپنے والد سیدنا عبداللہ سے سماع ثابت نہیں ہے۔]

(۷۵) سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو انہوں نے کہا تھا: ((اللَّهُمَّ إِنَّكَ فِي السَّمَاءِ وَاحِدٌ، وَأَنَا فِي الْأَرْضِ وَاحِدٌ أَعْبُدُكَ))'' یا اللہ! تو آسمان پر اکیلا ہے اور میں زمین پر تیری عبادت کرنے والا اکیلا ہوں۔''

[**تحقیق و تخریج:** اس کی سند ضعیف ہے۔ اسے ہیثمی نے ''کشف الأستار'' (۲۳٤۹)، خطیب بغدادی نے ''تاریخ بغداد'' (٦۲/۱۲) اور ابن عساکر نے ''تاریخ دمشق'' میں روایت کیا ہے۔ ابوہشام محمد بن یزید الرفاعی ضعیف ہے۔]

(۷۶) سیدنا انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے کہ بارش نے ہمیں آلیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پشت مبارک سے کپڑا اٹھا لیا اور بارش آپ کے جسم اطہر پر پڑنے لگی، ہم نے عرض کیا: اللہ کے رسول! آپ کے اس عمل میں کیا حکمت ہے؟ تو آپ نے فرمایا: ''یہ تازہ تازہ اپنے رب کے ہاں سے آرہی ہے۔''

[تحقیق و تخریج: اسے امام مسلم نے ''الصحیح'' (ح: ۸۹۸)، اور امام ابوداؤد نے ''السنن'' (۵۱۰۰) اور امام احمد نے ''المسند'' (۲۶۷/۳) میں روایت کیا ہے۔]

(۷۷) ابوسعید (مصنف کتاب ہذا) کہتے ہیں کہ ان گمراہ لوگوں کے مطابق اگر اللہ تعالیٰ ہر جگہ ہوتا تو باقی پانی اور مخلوقات کے مقابلے میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ نہ کہتے کہ یہ تازہ تازہ یعنی ابھی ابھی اپنے رب کی طرف سے آئی ہے۔

(۷۸) سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا تھا کہ لوگو! اگر تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتے تھے تو جان لو کہ تمہارا معبود فوت ہو چکا ہے۔ اور اگر تمہارا الٰہ (معبود) وہ تھا جو آسمان پر ہے تو جان رکھو کہ وہ فوت نہیں ہوا۔ پھر آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت کی:

[وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۚ اَفَاِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ۚ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا ۗ وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ]

”اور محمد ﷺ بس ایک رسول ہیں۔ان سے پہلے بھی بہت سے رسول آئے اور چلے گئے۔ پھر اگر یہ فوت ہو جائیں یا قتل کر دیے جائیں تو کیا تم (اسلام چھوڑ کر اپنے سابقہ دین میں) الٹے پاؤں پلٹ جاؤ گے؟ اور جو الٹے پاؤں پلٹ گیا وہ اللہ کو ہرگز کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکے گا اور اللہ شکر کرنے والوں کو جلد جزا دے گا۔“

[**تحقیق و تخریج:** صحیح ہے۔اسے امام ابن شیبۃ نے ”المصنف“ (ح: ۳۸۱۷٦) اور بزار نے ”المسند“ (ح: ۵۹۹۱) میں روایت کیا ہے۔]

(۷۹) ابو یزید المدنی رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ راستہ میں ایک عورت کی امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوگئی۔ اس کا نام خولہ بنت ثعلبہ رضی اللہ عنہا تھا۔ امیر المومنین لوگوں کے ساتھ جا رہے تھے۔اس عورت نے آپ کو رکنے کا اشارہ کیا۔آپ رک کر اس کے قریب تشریف لے گئے۔سر جھکا کر پوری بات سنی اس کے بعد وہ چلی گئی،تو ایک آدمی نے عرض کیا: امیر المومنین! آپ نے اس بڑھیا کی بات سننے کے لیے قریش کے معززین کو اتنی دیر روکے رکھا۔تو انہوں نے فرمایا: افسوس تجھ پر۔ جانتے ہو یہ عورت کون ہے؟ اس نے کہا: نہیں۔آپ نے فرمایا: یہ وہ عظیم خاتون ہے جس کی شکایت کو اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کے اوپر سن لیا تھا۔یہ سیدہ خولہ بنت ثعلبہ رضی اللہ عنہا ہیں۔اللہ کی قسم! اگر یہ خاتون یہاں رات ہونے تک بھی کھڑی رہتی تو جب تک میں اس کی پوری بات نہ سن لیتا،یہاں کھڑا رہتا الاّ یہ کہ میں نماز کے لیے جا کر واپس آ جاتا۔تاکہ وہ اپنی بات پوری کر لے۔“

[تحقیق و تخریج: اس کی سند منقطع ہے۔ اسے امام بیہقی نے "اسماء اللہ وصفاته" (ح: ٨٩٤) میں روایت کیا ہے۔ ابو یزید المدنی اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے درمیان انقطاع ہے۔]

(٨٠) سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ کوئی آدمی تجارت یا حکومت کے کسی کام کا ارادہ کرتا ہے اور اس کے لیے کامیابی کے سارے مراحل پورے ہونے والے ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سات آسمانوں کے اوپر سے اس کی دیکھ کر فرشتے کو حکم دیتا ہے کہ اس معاملے کو اس بندے سے دور کر دے۔ چنانچہ وہ فرشتہ اس چیز کو انسان سے دور کر دیتا ہے۔ وہ بندہ حیران وششدر رہ جاتا ہے اور حیرت زدہ ہو کر رہ جاتا ہے اور حیرت زدہ ہو کر کہتا ہے کہ وہ اللہ ہی جس نے مجھے اس چیز سے محروم کر دیا ہے۔"

[تحقیق و تخریج: اس کی سند منقطع ہے۔ اسے امام ابن المبارک نے "الزهد - زيادات نعيم بن حماد" (ح: ١٢٩) ابوداؤد نے "الزهد" (ح: ١٩١) اور ابن ابی الدنیا نے "الرضا عن الله" (ح: ٥٧) میں روایت کیا ہے۔ خیثمۃ اور سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ کے درمیان انقطاع ہے۔ اس میں ایک علت اور بھی ہے۔]

(٨١) سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ آسمانِ دنیا اور اس کے قریب والے آسمان کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے اور ہر دو آسمانوں کے درمیان پانچ سو سال کا فاصلہ ہے۔ اور ساتویں آسمان اور کرسی کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے۔ اسی طرح کرسی اور پانی کے درمیان بھی پانچ سو سال کی مسافت ہے۔ پانی کے اوپر عرش ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس عرش پر ہے، عرش پر

ہونے کے باوصف وہ تمہاری تمام حرکات وسکنات سے بخوبی واقف ہے۔‘‘

[تحقیق و تخریج: حسن ہے۔ اسے امام ابن خزیمۃ نے ”کتاب التوحید“ (ح: ١٤٩) طبرانی نے ”المعجم الکبیر“ (ح: ٨٩٨٧) اور بیہقی نے ”اسماء اللّٰہ وصفاتہ“ (٨٥٨) میں روایت کیا۔]

(٨٢) قدامہ بن ابراہیم بن محمد بن حاطب رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے اپنی لونڈی سے مجامعت کرلی تو ان کی بیوی نے پوچھا: آپ نے یہ کیا کیا؟ تو انہوں نے کہا: کیا میں تمہارے سامنے قرآن کی تلاوت (قراءت) کروں؟ ان کی بیوی انتہائی سادہ خاتون تھیں، کہنے لگیں: اگر آپ جنبی ہوتے تو قرآن کی تلاوت نہ کرتے۔ چنانچہ سیدنا ابن رواحہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں تمہارے سامنے پڑھتا ہوں۔ پھر انہوں نے یہ شعر پڑھ کر سنا دیے:

شَہِدْتُ بِأَنَّ وَعْدَ اللَّہِ حَقٌّ ... وَأَنَّ النَّارَ مَثْوَى الْكَافِرِينَا

وَأَنَّ الْعَرْشَ فَوْقَ الْمَاءِ طَافٍ ... وَفَوْقَ الْعَرْشِ رَبُّ الْعَالَمِينَا

وَتَحْمِلُهُ مَلَائِكَةٌ كِرَامٌ ... مَلَائِكَةُ الْإِلَهِ مُسَوِّمِينَا

فَقَالَتْ: آمَنْتُ بِاللَّهِ وَكَذَّبْتُ الْبَصَرَ "

’’میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کا وعدہ برحق اور سچا ہے۔ اور کافروں کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ اور اللہ عرش پانی (سمندر) پر تیر رہا ہے اور اللہ تعالیٰ رب العالمین عرش کے اوپر ہے۔ اس عرش کو باعزت فرشتے اٹھائے ہوئے ہیں۔ اللہ کے یہ فرشتے خاص الخاص اور نہایت معزز ہیں۔‘‘

ابن رواحہ رضی اللہ عنہ کی زبان سے یہ اشعار سن کر وہ سمجھی کہ انہوں نے قرآن کی تلاوت کی ہے۔ چنانچہ کہنے لگیں کہ میں اللہ پر ایمان لائی اور اپنی آنکھوں سے جو دیکھا اسے غلط قرار دیتی ہوں۔"

[تحقیق و تخریج: اس کی سند منقطع ہے۔ قدامۃ بن ابراھیم کا سیدنا عبداللہ بن رواحہ سے سماع ثابت نہیں۔]

(۸۳) جناب نافع رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اللہ کی قسم! مجھے اندیشہ ہے کہ اگر میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کیے جانے کو پسند کرتی تو اس کے بدلے میں ہلاک کر دی جاتی۔ لیکن عرش والا جانتا اللہ جانتا ہے کہ میں ان کے قتل کو قطعاً پسند نہیں کیا (اور نہ میں اس پر خوش ہوں)۔"

[تحقیق و تخریج: اس کی سند مرسل ہے۔ امام ابوحاتم فرماتے ہیں: نافع کی سیدہ عائشۃ رضی اللہ عنہا سے روایت مرسل ہے۔ دیکھیے المراسیل: ۸۴۸۔]

(۸۴) عبداللہ بن عبیداللہ بن ابی ملیکہ کا بیان ہے کہ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حاجب (دربان، غلام) نے ان سے بیان کیا کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں گئے، وہ اس وقت مرض الموت میں مبتلا تھیں۔ انہوں نے ان سے عرض کیا: امی جان! آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظروں میں تمام ازواج کی نسبت زیادہ محبوب تھیں۔ جب کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ طیب (عمدہ اور پاکیزہ) چیز ہی کو پسند کیا کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے تہمت سے آپ کی براءت کا اظہار سات آسمانوں کے اوپر سے کیا تھا جسے جبریل علیہ السلام لے کر آئے تھے۔ اللہ

تعالیٰ کی ہر مسجد میں آپ کی براءت والی آیات کی دن رات تلاوت کی جاتی ہے۔‘‘

[تحقیق و تخریج: حسن ہے۔اسے امام احمد نے ’’المسند‘‘ (۲۷۷/۱) ابویعلیٰ نے ’’المسند‘‘ (۲٦٤۸) طبرانی نے ’’المعجم الکبیر‘‘ (۱۰۷۸۳) اور حاکم نے ’’المستدرک‘‘ (۸/٤) میں روایت کیا ہے۔]

(۸۵) خالد بن یزید بن عبداللہ، اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنی زندگی کا جو آخری خطبہ دیا، اس میں انہوں نے فرمایا: تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جو بہت بلند ہونے کے باوجود بہت قریب اور از حد قریب ہونے کے باوصف بہت دور ہے، کوئی بھی چیز اس کے مکان تک نہیں پہنچ سکتی اور وہ جس کام کا بھی ارادہ کرے وہ اس کے لیے مشکل یا ناممکن نہیں۔‘‘

[تحقیق و تخریج: اس کی سند ضعیف ہے۔موسیٰ ابومحمد (موسیٰ بن ابی محمد)، خالد بن یزید، اس کے والد اور دادا کے حالات نہیں ملے۔]

(۸٦) ثابت البنانی رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ ہم سے سرزمین شام کے ایک آدمی نے بیان کیا جو سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کی خدمت میں بکثرت رہتا اور ان سے احادیث سنا کرتا تھا۔ اس نے بیان کیا کہ میں سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کے ہمراہ جا رہا تھا کہ ہماری نوف البکالی سے ملاقات ہوگئی (یہ اہل کتاب میں سے تھے اور اسلام قبول کر چکے تھے) گفتگو کے دوران نوف نے کہا: ہمارے سامنے بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے کہا کہ میرے بندوں کو بلاؤ۔

فرشتوں نے عرض کیا: یااللہ! ہم انہیں کیسے بلائیں، تیرے اوران کے درمیان تو سات آسمان حائل ہیں اورعرش تو ان سے بھی بہت اوپر ہے۔ اللہ نے فرمایا: یہ بندے جب ''لاالٰہ الا اللہ'' (کلمہ توحید) پڑھتے ہیں تو گویا یہ میری بات مان رہے ہوتے ہیں۔

اس پر عبداللہ بن عمر بن العاص رضی اللہ عنہما نے یہ بیان کیا کہ ہم نے ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں مغرب کی نماز ادا کی تو ہم کچھ لوگ نماز کے بعد نماز عشاء کے انتظار میں مسجد میں بیٹھے رہے۔ اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتنی تیزی سے چلتے ہوئے تشریف لائے کہ آپ نے تیز چلنے کی خاطر اپنی چادر کے پلّو اوپر اٹھائے ہوئے تھے تاکہ چلنے میں دشواری نہ ہو۔ آپ ہمارے پاس تشریف لائے اورفرمایا: ''تمہیں مبارک ہو، تمہارے رب نے سب سے اوپر والے (یا سب سے نیچے والے) آسمان کو کھولنے کا حکم دیا اور تمہارے اس عمل کی وجہ سے فرشتوں کے سامنے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: فرشتو! میرے بندوں کو تو دیکھو، انہوں نے میرا ایک حق ادا کرلیا ہے اوراب دوسرے حق کی ادائیگی کے انتظار میں بیٹھے ہیں۔''

[**تحقیق و تخریج:** حسن ہے۔ امام احمد نے ''المسند'' (۱۹۷/۲) میں روایت کیا ہے۔ سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے بیان کرنے والا راوی ایوب المراغی ہے جیسا کہ المسند (۱۸۷/۲) میں وضاحت ہے، اور یہ ثقہ ہے۔]

(۸۷) قتادہ رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ بنی اسرائیل نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا: اے رب! تو آسمانوں پر ہے اور ہم زمین پر ہیں۔ ہمیں کیسے پتہ چلے گا کہ تو ہم سے

راضی ہے یا ناراض ہے؟ اللہ نے فرمایا: جب میں تم سے راضی ہوں گا تو میں تم میں سے اچھے لوگوں کو تمہارے اوپر حکمران بناؤں گا اور جب میں تم سے ناراض ہوں گا تو تم میں سے برے لوگوں کو تمہارے حکمران بنا دوں گا۔‘‘

[تحقیق و تخریج: اس کی سند ضعیف ہے۔ابو ہلال الراسبی ضعیف ہے۔]

(۸۸) عطاء بن یسار رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ جناب کعب لوگوں کے ساتھ ایک جگہ بیٹھے تھے کہ ایک آدمی نے آکر ان سے دریافت کیا: ابواسحٰق! (کعب کی کنیت ہے) آپ مجھے جبار (اللہ تعالیٰ) کے بارے میں کچھ بیان کریں۔اس کی بات سن کر لوگوں نے تعجب اور خشمگی کا اظہار کیا تو کعب رحمہ اللہ نے کہا: چھوڑو، اسے کچھ نہ کہو، اگر یہ بے علم ہے تو کچھ جان لے گا اور اگر کچھ جانتا ہے تو اس کے علم میں اضافہ ہو جائے گا۔ پھر کعب رحمہ اللہ نے کہا: میں تمہیں بتلاتا ہوں، اللہ تعالیٰ نے سات آسمان اور ان کی طرح اس نے زمین (یا زمینیں) بھی پیدا کیں۔ پھر اس نے ہر دو آسمانوں کے درمیان اتنا فاصلہ رکھا جتنا اس زمین اور پہلے آسمان کے درمیان ہے۔اور ہر آسمان کی موٹائی بھی اسی فاصلے کے بقدر ہے۔ساتویں آسمان سے اوپر اللہ کا عرش ہے اور وہ (اللہ) اس پر مستوی ہے۔ ہر آسمان یوں چرچراتا ہے جیسے کسی نئے پالان پر پہلے پہلے کوئی بیٹھے تو وہ چرچراتا ہے۔‘‘

[تحقیق و تخریج: صحیح ہے۔]

(۸۹) جناب کعب احبار رحمہ اللہ نے امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: زمین کے اس بادشاہ کے لیے تباہی اور ہلاکت ہے جو آسمان کے بادشاہ (یعنی اللہ)

کے مقابلے میں آئے، تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: (آپ کے اس ساتھ اس بات کا اضافہ کر دیں کہ) سوائے اس آدمی کے جو اپنا محاسبہ کرتا ہو۔ تو کعب رحمہ اللہ نے بھی کہا کہ سوائے اس آدمی کے جو اپنا محاسبہ کرتا ہو۔ یہ سن کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بے ساختہ ''اللہ اکبر'' کہا اور سجدہ ریز ہو گئے۔

[**تحقیق و تخریج:** اس کی سند مرسل ہے۔ امام ابوزرعۃ فرماتے ہیں کہ سالم کی اپنے دادا عمر رضی اللہ عنہ سے روایت مرسل ہے۔ دیکھیے المراسیل لابن أبي حاتم : ۲۹۱۔]

(۹۰) عکرمہ کا بیان ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جس آسمان کے اوپر اللہ کا عرش ہے وہ ''سید السموات'' (آسمانوں کا سردار) ہے اور جس زمین پر ہم آباد ہیں، یہ ''سید الارضین'' (زمینوں کی سردار) اور تمام درختوں کا سردار ''العوسج'' ہے۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا عصا اسی درخت کی شاخ کا تھا۔'' (العوسج کیکر اور جنڈ کی قسم کا ایک کانٹے دار درخت ہے)

[**تحقیق و تخریج:** اس کی سند سخت ضعیف ہے۔ نضر ابوعمرو الخزار اور یحیی بن عبدالحمید الحمانی ضعیف ہیں۔]

(۹۱) سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! میں نے دیکھا ہے کہ آپ رمضان کے علاوہ باقی مہینوں کی نسبت ایک مخصوص مہینے میں بہت زیادہ روزے رکھتے ہیں، اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے فرمایا: ''وہ کون سا مہینہ ہے؟'' میں نے عرض کیا: شعبان۔ آپ نے فرمایا: ''اس مہینے میں انسانوں کے اعمال اللہ رب العالمین کی طرف اٹھائے جاتے ہیں۔ اس لیے

میں چاہتاہوں کہ جب میرے اعمال اوپر جائیں تو میں روزے کی حالت میں ہوں۔''

[**تحقیق و تخریج:** حسن ہے۔اسے امام نسائی نے ''السنن'' (٢٣٥٩)، احمد نے ''المسند'' (٢٠١/٥)، ابن ابی شیبہ نے ''المصنف'' (٩٨٥٨) اور بیہقی نے ''شعب الإيمان'' (٣٥٤٠) میں روایت کیا ہے۔]

(٩٢) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے ایسے ہیں جو باری باری تمہارے پاس آتے ہیں، جب نماز فجر کا وقت ہوتا تو دن کے فرشتے آ کر تمہارے ساتھ نماز میں شامل ہوجاتے ہیں اور رات والے فرشتے اوپر چلے جاتے ہیں، وہ (دن کے) فرشتے سارا دن تمہارے ساتھ رہتے ہیں۔ رات والے فرشتے اللہ کے پاس پہنچتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان سے دریافت کرتا ہے حالانکہ وہ اپنے بندوں کے احوال سے فرشتوں سے بھی زیادہ باخبر ہے کہ تم میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑ کر آئے ہو؟ وہ کہتے ہیں کہ ہم ان کے پاس گئے تو وہ نماز پڑھ رہے تھے۔ہم ان کے پاس سے آئے ہیں تب بھی وہ نماز پڑھ رہے تھے ۔اسی طرح جب عصر کا وقت ہوتا ہے تو رات کے فرشتے آجاتے ہیں اور وہ تمہارے ساتھ نماز میں شامل ہوجاتے ہیں اور دن والے فرشتے اللہ کی طرف اوپر چلے جاتے ہیں اور رات والے فرشتے تمہارے ساتھ رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ دن والے فرشتوں سے دریافت کرتا ہے حالانکہ وہ اپنے بندوں کے احوال سے فرشتوں سے بھی زیادہ باخبر ہے کہ تم میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑ کر آئے ہو وہ کہتے ہیں کہ ہم ان

کے پاس گئے تو وہ نماز پڑھ رہے تھے اب ہم ان کے پاس سے آئے ہیں تب بھی وہ نماز پڑھ رہے تھے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میرا خیال ہے اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ فرماتا ہے کہ میں قیامت کے دن ان کی مغفرت کر دوں گا۔''

[**تحقیق و تخریج:** اسے امام بخاری نے ''الصحیح'' (ح: ٥٥٥)، مسلم نے ''الصحیح'' (ح: ٦٣٢)، نسائی نے ''السنن'' (ح: ٤٨٦)، ابن حبان نے ''الصحیح'' (ح: ٢٠٦١) اور ابن خزیمہ نے ''الصحیح'' (ح: ٣٢١) میں روایت کیا ہے۔]

(٩٣) جناب زر کہتے ہیں کہ میں نے سیدنا حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: آپ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس نماز کے متعلق کچھ بیان فرمائیں جو آپ نے اسراء (معراج) والی رات بیت المقدس میں پڑھائی تھی۔ انہوں نے فرمایا: تمہیں اس بات کا کہاں سے پتہ چلا؟ تو میں نے عرض کیا کہ قرآن سے۔ اور میں نے یہ آیت پڑھ دی:

[سُبْحَانَ الَّذِیَ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَی]

''پاک ہے وہ ذات جس نے سیر کرائی اپنے بندے کو رات کے ایک حصے میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک۔''

[الإسراء: ١]

یاد رہے کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت میں یہ لفظ اسی طرح ہے۔

سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ نے مزاح کے طور پر فرمایا: ارے گنجے! تمہارا خیال ہے کہ آپ

ﷺ نے وہاں نماز بھی ادا کی؟ میں نے کہا نہیں۔ پھر حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آپ ﷺ کی خدمت میں ایک جانور (سواری) کو لایا گیا۔ زر کے شاگرد عاصم نے اس جانور کو گدھے جیسا کہا۔ آپ اس پر سوار ہوئے اور جبریل بھی آپ کے ساتھ سوار ہو گئے اور وہ دونوں (مکہ سے) روانہ ہوئے اور آپ کو آسمانوں میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کے مظاہرے کا مشاہدہ کرایا گیا۔ پھر وہ جہاں سے چلے تھے وہیں واپس آ گئے اور آپ نے وہاں (بیت المقدس میں) نماز ادا نہیں کی تھی۔ اگر آپ نے وہاں نماز ادا کی ہوتی تو یہ امت کے لیے سنت قرار پاتی۔"

[**تحقیق و تخریج:** حسن ہے۔ اسے امام احمد نے "المسند" (۳۸۷/۵)، ترمذی نے "السنن" (۳۱٤۷)، حمیدی نے "المسند" (ح: ٤٤٨)، ابوداؤد الطیالسی نے "المسند" (ح: ٤١١) میں روایت کا ہے۔ نوٹ: اثر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیت المقدس میں نماز کا انکار درست نہیں۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ (صحیح مسلم: ۱۷۲) اور سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی روایت (صحیح مسلم: ١٦٢) سے ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت المقدس میں نماز ادا فرمائی تھی۔ تفصیل کے ملاحظہ ہو: فتح الباری: ۲۰۸/۹، تحفة الاحوذي: ١٤٠/٣۔]

(۹۴) سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جب نطفہ شکم مادر میں چالیس رات (دن) ٹھہرتا ہے تو روح والا فرشتہ اسے اپنی ہتھیلی میں لیے اللہ رب العالمین کے ہاں اوپر لے کر جاتا ہے اور عرض کرتا ہے: اے رب! تیرا یہ بندہ مذکر ہوگا یا مؤنث؟ تو اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق جو فیصلہ کرنا ہوتا ہے اسے اس سے آگاہ کر دیتا ہے۔ وہ فرشتہ پھر دریافت کرتا ہے: اے رب! یہ بدقسمت ہوگا یا خوش نصیب؟ (اللہ کے فیصلے کے مطابق) اس نے جیسا ہونا ہوتا ہے وہ فیصلہ اس

روح کی آنکھوں کے درمیان (پیشانی پر لکھ دیا ہوجاتا ہے)۔ سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ کے شاگرد ابو تمیم جیشانی کہتے ہیں کہ یہ حدیث بیان کرنے کے بعد سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ سورۃ التغابن کی ابتدائی پانچ آیات تلاوت کیں۔"

[تحقیق و تخریج: اس کی سند ضعیف ہے۔ اسے امام طبری نے "جامع البیان" (۸۲۹/۱۰) ابن وھب نے "القدر" (ح: ۳٦) میں روایت کیا ہے۔ ابن لہیعہ مدلس ومختلط ہے۔ حدیث صحیح البخاری (٦٥٩٤، ۷٤٥٤) اور حدیث صحیح مسلم (۲٦٤۲، ۲٦٤٤، ۲٦٤٥) اس سے بے نیاز کرتی ہیں۔]

(۹۵) ابوسعید (مصنف) رحمہ اللہ کہتے ہیں: (ذرا بتلاؤ توسہی) وہ فرشتہ نطفے کو لے کر اوپر کس کے پاس جاتا ہے؟ کیا تمہارے جھوٹے دعوے کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ عورت کے پیٹ اور رحم میں منی کے ساتھ ہوتا ہے؟ (نعوذ باللہ)

(۹٦) سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے درمیان کھڑے ہو کر چار باتیں ارشاد فرمائیں، آپ نے فرمایا:

① اللہ تعالیٰ کو نیند نہیں آتی اور نیند آنا اس کے شایانِ شان نہیں۔

② وہ انصاف کے ترازو کو کبھی جھکاتا اور کبھی اوپر لے جاتا ہے۔

③ انسانوں کے رات کے اعمال دن ہونے سے پہلے اور ان کے دن کے اعمال رات ہونے سے پہلے پہلے اس کی طرف اوپر پہنچا دیے جاتے ہیں۔

④ اس کا حجاب (پردہ) نور (کا) ہے۔ اگر وہ اس نورانی پردے کو ہٹا دے تو اس کے چہرے کی کرنیں ہر اس چیز کو بھسم کر کے رکھ دیں جہاں تک اس کی نظر پہنچے۔"

[**تحقیق و تخریج:** اسے امام مسلم نے ''الصحیح'' (ح: ۱۷۹)، ابن ماجہ نے ''السنن'' (ح: ۱۹۵) اوراحمد نے ''المسند'' (۴۰۵/۴) میں روایت کیا ہے۔]

(۹۷) ابوسعید (مصنف کتاب ہذا) فرماتے ہیں: اگر تمہارے زعم باطل کے مطابق اللہ تعالیٰ ہر عمل کرنے والے آدمی کے ساتھ گھر میں، مسجد میں اور اس کے آنے جانے والی ہر جگہ پر موجود ہے، تو ذرا بتلاؤ تو سہی! یہ اعمال اوپر کی طرف لے جائے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب باتوں سے بالاتر ہے جو لوگ اس کے بارے میں کہتے ہیں۔

(۹۸) اللہ تعالیٰ کے عرش پر بلندی میں ہونے کے حوالے سے رسول اللہ ﷺ سے صحابہ کرام اور تابعین عظام اور ان کے بعد آنے والے اہل علم سے اس قدر احادیث مروی ہیں کہ ان سب کو ہماری اس کتاب میں جمع کرنا ازحد مشکل ہے۔ ہم نے تو اختصار کے ساتھ کچھ ایسی باتوں کا ذکر کیا ہے جن سے اصحاب عقل وخرد اس مسئلے پر استدلال کر سکیں۔

اس مختصر سے گم راہ فرقے کے سوا ہماری پوری امت اور سابقہ امتوں میں سے کسی کو بھی اس بارے میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں پر اور مخلوق سے جدا ہے۔ یہ لوگ قرآن کریم اور علمی آثار کے برخلاف عقیدہ رکھتے ہیں۔ یہ تو ایسا واضح اور بدیہی مسئلہ ہے کہ اہل اسلام و ایمان تو کیا، بہت سے کفار اور ان کے سربرآوردہ لوگ بھی یہی کہتے اور جانتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ذکر کیا ہے:

[وَقَالَ فِرْعَوْنُ يَا هَامَانُ ابْنِ لِىْ صَرْحًا لَّعَلِّىٓ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ

(۳٦) اَسْبَابَ السَّمَاوَاتِ فَاَطَّلِعَ اِلٰٓی اِلٰہِ مُوْسٰی]

’’اورفرعون نے کہا: اے ہامان! میرے لیے ایک بلند عمارت بنا تا کہ میں آسمان کے دروازوں تک پہنچ کر موسیٰ کے رب کو جھانک سکوں۔‘‘

اسی طرح ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں نمرود نے نسور اور تبوت آسمان کی طرف بھیجے جو اوپر سے اللہ تعالیٰ کے بارے میں اطلاع لے کر آئیں۔

نیز بنی اسرائیل نے بھی کہا تھا کہ اے رب! تو آسمان میں ہے اور ہم زمین پر ہیں۔ اس قسم کے اور بھی بہت سے دلائل ہیں ان سب کو ذکر کیا جائے تو بات لمبی ہو جائے گی۔

(۹۹) قرآن مجید کی بہت سی آیات بھی ظاہری اور باطنی طور پر اسی کی تائید کرتی اور اسی پر دلالت کرتی ہیں۔ ان میں کسی بھی قسم کا کوئی اشتباہ نہیں۔ نہ ہی ان کی تاویل کرنے کی کوئی ضرورت ہے، البتہ جو آدمی ہٹ دھرمی پر آ کر تاویل کرے، اللہ کی آیات کا انکاری ہو اور حقیقت تسلیم کرنے سے انکار کرے اور جانتا بھی ہو کہ ان آیات کا مفہوم وہ نہیں جو وہ کہہ رہا ہے تو اس کا کوئی علاج نہیں۔

(۱۰۰) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

[اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیٓ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِہِ الْکِتَابَ]

’’تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے اپنے بندے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پر یہ کتاب نازل کی ہے۔‘‘

نیز اللہ نے فرمایا:

[نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرَاةَ وَالْاِنْجِيْلَ (٣) مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ]

''اے نبی! اللہ نے آپ پر یہ کتاب نازل کی جو حق لے کر آئی ہے اور یہ ان کتابوں کی تصدیق کرتی ہے جو اس سے پہلے اس نے لوگوں کی ہدایت کے لیے نازل کی تھیں یعنی تورات اور انجیل اور اس نے یہ کتاب (قرآن) نازل کی ہے جو حق اور باطل میں فرق کرنے والی ہے۔''

[آل عمران]

نیز فرمایا:

[حٰمٓ (١) تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ]

''حٰمٓ، یہ اس ذات کی طرف سے نازل کردہ ہے، جو رحمان ورحیم ہے۔''

[حٰمٓ السجدة: ١، ٢]

نیز اللہ نے فرمایا ہے:

[تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ]

''یہ (قرآن) اس (اللہ) کی طرف سے نازل کردہ ہے جو حد درجہ حکمت والا، حمد وتعریف کے لائق ہے۔''

نیز فرمایا:

[اِنَّآ اَنْزَلْنَاهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ]

''بے شک اس کتاب کو ہم نے لیلۃ القدر یعنی انتہائی عظمت والی رات میں

نازل کیا ہے۔‘‘

نیز اللہ نے فرمایا:

[اِنَّآ اَنْزَلْنَاهُ فِیْ لَیْلَةٍ مُّبَارَكَةٍ]

’’بے شک اس (قرآن) کو ہم نے ایک بابرکت رات میں نازل کیا ہے۔‘‘

[الدخان: ٢]

نیز اللہ نے فرمایا ہے:

[سُوْرَةٌ اَنْزَلْنَاهَا وَفَرَضْنَاهَا وَاَنْزَلْنَا فِیْهَآ اٰیَاتٍ بَیِّنَاتٍ]

’’یہ ایک سورت ہے جسے ہم نے نازل کیا اور اسے بندوں پر فرض کیا اور اس میں واضح آیات نازل کیں۔‘‘

[النور: ١]

یہ اور ان جیسی کتنی آیات ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ان آیات کو اللہ تعالیٰ نے اپنے پاس سے، اوپر سے نازل کیا ہے۔ اگر بات وہ ہوتی جو یہ گمراہ لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تعالی جس طرح عرش پر ہے بعینہٖ اسی طرح وہ ہر جگہ ہے تو اللہ تعالیٰ کسی آیت میں فرماتا کہ ’’إِنَّا أَطْلَعْنَاهُ إِلَيْكَ‘‘ کہ ہم نے اسے آپ پر پیش کیا۔ کہیں فرماتا: ’’وَرَفَعْنَاهُ إِلَيْكَ‘‘ کہ ہم نے آپ کی طرف بلندی میں پیش کیا۔ اس کے برعکس اللہ نے فرشتوں کی زبانی فرمایا:

[وَمَا نَتَنَزَّلُ إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّكَ]

’’(اے نبی!) ہم آپ کے رب کی اجازت کے بغیر نہیں اتر سکتے۔‘‘

[مريم: ٦٤]

نیز اللہ نے فرمایا:

[نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ]

”اسے روح الامین، یعنی دیانت دار روح (مراد جبریل علیہ السلام) اوپر سے لایا ہے۔“

نیز فرمایا:

[قُلْ نَزَّلَهُ رُوحُ الْقُدُسِ مِنْ رَبِّكَ بِالْحَقِّ]

”آپ کہہ دیجئے کہ اس (قرآن) کو روح القدس (مقدس روح یعنی جبریل) نے آپ کے رب کی طرف سے ٹھیک بتدریج نازل کیا ہے۔“

[النحل: ١٠٢]

اللہ نے یہ تو نہیں کہا کہ فرشتوں نے کہا ہو کہ ہم اللہ کے حکم کے بغیر زمین کے نیچے سے نہیں آسکتے یا یہ نہیں کہا کہ ”وَلَا يَصْعَدُ مِنهَا“ کہ نہ ہی کوئی چیز اللہ کے ہاں سے اوپر آتی ہے۔

(١٠١) ابوسعید (مصنف کتاب) رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ قرآن کی آیات کے ظاہری الفاظ اور ان کا باطنی معنی وہی بات بیان کرتا ہے جو ہم نے کہی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ نہیں بلکہ اوپر ہے۔ اس مفہوم کے لیے ان آیات کی مزید تفصیل و وضاحت کی ضرورت نہیں۔ اس مفہوم کو ہر عام و خاص سمجھ سکتا ہے۔ ان آیات کی اس مفہوم کے برعکس تاویل وہی کرے گا جو دلی طور پر قرآن کو نہیں مانتا اور تاویل کے

پردے میں انکار کرتا ہے۔

(۱۰۲) (اللہ تعالیٰ کے علاوہ عرش پر ہونے کا انکار کرنے والو!) تم پر افسوس ہے۔ تمام صحابہ، تابعین اور پوری امت کا اجماع ہے کہ وہ قرآن کریم کی تفسیر، فرائض، حدود و احکام بیان کرتے ہوئے یوں کہتے ہیں کہ یہ آیت فلاں مسئلے کے سلسلے میں اور فلاں قضیے کے حل کے سلسلے میں اور یہ آیت فلاں جگہ نازل ہوئی۔ وغیرہ، ہم نے نہیں سنا کہ کبھی کسی نے کہا ہو کہ یہ آیت زمین کے نیچے سے یا سامنے سے یا پیچھے سے آئی ہے۔ سب یہی کہتے ہیں کہ یہ آیت اوپر سے نیچے نازل ہوئی۔

(۱۰۳) جو ذات (یعنی اللہ) اگر ہر جگہ ہی ہو تو اسے اپنے احکام نیچے بھیجنے اور اتارنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ اسے جبریل کی معرفت اوپر سے نیچے بھیجنے کی ضرورت ہی نہیں، اسے تو ہاتھوں ہاتھ وہ چیز دے دینی چاہیے۔ اسی لیے تو اس نے فرمایا ہے:

[قُلْ نَزَّلَهُ رُوحُ الْقُدُسِ مِنْ رَبِّكَ بِالْحَقِّ]

”آپ کہہ دیجیے کہ اس قرآن کو روح القدس (مقدس روح یعنی جبریل) نے آپ کے رب کی طرف سے آپ کی طرف ٹھیک ٹھیک بتدریج نازل کیا ہے۔“

[النحل: ۱۰۲]

حالاں کہ تمہارے عقیدے کے مطابق اللہ تعالیٰ نبی کے ساتھ گھر میں موجود ہوتا تھا۔ جب کہ جبریل باہر سے آتا تھا۔ یہ سب واضح ہے لیکن تم لوگ مغالطہ دیتے ہو۔

پس جو آدمی اپنے ایمان اور عبادت سے آسمانوں سے اوپر عرش والے اللہ کا قصد نہیں کرتا جو مخلوق سے الگ اور جدا بھی ہے تو ایسا عقیدہ رکھنے والا آدمی غیر اللہ کی پرستش کرتا ہے۔ جو یہ بھی نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس کہا ہے؟

(۱۰۴) ایک آدمی نے امام مالک بن انس رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوکر دریافت کیا: اے ابوعبداللہ! اللہ نے فرمایا:

[الرَّحْمَنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى]

''کہ اللہ رحمان عرش پر مستوی ہوا۔''

[طه: ٥]

تو اس کا صحیح صحیح کیا معنی ہے؟ دیکھنے والا کہتا ہے کہ یہ سن کر امام مالک اس قدر غضب ناک ہوئے کہ ہم نے انہیں کبھی اس قدر غصے میں نہیں دیکھا تھا۔ انہیں پسینہ آ گیا اور سر جھکا کر بیٹھ گئے۔ ہم سوچنے لگے کہ دیکھیں اب آپ اس کے بارے میں کیا حکم صادر فرماتے ہیں۔ کچھ دیر بعد امام صاحب قدرے سکون میں آ گئے۔ اور فرمایا: اللہ تعالیٰ کے عرش پر مستوی ہونے کی کیفیت ہماری عقل میں نہیں آ سکتی۔ اس کا عرش پر مستوی ہونا ہمیں معلوم نہیں۔ البتہ اس پر ایمان لانا واجب اور اس کے بارے میں کرید کرنا بدعت ہے۔ مجھے اندیشہ ہے تم گمراہ ہونے والے ہو۔ اس کے بعد آپ نے اسے اپنی محفل سے بھگا دیا۔

[**تحقیق و تخریج:** صحیح ہے۔ اسے امام بیہقی نے ''اسماء الله وصفاته'' (ح: ٨٧٣-٨٧٤) اور ابونعیم نے ''حلية الاولياء'' (٢٤٧/٥) میں روایت کیا ہے۔ امام ذہبی اور

حافظ ابن حجر وغیرہ نے اسے صحیح کہا ہے۔ دیکھیں: مختصر العلو للذهبی۔ ح: ۱۳۱۔
فتح الباری : ۱۳/۵۰۰۔]

(۱۰۵) ابوسعید (مصنف کتاب ہذا) فرماتے ہیں: امام مالک رحمہ اللہ کی بات بالکل درست ہے۔ انہوں نے سچ فرمایا ہے۔ عرش پر اللہ تعالیٰ کے مستوی ہونے کی کیفیت ہماری عقل میں نہیں آسکتی۔ البتہ اس کے عرش پر اللہ تعالیٰ کے مستوی ہونے کی کیفیت ہماری عقل میں نہیں آسکتی۔ البتہ اس کے عرش پر مستوی ہونے کا انکار بھی نہیں کیا جاسکتا۔ قرآن کریم نے یہ مسئلہ متعدد آیات میں بیان کیا ہے۔

(۱۰۶) ہم نے اس باب میں جتنی باتیں ذکر کی ہیں ان کا بہت سی عورتوں اور بچوں تک کو علم ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ان میں سے اکثر کا ذکر کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اور صحابہ کرام و تابعین عظام کے آثار ان کی تائید کرتے ہیں اور یہ ایسا واضح مسئلہ ہے کہ عوام وخواص میں سے کسی کو بھی اس بارے میں کوئی اشکال نہیں۔ البتہ یہ ملحد لوگ جو اللہ کی آیات میں الحاد اور ان کی باطل تاویل کرتے ہیں۔ ان کو اس بارے میں واقعی اشکالات ہیں۔ اہل علم شروع ہی سے ان آثار کو روایت کرتے، پڑھتے پڑھاتے اور ان کے ظاہری مفہوم کو مانتے چلے آرہے ہیں۔ اب ہمارے زمانے میں ایسے یہ گمراہ لوگ آگئے ہیں جو ان تمام آیات وآثار کا انکار کرتے اور ان پر صحیح صحیح ایمان لانے والوں کو جاہل (بے علم) کہتے ہیں اور ہر حق بات میں اہل حق کی مخالفت کرتے ہیں۔ اللہ ان کے ساتھ وہی برتاؤ کرے

جس کے یہ حق دار ہیں۔

(۱۰۷) اسی طرح فرشتوں کا ذی روح اجساد کی ارواح کو قبض کر کے آسمان کی طرف اللہ کے پاس لے کر جانا، معراج کے موقعہ پر رسول اللہ ﷺ کو اوپر ایک کے بعد دوسرے آسمان کی طرف اور پھر ساتویں آسمانوں کے اوپر سدرۃ المنتہیٰ تک جہاں مخلوقات کا علم ختم ہوجاتا ہے، لے جایا جانا، اگر ان لوگوں کے بقول اللہ تعالیٰ ہر جگہ ہوتا تو اسراء، معراج اور براق وغیرہ کا کیا معنیٰ؟ اور پھر رسول اللہ ﷺ کو اوپر کس کی طرف لے جایا گیا؟ ان حضرات کے زعم باطل کے مطابق اللہ تو زمین پر نبی ﷺ کے گھر ہی میں موجود تھا اور ان دونوں کے مابین کچھ بھی حائل نہ تھا۔ اللہ کا نام بہت بابرکت ہے اور لوگ اس بارے میں جو نازیبا باتیں کہتے ہیں۔ وہ ان سے بالاتر ہے۔

(۱۰۸) سیّدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ سیّدنا ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کیا کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں مکہ میں تھا کہ میرے گھر کی چھت میں سوراخ کر دیا گیا۔ اس راستے سے جبریل علیہ السلام اتر کر آئے اور مجھے اپنے ساتھ آسمان کی طرف لے گئے۔ ہم جب پہلے آسمان پر پہنچے تو جبریل نے آسمان کے دروازے کے محافظ (دربان) سے کہا: دروازہ کھولو۔ اس نے پوچھا: تم کون ہو؟ اس نے بتلایا کہ میں جبریل ہوں۔ دربان نے پوچھا: کیا آپ کے ساتھ کوئی اور بھی ہے؟ انہوں نے کہا: جی ہاں، میرے ہمراہ محمد ﷺ ہیں۔ اس نے پوچھا: کیا انہیں بلوایا گیا ہے؟ جبریل نے کہا: جی ہاں۔ چنانچہ اس نے دروازہ کھول دیا۔ اس کے بعد ہم آسمان

دنیا کی طرف چڑھے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔‘‘

انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’آپ نے آسمانوں پر آدم، ادریس، موسیٰ، عیسیٰ، اور ابراہیم علیہم السلام کو دیکھا۔ (اوران سے آپ کی ملاقات ہوئی)‘‘ ابن شہاب زہری رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ مجھ سے ابن حزم نے بیان کیا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابوحبہ انصاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’پھر مجھے اوپر لے جایا گیا۔ یہاں تک کہ میں ایک ایسی جگہ جا پہنچا جہاں میں فرشتوں کے قلموں کے ذریعے لکھنے کی آواز تک سن رہا تھا۔‘‘ آپ نے فرمایا: ’’اس کے بعد مجھے سدرۃ المنتہیٰ تک لے جایا گیا، اس پر اس قدر رنگ چھائے ہوئے تھے کہ میں نہیں جانتا کہ وہ کتنے رنگ تھے اور کیسے تھے۔‘‘

[**تحقیق و تخریج:** اسے امام بخاری نے ’’الصحیح‘‘ (ح: ۳٤۹) میں روایت کیا ہے۔]

(۱۰۹) اس حدیث کو احمد بن صالح نے ابن وہب سے، انہوں نے یونس سے بعینہٖ اسی کے ہم معنی روایت کیا ہے۔

[**تحقیق و تخریج:** اسے امام مسلم نے ’’الصحیح‘‘ (ح: ۱٦۳) عن انس قال: ابوذر......) میں روایت کیا ہے۔]

(۱۱۰) سیّدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’مومن بندہ جب اس دنیا کو چھوڑ کر دارِ آخرت کی طرف جانے والا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف آسمان سے فرشتوں کو نازل کرتا ہے۔۔۔ الحدیث۔

آپ نے فرمایا: ''اس کی روح نکال لی جاتی ہے اور وہ فرشتے اس کی روح کو اوپر آسمان پر لے جاتے ہیں۔ آسمان کا دروازہ کھلوایا جاتا ہے تو اس کے اوپر جانے کے لیے دروازہ کھول دیا جاتا ہے۔ آخر کار اس کی روح کو ساتویں آسمان پر لے جاتے ہیں تو اللہ عزوجل فرماتا ہے: میرے اس بندے کا نام ساتویں آسمان پر ''علیین'' میں لکھ دو اور اسے زمین پر واپس پہنچا دو۔ میں نے ان انسانوں کو مٹی سے پیدا کیا ہے، میں ان کو اسی میں واپس لوٹاتا ہوں اور دوبارہ اسی سے نکالوں گا۔ اور جو بندہ کافر ہو اس کی روح کو جب پہلے آسمان پر لے جایا جاتا ہے، فرشتے اس کے لیے آسمان کا دروازہ کھلواتے ہیں تو اس کے لیے آسمان کا دروازہ نہیں کھولا جاتا۔'' پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

[لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ]

''ان کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جاتے۔''

[الأعراف: ٤٠]

اور پھر اللہ عزوجل فرماتا ہے: میرے اس بندے کا نام سب سے نیچے والی زمین ''سجین'' میں لکھ دو اور اسے زمین پر واپس لے جاؤ۔ میں نے ان انسانوں کو اسی زمین (مٹی) سے پیدا کیا اور انہیں اسی میں واپس لوٹاتا ہوں اور ان کو دوبارہ اسی زمین (مٹی) سے نکالوں گا پھر اس کی روح کو وہیں سے نیچے پٹخا جاتا ہے۔ اس سے آگے انہوں نے ساری حدیث تفصیل سے بیان کی۔

[**تحقیق و تخریج:** حسن ہے۔ اسے امام ابوداؤد نے ''السنن'' (ح: ٤٧٥٣)، احمد

نے "المسند" (٢٨٨/٤)، ابوداؤد الطیالسی نے "المسند" (ح:٧٨٩)، حاکم نے "المستدرک" (٣٧/١) میں روایت کیا ہے۔]

(١١١) ابوسعید (مصنف کتاب ہذا) رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد [لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ][الأعراف: ٤٠] میں صاف دلالت ہے کہ اللہ عزوجل آسمانوں پر ہے کیونکہ آسمانوں کے دروازے مومنین کی ارواح اور ان کے اعمال کو اللہ عزوجل تک لے جانے کے لیے یا ان کے علاوہ جس کام اور مقصد کے لیے اللہ چاہے ان کو کھولا جاتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ زمین پر ہر مرنے والے اور عمل کرنے والے کے ساتھ ساتھ ہو تو مومنین کی ارواح اور اعمال کو اوپر کس کی طرف لے جایا جاتا ہے اور آسمان کے دروازے خوش نصیب لوگوں کے لیے کھول دیے جاتے ہیں اور بدنصیبوں کے لیے کیوں بند رکھے جاتے ہیں؟ اگر تمہارے بقول اللہ تعالیٰ کی ذات زمین پر (ہر جگہ) موجود ہے تو اللہ تعالیٰ کے ارشاد [لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ][الأعراف: ٤٠] کا کیا مفہوم رہ جاتا ہے؟

(١١٢) پس جس آدمی کا اس قرآن پر ایمان ہو، جس کی آیات سے ہم نے اس مسئلے کے بارے میں دلائل پیش کیے اور جو آدمی اس رسول کی تصدیق کرتا ہو، جن کی احادیث ہم نے بیان کی ہیں، اس پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کمال کے ساتھ آسمانوں سے اوپر عرش پر ہے اور جو آدمی قرآن کی ان آیات کو نہیں مانتا اسے چاہیے کہ وہ اس قرآن کو چھوڑ کر کوئی دوسرا قرآن لے آئے کیونکہ اللہ کے اس قرآن پر تو اس کا ایمان ہے نہیں۔

(۱۱۳) ہمارے اس قول کی تائید کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں سے اوپر عرش پر ہے اور جو لوگ کہتے ہیں کہ اللہ عزوجل زمین پر ہر جگہ ہے ان کے قول کی تردید، اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ اللہ عزوجل بلند و بالا آسمانوں سے اوپر ہے اور مخلوق کی نظروں سے اوجھل ہے[۱]۔

[۱]: [اللہ تعالیٰ کی صفت علو کے حوالے سے امام ذہبی کی کتاب ''العلو للعلی الغفار'' اور امام ابن قدامہ کی کتاب ''العلو'' قابل مطالعہ ہیں۔ ایک دفعہ کسی آدمی سے راقم الحروف (سعید مجتبیٰ سعیدی) کی گفتگو ہو رہی تھی۔ کافی دیر گفتگو کے بعد میں نے ایک کتاب کھول کر دریافت کیا کہ اللہ تعالیٰ کتاب کے ان صفحات پر موجود ہے؟ اس نے کہا: جی ہاں، موجود ہے، تو میں نے کتاب بند کر کے کہا: اب بتلاؤ وہ کہاں ہے؟ یہ سن کر وہ ہکّا بکّا رہ گیا اور کچھ نہ کہہ سکا۔ تب ''فبهت الذی كفر'' کا سماں تھا۔ والحمدللہ]

باب: ۴

اللہ رب العزت کا پردے میں ہونے کا بیان

(۱۱۴) اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

[وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ]

''اور کسی بھی انسان کی یہ حیثیت اور مقام نہیں کہ اللہ اس سے براہ راست کلام کرے، وہ یا تو اس کی طرف وحی کرتا ہے یا پھر پردے کے پیچھے سے ہم کلام ہوتا ہے۔''

[الشوریٰ: ۵۱]

(۱۱۵) سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری طرف دیکھتے ہوئے فرمایا: ''جابر! کیا بات ہے، تم مجھے غمگین دکھائی دے رہے ہو؟'' میں نے عرض کیا: میرا والد (غزوۂ احد میں) شہید ہو گیا ہے اور ان کے ذمہ بہت سا قرض ہے اور کافی اہل وعیال بھی ہیں (جن کی کفالت کی ذمہ داری اب میرے کاندھوں پر آن پڑی ہے)۔ میری بات سن کر آپ نے فرمایا: ''تمہیں ایک بات بتلاؤں؟'' اللہ تعالیٰ نے جس کسی سے بھی کلام کیا پردے کے پیچھے سے کیا جبکہ تمہارے والد سے اس نے آمنے سامنے کلام کیا اور فرمایا: ''اے میرے بندے! مانگ لے جو کچھ تو مانگ سکتا ہے، میں تیری مانگی ہوئی ہر چیز عطا کروں گا۔۔۔ الخ

[**تحقیق و تخریج:** حسن ہے۔ اسے امام ترمذی نے ''السنن'' (ح: ۳۰۱۰)، ابن ماجہ نے ''السنن'' (ح: ۲۸۰۰)، امام حاکم نے ''المستدرک'' (۳/ ۲۰۳-۲۰۴)، ابن

حبان نے ''الصحيح'' (ح: ٧٠٢٢)، ابن ابی عاصم نے ''السنة'' (ح: ٦٠٢) اور ابن خزیمہ نے ''التوحيد'' (ح: ٥٩٩) میں روایت کیا ہے۔]

(١١٦) جناب مسروق رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ میں ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر تھا کہ انہوں نے فرمایا: ابوعائشہ (یہ مسروق کی کنیت ہے) جو آدمی یہ کہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے (اس دنیاوی زندگی میں) اپنے رب کو دیکھا ہے تو اس نے اللہ تعالیٰ پر بہت بڑا جھوٹ باندھا۔ پھر انہوں نے یہ آیت پڑھی:

[لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ]

''یہ نگاہیں اس (اللہ) کا ادراک نہیں کرسکتیں، البتہ وہ ان تمام کا ادراک رکھتا ہے اور وہ نہایت باریک بین اور باخبر ہے۔''

[الأنعام: ١٠٣]

نیز اللہ نے فرمایا ہے:

[وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ]

''اور کسی بھی انسان کی یہ حیثیت اور مقام نہیں کہ اللہ اس سے براہ راست کلام کرے، وہ یا تو اس کی طرف وحی کرتا ہے یا پھر پردے کے پیچھے سے ہم کلام ہوتا ہے۔''

[الشورى: ٥١]

[**تحقيق و تخريج:** اسے امام بخاری نے ''الصحيح'' (٤٨٥٥)، امام مسلم نے ''الصحيح'' (ح: ١٧٧)، امام ترمذی نے ''السنن'' (ح: ٣٠٦٨)، امام ابویعلی نے

"المسند" (ح: ٤٩٠٠) اورامام اسحاق بن راھویہ نے "المسند" (ح: ١٤٤٤) میں روایت کیا ہے۔]

(۱۱۷) سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان کھڑے ہوئے اور چار باتیں ارشاد فرمائیں:

① اللہ تعالیٰ سوتا نہیں اور سونا اسے زیب نہیں دیتا (یعنی سونے کی ضرورت ہی پیش نہیں آتی)۔

② وہ انصاف کے ترازو کو جھکاتا اور اوپر کو اٹھاتا ہے۔

③ انسانوں کے رات کے اعمال، دن سے پہلے اور دن میں کیے ہوئے اعمال رات سے پہلے پہلے اوپر کی طرف لے جا کر اس تک پہنچا دیے جاتے ہیں۔

④ نور اس کا پردہ ہے اگر وہ اس پردے کو ہٹا دے تو جہاں تک اس کی نظر پہنچے، اس کے چہرے کی کرنیں ہر چیز کو جلا کر بھسم کر کے رکھ دیں۔

[**تحقیق و تخریج:** دیکھیں حدیث نمبر: 96۔]

(۱۱۸) سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق سے چار چیزوں کے پیچھے (چھپا ہوا) ہے۔ آگ اور اندھیرا، نور اور اندھیرے۔"

[**تحقیق و تخریج:** اس کی سند ضعیف ہے۔ سفیان ثوری مدلس کا عنعنہ ہے۔]

(۱۱۹) جناب زرارہ بن اوفی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا جبریل سے دریافت کیا کہ کیا آپ نے اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا ہے؟ یہ سن کر جبریل علیہ السلام پر کپکپی طاری ہو گئی اور انہوں نے کہا: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! میرے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان نور کے

ستر پردے ہیں اگر میں ان میں سے کسی ادنیٰ سے پردے کے قریب بھی جاؤں تو جل کر راکھ ہو جاؤں گا۔"

[**تحقیق و تخریج:** اس کی سند مرسل ہے۔اسے ابوالشیخ الاصبھانی نے "العظمة" (ح:
۹) میں روایت کیا ہے۔زرارہ بن اوفی تابعی ہیں جو اسے رسول اللہ ﷺ سے بیان کر رہے ہیں۔]

(۱۲۰) ابوسعید (مصنف کتاب ہذا) کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے اپنے اور مخلوق کے درمیان جو یہ پردے رکھے ہیں، کوئی بھی ان پردوں کا اندازہ نہیں کر سکتا اور نہ ہی یہ جان سکتا ہے کہ وہ کس قسم کے ہیں؟ ان کی حقیقت کو صرف اللہ ہی جانتا ہے ، جسے ہر چیز کا بخوبی علم ہے۔اس کی یہ شان ہے کہ:

[وَأَحْصَى كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا]

"اور اس نے ایک ایک چیز کو شمار کر رکھا ہے۔"

[الجن: ۲۸]

(۱۲۱) ان آیات و احادیث میں بھی اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ مخلوق سے الگ اور ان سے پردے میں ہے۔ جبریل اللہ کے انتہائی قریب ہونے کے باوصف ان پردوں کی بنا پر اللہ تعالیٰ کے قریب پہنچنے کی طاقت نہیں رکھتے اور یہ گمراہ لوگ جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ ان کے ساتھ ساتھ ہے، ان کی یہ بات قطعاً درست نہیں۔اگر بات ایسے ہی ہوتی تو اللہ تعالیٰ کا پردوں کے پیچھے ہونے کا کیا مفہوم رہ جاتا ہے؟ کیوں کہ جو ہستی ہر جگہ موجود ہو وہ کسی سے چھپ نہیں سکتی۔جو ہستی پردے سے باہر ہو اس کا پردے کے پیچھے ہونا کیسے ممکن ؟ جو لوگ کہتے ہیں کہ اللہ

تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے، ان کے نزدیک [مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ] [الأحزاب: ٥٣] کا کوئی معنی اور مفہوم نہیں رہتا۔

(۱۲۲) جن احادیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ رات کے آخری حصے میں اوپر سے یعنی عرش سے پہلے آسمان کی طرف نزول فرماتا ہے، ان سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ عزوجل آسمانوں کے اوپر، عرش پر اور مخلوق سے جدا ہے۔

باب: ۵

اللہ تعالیٰ کے نزول کا بیان

(۱۲۳) ابوسعید (مصنف کتاب ہذا) کہتے ہیں کہ اللہ عزوجل کی کتاب قرآن کریم میں سے اللہ تعالیٰ کے نزول کے اثبات اور اس کے نزول کا انکار کرنے والوں کے خلاف جن آیات سے استدلال کیا جاسکتا ہے، ان میں سے بعض آیات درج ذیل ہیں:

[هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَهُمُ اللَّهُ فِي ظُلَلٍ مِنَ الْغَمَامِ وَالْمَلَائِكَةُ]

''تو کیا یہ لوگ اس انتظار میں ہیں کہ اللہ تعالیٰ بادلوں کے سائے میں اور فرشتے خود سامنے آموجود ہوں۔''

[البقرة: ۲۱۰]

نیز اللہ نے فرمایا ہے:

[وَجَاءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا]

''اور (قیامت کے دن) تیرا رب آئے گا اور فرشتے قطار در قطار ہوں گے۔''

[الفجر: ۲۲]

یہ قیامت کے دن کا بیان ہے جب اللہ تعالیٰ بندوں کے درمیان ان کے اعمال کے فیصلے کرنے کے لیے نزول فرمائے گا۔

نیز اس نے فرمایا ہے:

[وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَاءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلَائِكَةُ تَنْزِيلًا، الْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ الْحَقُّ لِلرَّحْمَنِ، وَكَانَ يَوْمًا عَلَى الْكَافِرِينَ عَسِيرًا]

''اور اس (قیامت کے) دن آسمان بادل کے ساتھ پھٹ جائے گا اور فرشتے قطار در قطار آگے پیچھے نزول کریں گے، اس دن حقیقی بادشاہی صرف رحمان (اللہ) کی ہوگی اور کافروں کے لیے وہ دن بڑا سخت ہوگا۔''

[الفرقان: ٢٦]

پس جو اللہ قیامت کے دن بندوں کے اعمال کے فیصلے کرنے کے لیے نزول پر قادر ہے وہ ہر رات اوپر والے آسمان سے نیچے والے آسمان کی طرف نزول کرنے پر بھی قادر ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزول کا انکار کرنے والے لوگ اگر ان احادیث کے انکاری ہیں تو وہ ان قرآنی آیات کے بارے میں کیا کہیں گے؟

(۱۲۴) ابو مسلم الاغر کہتے ہیں: میں اللہ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ سیدنا ابو سعید اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما نے اللہ کو گواہ بنا کر بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ اپنے (عرش پر) مقیم رہتا ہے تا آنکہ جب رات کا ایک تہائی حصہ گزر جاتا ہے تو وہ نیچے آ کر کہتا ہے: ہے کوئی توبہ کرنے والا؟ وہ توبہ کرے اور اس کی توبہ قبول کر لی جائے؟ ہے کوئی دعا کرنے والا؟ وہ دعا کرے اور اس کی دعا قبول کر لی جائے؟ ہے کوئی استغفار کرنے والا؟ وہ استغفار کرے اور اس کی مغفرت کر دی جائے؟ ہے کوئی کچھ مانگنے والا؟ وہ طلب کرے اور اسے عطا کر دیا جائے؟

[تحقیق و تخریج: اسے امام مسلم نے "الصحیح" (ح: ٧٥٨)، امام احمد نے "المسند" (٢/٣٨٣)، ابویعلیٰ نے "المسند" (ح: ١١٨٠)، ابن حبان نے "الصحیح" (ح: ٩٢١)، ابن خزیمہ نے "الصحیح" (ح: ١١٤٦) اور بزار نے "المسند" (: ٨٢٧٠) میں روایت کیا ہے۔]

(١٢٥) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہمارا رب تبارک وتعالیٰ ہر روز رات کو جب ایک تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے تو آسمانِ دنیا پر نزول فرماتا اور کہتا ہے: کوئی ہے جو مجھ سے دعا کرے تو میں اس کی دعا قبول کروں؟ کوئی ہے جو مجھ سے کچھ طلب کرے تو میں اسے عنایت کر دوں؟ اور کوئی ہے جو مجھ سے گناہوں کی معافی طلب کرے تو میں اسے معاف کر دوں؟

[تحقیق و تخریج: اسے امام بخاری نے "الصحیح" (ح: ١١٤٥)، مسلم نے "الصحیح" (ح: ٧٥٨)، ابوداؤد نے "السنن" (ح: ١٣١٥)، ترمذی نے "السنن" (ح: ٣٤٩٨)، ابن ماجہ نے "السنن" (ح: ١٣٦٦)، احمد نے "المسند" (٢/٤٨٧)، مالک نے "المؤطا" (ح: ٤٩٦)، ابن حبان نے "الصحیح" (ح: ٩٢٠)، دارمی نے "السنن" (ح: ١٤٧٩) اور عبدالرزاق نے "المصنف" (ح: ١٩٦٥٣) میں روایت کیا ہے۔]

(١٢٦) ابوسعید (مصنف کتاب) کہتے ہیں کہ احمد بن صالح نے مجھ سے یہ حدیث بیان کرتے ہوئے سند میں عن ابن وہب، عن یونس عن ابن شہاب کا اضافہ کیا۔

(١٢٧) عطاء بن یسار کہتے ہیں کہ سیدنا رفاعہ جہنی رضی اللہ عنہ نے ان سے (یعنی ان کو) بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے (یعنی ان کو) بیان کیا کہ رسول اللہ

ﷺ نے فرمایا: ”جب رات کا ایک تہائی حصہ۔ یا فرمایا: نصف حصہ۔ یا فرمایا کہ دو تہائی حصہ گزر جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ دنیا والے یعنی پہلے آسمان پر آ کر کہتا ہے: میں اپنے بندوں سے اپنے سوا کسی دوسرے کے پکارنے کا مطالبہ نہیں کرتا (یعنی میں اپنے سوا کسی دوسرے کے پکارے جانے کو پسند نہیں کرتا) کون ہے جو مجھ سے گناہوں کی مغفرت طلب کرے اور میں اس کی مغفرت کر دوں؟ کون ہے جو مجھے پکارے اور میں اس کی پکار کو قبول کروں؟ اور کون ہے جو مجھ سے کچھ مانگے اور وہ چیز عطا کر دوں؟ اور پھر یہ سلسلہ طلوعِ فجر تک جاری رہتا ہے۔“

[**تحقیق و تخریج:** صحیح ہے۔ اسے امام ابن ماجہ نے ”السنن“ (ح: ١٣٦٧)، احمد نے ”المسند“ (١٦/٤)، ابوداؤد الطیالسی نے ”المسند“ (ح: ١٣٨٨)، ابن حبان نے ”الصحیح“ (ح: ٢١٢)، دارمی نے ”السنن“ (ح: ١٤٨١) اور نسائی نے ”السنن الکبریٰ“ (ح: ١٠٢٣٦) میں روایت کیا ہے۔]

(١٢٨) سیدنا ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”اللہ تبارک وتعالیٰ رات کے تین حصوں میں نزول فرماتا ہے اور بندوں کو یاد کرنا شروع کرتا ہے۔ ان میں سے پہلے حصے میں اللہ تعالیٰ اس کتاب پر ڈالتا ہے جسے اس کے سوا کسی دوسرے نے نہیں دیکھا۔ وہ اس میں سے جتنے حصے چاہے مٹا دیتا یعنی معاف کر دیتا ہے اور جتنے حصے کو چاہے باقی رکھتا ہے۔ اس کے بعد وہ دوسرے حصے میں ”جنت عدن“ میں نزول فرماتا ہے۔ یہ اس کا (نیک بندوں کے لیے تیار کیا ہوا) ایسا گھر ہے جسے آج تک کسی آنکھ نے نہیں دیکھا اور نہ کسی انسان کے دل میں اس کا تصور ہی آیا ہے۔ یہ ایسا گھر (ٹھکانہ) ہے جس میں بنی آدم میں سے صرف انبیاء،

صدیقین اورشہداء قیام کریں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ اس (جنت عدن) سے مخاطب ہوکر فرماتا ہے: مبارک ہے ان لوگوں کو تیرے اندرداخل ہوں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ تیسرے حصے میں روح القدس یعنی جبریل علیہ السلام اوردوسرے ملائکہ کے ساتھ پہلے آسمان پر نزول فرماتا ہے۔ اللہ کے نزول پر آسمان جھوم اٹھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے فرماتا ہے: تو میری عزت کے ساتھ سکون کر۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی طرف متوجہ ہوکر فرماتا ہے: کوئی ہے جو اپنے گناہوں کی معافی مانگے تو میں اسے معاف کردوں؟ کوئی ہے دعا کرنے والا، میں اس کی دعا قبول کروں؟ اور یہ سلسلہ نماز فجر تک جاری رہتا ہے۔ اسی حوالے سے اللہ نے فرمایا ہے:

[وَقُرْآنَ الْفَجْرِ إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا]

''اور فجر کے وقت تلاوتِ قرآن کا التزام کرو، بے شک اس وقت اللہ تعالیٰ اور اس کے رات اوردن کے فرشتے حاضر ہوتے ہیں اوراس کا مشاہدہ کرتے ہیں۔''

[الإسراء: ٧٨]

[**تحقیق و تخریج:** اس کی سند ضعیف ہے۔ اسے امام بزار نے ''المسند'' (ح: ٤٠٧٩)، طبرانی نے ''المعجم الاوسط'' (ح: ٨٦٣٥)، محمد بن نصر المروزی نے ''قیام اللیل'' (ص: ٩٤) اورابوطاھر نے ''المخلصیات'' (ح: ٢٧٣٨) میں روایت کیا ہے۔ اس کی سند میں زیادۃ بن محمد انصاری منکرالحدیث ہے۔]

(١٢٩) سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''

جب رات کا ایک تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے۔ یا فرمایا کہ ایک تہائی حصہ گزر جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ پہلے آسمان پر نزول فرماتا ہے اور کہتا ہے: کوئی ہے جو مجھ سے دعا کرے تو میں اس کی دعا کو قبول کروں؟ کوئی ہے جو مجھ سے رزق طلب کرے تو میں اسے رزق عطاء کروں؟ کوئی ہے جو مجھ سے مانگے تو میں اسے عنایت کروں؟ کوئی ہے جو مجھ سے تکالیف مصائب کے ازالے کی دعا کرے تو میں اس کی تکالیف ومصائب کا ازالہ کردوں؟ پھر یہ سلسلہ صبح صادق تک جاری رہتا ہے۔''

[**تحقیق و تخریج:** حسن ہے۔ اسے امام احمد نے ''المسند'' (۲/۲۵۸)، ابوداؤد الطیالسی نے ''المسند'' (ح: ۲۶۳۸) اورنسائی نے ''السنن الکبریٰ'' (ح: ۱۰۲۳۸) میں روایت کیا ہے۔ ابوجعفر المؤذن حسن الحدیث ہے۔]

(۱۳۰) سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''رات کے آخری تہائی حصے میں اللہ تعالیٰ آسمان کے دروازے کھول کر پہلے آسمان پر نزول فرماتا ہے اور پھر اپنے ہاتھ پھیلا کر بندوں کو بلاتے ہوئے کہتا ہے: ہے کوئی بندہ جو مجھ سے کچھ مانگے تو میں اسے عطا کردوں؟ اور یہ سلسلہ صبح صادق ہونے تک جاری رہتا ہے۔''

[**تحقیق و تخریج:** اس کی سند ضعیف ہے۔ اسے امام احمد نے ''المسند'' (۱/ ۴۴۶-۴۴۷) اور ابن خزیمہ نے ''التوحید'' (ح: ۷۲) میں روایت کیا ہے۔ ابراھیم الہجری کو جمہور نے ضعیف کہا ہے۔]

(۱۳۱) سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگر مجھے اپنی امت پر مشقت کا خوف نہ ہوتا تو میں انہیں ہر نماز کے وقت مسواک کا حکم

دیتا۔اورعشاء کی نماز کوتہائی رات تک مؤخر کرتا (یعنی ایک تہائی حصہ گزرنے کے بعد عشاء کی نماز پڑھاتا)۔ جب رات کا پہلا تہائی حصہ گزر جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ پہلے آسمان پر نزول فرماتا ہے اور فجر ہونے تک بندوں کو پکار پکار کر کہتا ہے: کوئی ہے مانگنے والا، اسے عطا کیا جائے؟ کوئی ہے دعا کرنے والا؟ وہ دعا کرے تو اس کی دعا قبول کی جائے؟ کوئی مریض جو شفا طلب کرے اسے صحت سے نوازا جائے؟ کوئی گناہ گار و خطا کار، جو معافی مانگے تو اسے معاف کر دیا جائے''؟

[**تحقیق و تخریج:** حسن ہے۔اسے امام احمد نے ''المسند'' (۵۰۹/۲)، دارمی نے ''السنن'' (ح: ۱٤۸٤) اور دارقطنی نے ''النزول'' (ح: ٣٦ الشاملة) میں روایت کیا ہے۔عطاء مولی ام حبیبہ کو ابن حبان اور حاکم نے ثقہ قرار دیا ہے۔]

(۱۳۲) ابوسعید (مصنف کتاب) کہتے ہیں کہ یہی حدیث ہمیں عمرو بن محمد الناقد نے بھی، یعقوب بن ابراہیم بن سعد سے، انہوں نے اپنے والد (ابراہیم بن سعد سے) اور انہوں نے ابن اسحاق سے اسی طرح یعنی انہی الفاظ کے ساتھ بیان کیا ہے۔

[**تحقیق و تخریج:** ایضاً۔]

(۱۳۳) یہی حدیث ایک دوسری سند سے سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔

[**تحقیق و تخریج:** حسن ہے۔اسے امام احمد نے ''المسند'' (۱۲۰/۱) اور دارمی نے ''السنن'' (ح: ۱٤۸۵) میں روایت کیا ہے۔]

(۱۳۴) سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ انتظار کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ جب رات کا ایک تہائی حصہ گزر جاتا ہے تو وہ آسمان دنیا پر نزول فرماتا ہے اور کہتا ہے: کوئی ہے توبہ کرنے والا، وہ توبہ کرے تو میں اس کی توبہ قبول کروں؟ کوئی ہے گناہوں کی معافی طلب کرنے والا وہ معافی مانگے تو میں اسے معاف کردوں؟ کوئی ہے کچھ مانگنے والا، وہ مانگے تو میں اسے عطا کروں؟''

[**تحقیق و تخریج:** حسن ہے۔ اسے امام ابن ابی عاصم نے ''السنة'' (ح: ۵۱۳) میں روایت کیا ہے۔]

(۱۳۵) عبید بن عمیر رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ جب رات کا ایک تہائی حصہ گزر جاتا ہے۔ یا یوں کہا کہ جب آدھی رات باقی رہ جاتی ہے تو اللہ عزوجل آسمان دنیا پر نزول فرما کر (بندوں سے) کہتا ہے: کوئی ہے جو مجھ سے دعا کرے تو میں اس کی دعا قبول کروں؟ کوئی ہے جو مجھ سے کچھ مانگے تو میں اسے عطا کروں؟

[**تحقیق و تخریج:** اس کی سند صحیح ہے۔]

باب: ٦

پندرہ شعبان کی رات کو اللہ تعالیٰ کے نزول کا بیان

(۱۳۶) سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہمارا رب تبارک وتعالیٰ پندرہ شعبان کی رات کو نزول فرماتا ہے اور دو آدمیوں کے سوا ہر ایک کی مغفرت دیتا ہے: (۱) اللہ کے ساتھ شرک کرنے والا (۲) اور (مسلمان بھائی سے) بغض رکھنے والا۔''

[اس کی سند سخت ضعیف ہے۔ اسے امام ابن ابی عاصم نے ''السنة'' (ح: ۵۱۰)، ابن خزیمہ نے ''التوحید'' (ح: ۲۰۰) اور بیہقی نے ''شعب الإیمان'' (ح: ۳۵٤۷) میں روایت کیا ہے۔ عبدالملک بن عبدالملک متروک ہے۔]

باب: ۷

یوم عرفہ یعنی نو ذوالحجہ کے دن اللہ تعالیٰ کے نزول کا بیان

(۱۳۷) عاصم بن ابی النجود رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ''عرفہ کا دن کتنا اچھا دن ہے کہ اس روز اللہ رب العزت آسمان دنیا پر نزول فرماتا ہے۔''

[تحقیق و تخریج: اس کی سند منقطع ہے۔ عاصم بن ابی النجود اور سیدۃ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے درمیان انقطاع ہے۔ اس میں ایک اور علت بھی ہے۔ النزول للدارقطني (ح: ٩٦) میں اس کی ایک دوسری سند ہے جس میں اعمش مدلس کا عنعنہ ہے۔]

باب: ٨

روزِ قیامت بندوں کے اعمال کا حساب لینے کے لیے اللہ تعالیٰ کے نزول کا بیان

(۱۳۸) سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ قیامت کے دن سب لوگوں کو جمع کر کے فرمائے گا کہ تم میں سے جو آدمی جس کسی (چیز یا شخص) کی عبادت کیا کرتا تھا، وہ اس کے پیچھے چلا جائے۔'' اس کے بعد کافی مفصل حدیث ہے۔ اسی میں ہے کہ یہ امت اپنی جگہ رکی رہے گی اور یہ لوگ کہیں گے ہم تو یہیں ٹھہرے رہیں گے تا آنکہ ہمارا رب ہمارے پاس تشریف لے آئے۔ جب ہمارا رب ہمارے پاس آئے گا تو ہم اسے پہچان لیں گے بالآخر اللہ عزوجل ان کے پاس آ کر کہے گا کہ میں تمہارا رب ہوں۔ وہ بھی کہیں گے کہ واقعی تو ہمارا رب ہے۔ پھر لوگ اس کے پیچھے چل پڑیں گے۔ الحدیث۔

[**تحقیق و تخریج:** اسے امام بخاری نے ''الصحیح'' (ح: ٦٥٧٣)، امام مسلم نے ''الصحیح'' (ح: ١٨٢)، نسائی نے ''السنن الکبریٰ'' (ح: ١١٤٢٤)، امام احمد نے ''المسند'' (٢/ ٢٧٥-٢٧٦)، عبدالرزاق نے ''المصنف'' (ح: ٢٠٨٥٦)، ابن حبان نے ''الصحیح'' (ح: ٧٤٢٩)، طبرانی نے ''مسند الشامیین'' (ح: ٣٠٧٢) اور ابن ابی عاصم نے ''السنة'' (ح: ٤٧٥) میں روایت کیا ہے۔]

(۱۳۹) جناب حسن سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قیامت کے دن ہمارا رب ہمارے پاس تشریف لائے گا۔ اس وقت ہم ایک بلند مقام

پر ہوں گے۔ وہ مسکراتے ہوئے ہمارے سامنے جلوہ افروز ہوگا۔“

[تحقیق و تخریج: اس کی سند مرسل ہے۔ حسن بصری تابعی ہیں۔]

(۱۴۰) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ قیامت بپا ہونے سے پہلے ایک اعلان کرنے والا اعلان کرے گا (خبردار) تم پر قیامت آ گئی، یہ آواز اس قدر تیز ہوگی کہ اسے ہر زندہ اور ہر فوت شدہ شخص سن لے گا۔ پھر ایک وقت آئے گا تو ندا کرنے والا ندا کرے گا: [لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ، لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ][غافر: ١٦] ”آج کس کی حکومت ہے؟ (پھر وہ خود ہی کہے گا) اس اللہ کی (حکومت ہے) جو ہر لحاظ سے یکتا اور ہر ایک پر غالب ہے۔“

[تحقیق و تخریج: اس کی سند ضعیف ہے۔ اسے امام طبری نے ”جامع البیان“ (ح: ٢٠٩٥١) میں روایت کیا ہے۔ ابن لہیعہ مدلس ومختلط ہے۔ جامع البیان للطبری کی حدیث عن عبداللہ) اس سے بے نیاز کر دیتی ہے۔]

(۱۴۱) سنان بن انس رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے قرآن کریم کی یہ آیت تلاوت کی: [يَوْمَ تُبَدَّلُ الْأَرْضُ غَيْرَ الْأَرْضِ][إبراهيم: ٤٨] ”جس دن یہ زمین اور زمین سے تبدیل کر دی جائے گی۔“ پھر فرمایا: قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس زمین کے بدلے میں ایک دوسری زمین لے آئے گا جو چاندی سے بنی ہوگی اور اس پر کسی نے بھی کوئی گناہ نہ کیا ہوگا، اللہ تبارک وتعالیٰ اس پر نزول فرما ہوگا۔“

[تحقیق و تخریج: صحیح ہے۔ اسے امام حاکم نے ”المستدرک“ (٤٣٧/٢)، ابن ابی الدنیا نے ”الأھوال“ (ح: ٢٧) اور ابونعیم الاصبھانی نے ”حلیة الأولیاء“ (٣٩٥/١)

میں روایت کیا ہے۔]

(۱۴۲) قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:[يَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَاءُ بِالْغَمَامِ][الفرقان: ٢٥] ”اس (قیامت کے) دن آسمان بادل کے ساتھ پھٹ جائے گا اور فرشتے جوق در جوق اتارے جائیں گے۔“ اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا کہ آسمان کے فرشتے جو تعداد میں زمین پر آباد جن وانس سے کہیں زیادہ ہیں، وہ آسمان سے نیچے آ جائیں گے تو زمین والے جن وانس ان سے دریافت کریں گے کہ کیا تمہارے درمیان ہمارا رب بھی ہے؟ تو وہ کہیں گے نہیں۔ البتہ وہ آنے والا ہے۔ اس کے بعد دوسرا آسمان پھٹ جائے گا۔

اس اثر کے راوی ابوسلمہ حماد بن سلمہ رحمہ اللہ نے اپنی روایت میں ساتوں آسمانوں کے باری باری پھٹنے کا ذکر کیا ہے۔ اور کہا: اہلِ زمین، اہل آسمان (فرشتوں) سے دوبارہ پوچھیں گے کہ کیا تمہارے درمیان ہمارا رب بھی ہے؟ تو وہ کہیں گے کہ نہیں۔ البتہ وہ عنقریب آنے والا ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کروبیوں (فرشتوں) کے جلو میں جلوہ افروز ہوگا جن کی تعداد تمام آسمان والوں اور زمین والوں سے بھی زیادہ ہوگی۔“

[**تحقیق و تخریج:** اس کی سند ضعیف ہے۔ اسے امام ابن ابی حاتم نے ”تفسیر القرآن“ (ح: ١١٣٢)، حاکم نے ”المستدرک“ (٤/ ٥٦٩-٥٧٠) میں روایت کیا ہے۔ علی بن زید ضعیف ہے،]

(۱۴۳) ضحاک بن مزاحم رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن

آسمان کو حکم فرمائے گا تو وہ اپنے اندر تمام مخلوقات سمیت پھٹ جائے گا۔ اور وہ (فرشتے) زمین اور زمین والوں کو گھیر لیں گے۔ پھر وہ دوسرے آسمان کو حکم دے گا۔ یوں انہوں نے باری باری ساتوں آسمانوں کا ذکر کیا، فرشتے سات صفوں میں بٹ جائیں گے اور لوگوں کو گھیرے میں لے لیں گے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے تمام تر حسن و جمال کے ساتھ نزول فرمائے گا۔ اس کے ساتھ فرشتے ہوں گے جتنے وہ چاہے گا۔ اس کی بائیں جانب جہنم ہوگی۔ لوگ اس جہنم کو دیکھیں گے تو وہ جوش سے شعلے مارے گی۔ لوگ اس کے ہانپنے اور غیض وغضب کی آوازیں سن رہے ہوں گے۔ وہ خوف کے مارے زمین پر اِدھر اُدھر دوڑیں گے تو وہ ہر طرف فرشتوں کی سات صفیں پائیں گے۔

قرآن کریم میں قیامت کے دن کو [يَوْمَ التَّنَادِ] [غافر:۳۲] ''آہ وفغاں کا دن'' کہا گیا ہے۔ اس سے یہی مراد ہے کہ لوگ جہنم سے بچاؤ کی خاطر چیختے چلاتے، آہ و فغاں کرتے ادھر ادھر دوڑتے پھریں گے۔ اسی حوالے سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

[إِنِ اسْتَطَعْتُمْ أَنْ تَنفُذُوا مِنْ أَقْطَارِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ فَانْفُذُوا، لَا تَنفُذُونَ إِلَّا بِسُلْطَانٍ]

''(اے جن وانس!) اگر تم آسمانوں اور زمین کی حدود سے نکل کر بھاگ سکتے ہو تو بھاگ کر دکھاؤ۔ اس کے لیے بڑا زور چاہیے، جو تمہیں حاصل نہیں۔''

یہی مفہوم ایک اور مقام پر ان الفاظ میں بیان ہوا ہے:

[إِذَا دُكَّتِ الْأَرْضُ دَكًّا دَكًّا، وَجَاءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا،

وَجِيءَ يَوْمَئِذٍ بِجَهَنَّمَ]

''ہرگز نہیں! (ذرا اس وقت کا تصور کرو) جب زمین کو کوٹ کوٹ کر ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا اور تمہارا رب آئے گا اور فرشتے جوق در جوق صف آرا ہوں گے اور اس دن جہنم کو لایا جائے گا۔''

[الفجر: ٢٢]

نیز فرمایا:

[وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَاءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلَائِكَةُ تَنْزِيلًا]

''اس (قیامت کے) آسمان پھٹ جائے گا اور فرشتے جوق در جوق اتارے جائیں گے۔''

[الفرقان: ٢٥]

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

[وَانْشَقَّتِ السَّمَاءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَاهِيَةٌ، وَالْمَلَكُ عَلَى أَرْجَائِهَا]

''اور اس دن آسمان پھٹ کمزور ہو جائے گا اور فرشتے اس کی اطراف و جوانب میں ہوں گے۔''

اجلح (اس حدیث کے راوی) کہتے ہیں کہ میں نے اپنے شیخ سے دریافت کیا کہ ''أَرْجَائِهَا'' کا کیا معنی ہے؟ انہوں نے بتلایا اس کے اطراف و جوانب۔''

[**تحقیق و تخریج:** ضحاک تک اس کی سند حسن ہے۔]

۞۞۞۞

باب: ۹

اللہ عزوجل کا اہل جنت کے لیے نزول فرمانے کا بیان

(۱۴۴) عمر بن عبداللہ مولیٰ غفرہ کا بیان ہے کہ میں نے سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو سنا، وہ فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ایک دفعہ جبریل علیہ السلام میرے پاس تشریف لائے، ان کے ہاتھ میں ایک صاف شفاف آئینہ سا تھا اور اس میں ایک سیاہ نکتہ (نقطہ) تھا۔ میں نے دریافت کیا: جبریل! یہ کیا ہے؟ انہوں نے بتلایا کہ یہ جمعہ کا دن ہے، یہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف بھیجا ہے تا کہ یہ دن آپ کے لیے اور آپ کے بعد آپ کی امت کے لیے عید کا دن ثابت ہو۔ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں) میں نے پوچھا: ہمارے لیے اس دن میں کیا کچھ خوشی کی بات ہے؟ تو (جبریل نے) کہا: آپ کے لیے اس میں برکت ہی برکت ہے۔ آپ دنیا میں سب سے آخر میں آئے ہیں (اور اللہ کے فضل سے) آپ لوگ قیامت کے دن سے آگے ہوں گے۔ اس دن میں ایک ایسی ساعت ہے کہ اس وقت کوئی بھی بندہ نماز پڑھتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے جو بھی دعا کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی دعا کو قبول کرتے ہوئے اس کی مراد سے اسے نوازے گا۔ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں) میں نے پوچھا: یہ سیاہ نکتہ (نقطہ) کیسا ہے؟ انہوں نے بتلایا کہ اس سے مراد ہے کہ اس دن میں ایک انتہائی بابرکت ساعت ہے۔ یہ دن تمام دنوں کا سردار ہے اور ہم (ملائکہ) اسے ''یوم المزید'' یعنی سابقہ نعمتوں کے باوصف مزید نعمت والا دن کہتے ہیں ۔ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ) میں نے پوچھا: جبریل! یہ مزید نعمت سے کیا مراد

ہے؟ تو اس نے بتلایا کہ آپ کے رب نے جنت میں سفید کستوری سے مزین ایک وسیع وعریض وادی تیار کی ہوئی ہے۔ آخرت (جنت) میں جب جمعہ کا دن ہوگا تو اللہ تعالیٰ اپنے عرش سے کرسی پر نزول فرما ہوگا۔ اس کرسی کے اردگرد منبر لگائے گئے ہوں گے۔ ان پر اللہ کے نبی تشریف فرما ہوں گے، ان منبروں کے پیچھے طلائی کرسیاں ان کو گھیرے ہوئے ہوں گی۔ ان پر صدیقین اور شہداء تشریف فرما ہوں گے۔ پھر بالا خانوں والے اہل جنت اپنے بالا خانوں سے اتر کر کستوری کے ٹیلوں پر تشریف رکھیں گے۔ وہ اگرچہ نیچے بیٹھے ہوں گے مگر اس کے باوجود وہ اپنے آپ کو منبر اور کرسیوں والے حضرات سے کم تر یا حقیر تصور نہیں کریں گے۔ اس کے بعد اللہ ذوالجلال ان کے سامنے جلوہ افروز ہوگا اور فرمائے گا: تم مجھ سے مانگ لو، وہ سب کہیں گے کہ تم تجھ سے تیری رضا چاہتے ہیں۔ وہ ان کو گواہ بنا کر کہے گا کہ تم گواہ رہو کہ میں تم سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے راضی ہوں اس کے بعد وہ لوگ اپنی اپنی منشا کے مطابق اللہ سے مانگیں گے اور وہ انہیں ان کی منشا کے مطابق عطا فرمائے گا۔ پھر وہ ان پر اپنی ایسی نعمتوں کی برکھا برسائے گا جو کسی آنکھ نے کبھی دیکھیں، نہ کسی کان نے ان کے متعلق کچھ سنا اور نہ ہی کسی کے دل پر ان کا خیال تک گزرا ہوگا۔ اس کے بعد اللہ عزوجل اپنی کرسی سے اپنے عرش کی طرف تشریف فرما ہوگا اور بالا خانوں والے بھی اپنے بالا خانوں میں واپس لوٹ جائیں گے۔ ان کے کمرے سفید موتیوں سے یا سبز لعل وجواہر سے یا سرخ موتیوں سے بنے ہوئے ہوں گے، ان میں سے کوئی بھی موتی عیب دار نہیں ہوگا۔ ان کے بالا خانوں میں جنت کی نہریں بہتی ہوں گی۔

جنت کے پھل ان نہروں پر جھکے ہوئے ہوں گے، ان بالاخانوں میں جنتیوں کی بیویاں اور خدمت گزار اوران کی آرام گاہیں ہوں گی۔ اہل جنت جمعہ کے دن کا شدت سے انتظار کیا کریں گے تاکہ انہیں انہیں اللہ کا قرب اوراس کی مزید رضا حاصل ہو۔

[**تحقیق و تخریج:** اس کی سند ضعیف ہے۔ عمر بن عبداللہ مولی غفرۃ ضعیف ہے۔ المعجم الاوسط کی روایت (٢٠٨٤ وسندهٗ حسن) اس سے بے نیاز کرتی ہے۔]

(۱۴۵) سیدنا انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا: ''جبریل علیہ السلام میرے پاس تشریف لائے۔ ان کے ہاتھ میں ایک صاف شفاف آئینہ سا تھا اوراس میں ایک سیاہ نقطے جیسا نقطہ سا تھا۔ میں نے دریافت کیا: جبریل! آپ کے ہاتھ میں یہ کیا ہے؟ انہوں نے بتلایا کہ یہ ''جمعہ'' ہے۔ میں نے پوچھا: جمعہ سے کیا مراد ہے؟ اس نے بتلایا کہ اس میں آپ کے لیے خیر خیر (برکت ہی برکت) ہے۔ یہ ہمارے یعنی فرشتوں کے ہاں تمام دنوں کا سردار (سمجھا جاتا) ہے اور قیامت کے دن ہم اسے ''المزید'' کے نام سے پکاریں گے۔ میں نے پوچھا: وہ کیوں؟ اس نے بتلایا کہ اللہ تعالیٰ نے جنت میں سفید کستوری کی ایک وسیع وعریض وادی تیار کی ہے۔ جب جمعہ کا دن ہوگا تو وہ مقام علیین سے اپنی کرسی پر نزول فرما ہوگا۔ پھر اس کرسی کو ایسے طلائی منبروں سے گھیر دیا جائے گا جن پر لعل وجواہرات جڑے ہوں گے۔ پھر اللہ کے انبیاء آکر ان منبروں پر تشریف فرما ہو جائیں گے۔ پھر اہل جنت اپنے اپنے بالاخانوں سے اتر کر ان ٹیلوں پر تشریف رکھیں گے۔ اس کے بعد ان

کا رب ان کے سامنے جلوہ افروز ہوگا اور فرمائے گا: میں وہ ہوں جس نے تمہارے ساتھ کیا ہوا وعدہ پورا کر دیا اور میں نے تم پر اپنی نعمت تمام کردی ہے۔ (آج) یہ میری بزرگی (کے اظہار و اتمام) کا مقام ہے۔ تم مجھ سے مزید جو کچھ مانگنا چاہتے ہو مانگ لو۔''

اس سے آگے عثمان بن ابی شیبہ (راوی حدیث) نے حدیث بیان کرتے ہوئے ذکر کیا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ دیدار ایک ہفتے کے وقت کے برابر وقت پر محیط ہوگا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ اپنی کرسی سے اپنے عرش کی طرف تشریف فرما ہوگا اور اس کے ساتھ ہی انبیاء صدیقین اور شہداء بالا خانوں والے حضرات اپنے اپنے مقامات کی طرف واپس لوٹ جائیں گے۔''

[**تحقیق و تخریج:** اس کی سند ضعیف ہے۔ لیث بن ابی سلیم ضعیف ہے۔]

(۱۴۶) محمد بن کعب القرظی رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ عمر بن عبدالعزیز نے بیان کیا: (قیامت کے دن) اللہ تعالیٰ جب اہل جنت اور اہل جہنم کے فیصلوں سے فارغ ہوگا تو اللہ [فِي ظُلَلٍ مِنَ الْغَمَامِ وَالْمَلَائِكَةُ] [البقرة: ۲۱۰] ''بادلوں کے سائے میں سامنے آئے گا'' اور وہ اول درجے کے جنتیوں کو سلام پیش کرے گا اور جنتی بھی اللہ تعالیٰ کو سلام کا جواب دیں گے۔ قرظی فرماتے ہیں کہ اس سلام کا قرآن میں بھی ذکر ہے، اللہ نے فرمایا ہے: [سَلَامٌ قَوْلًا مِنْ رَبٍّ رَحِيمٍ] [يس: ۵۸] ''رب رحیم طرف سے سلام ہو۔'' پھر اللہ ان سے فرمائے گا کہ تم مجھ سے مانگو۔ عمر بن عبدالعزیز نے بیان کیا کہ اس وقت تمام اہل جنت اپنے اپنے مقامات پر ہی ہوں

گے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ ایک محفل (نشست گاہ) میں تشریف لائے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتے ان کے لیے تحفے تحائف لے کر حاضر ہوں گے۔

[**تحقیق و تخریج:** اس کی سند ضعیف ہے۔ سلیمان بن عبد الحمید کی توثیق نہیں ملی۔]

(۱۴۷) ابو سعید (عثمان بن سعید دارمی، مصنف کتاب ہذا) کہتے ہیں کہ مذکورہ بالا اور ان کے علاوہ ان سے بھی زیادہ احادیث ایسی ہیں جن میں ان مذکورہ بالا مواقع پر اللہ تعالیٰ کے نزول کا تذکرہ آیا ہے اور ہم نے اپنے پختہ کار اور اہل بصیرت مشائخ کو دیکھا کہ وہ ان احادیث کی تصدیق کرتے اور ان پر ایمان رکھتے تھے۔ ان میں سے کوئی بھی نہ تو ان انکار کرتا تھا اور نہ ان کو بیان کرنے سے جھجکتا تھا۔ حتیٰ کہ یہ زمانہ آ گیا کہ صفات الٰہی کا انکار کرنے والے یہ لوگ نمودار ہو گئے اور احادیث رسول کا انکار کرنے اور زور شور سے ان کا ردّ کرنے لگے۔ یہ لوگ کہتے ہیں اللہ کا یہ نزول کیونکر ہو گا؟ اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ ہمارے دین میں ہم اس بات کے قطعاً مکلف نہیں کہ ہم اس کے نزول کی کیفیت کے بارے میں بحث کریں اور حقیقت تو یہ ہے کہ ہمارے دل میں اس کے نزول کی کیفیت کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔ کیونکہ مخلوقات میں سے کوئی بھی چیز اللہ کے مشابہ اور اس کی مثل نہیں ہے تو ہم اس کے کسی فعل یا صفت کو مخلوق کے کسی فعل یا صفت سے تشبیہ دے ہی نہیں سکتے۔ وہ اپنی قدرت اور ربوبیت کے تحت جیسے چاہے نزول فرماتا ہے۔ اس کی کیفیت ہماری ناقص عقل میں آ ہی نہیں سکتی۔ تاہم اللہ کے نزول کے حوالے سے رسول اللہ ﷺ کے اقوال و ارشادات پر ایمان لانا واجب ہے۔ وہ اللہ اس قدر عظیم

ورفیع ہے اس سے یہ بات پوچھی ہی نہیں جاسکتی کہ وہ جو کچھ کرتا ہے، کیسے کرتا ہے، وہ اس پر قادر ہے، مخلوق تو ہر لحاظ سے ضعیف ہے، وہ صرف وہ کام کر سکتے ہیں جس کے کرنے کی اللہ تعالیٰ انہیں قدر عطا کر دے۔ اس لیے مخلوق سے تو پوچھا جا سکتا ہے کہ وہ اپنے کام کو کیسے کرتے اور اس کی قدرت کیسے پاتے ہیں؟

(۱۴۸) اگر نماز ادا کرنے والے لوگوں کی طرح تم یہ ایمان رکھتے ہو کہ اللہ تعالیٰ اپنے عرش کے اوپر مستوی ہے اور جب سے اس نے آسمان کو پیدا کیا ہے، وہ تب سے ساتویں آسمان سے بھی اوپر ہے تو ہم تم سے کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے ایک آسمان سے دوسرے آسمان کی طرف نزول کرنا کوئی مشکل امر نہیں اور نہ ہی اس کے عرش کو پیدا کرنے کے بعد اس پر مستوی ہونے میں کوئی تعجب (ناممکن ہونے) کی کوئی بات ہے۔ کیوں کہ اسی نے عرش کو ابتداء ہی سے پیدا کیا ہے تو جس طرح پہلے مرحلے پر جیسے اس نے چاہا وہ قادر تھا وہ اس کے بعد بھی جیسے چاہے بعد کے مراحل پر قادر ہے۔

(۱۴۹) قرآن مجید کی آیات [هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَهُمُ اللَّهُ فِي ظُلَلٍ مِنَ الْغَمَامِ وَالْمَلَائِكَةُ] [البقرة: ۲۱۰] ''یہ لوگ بس اس انتظار میں ہیں کہ بادلوں کے سائبانوں میں اللہ ان کے پاس آجائے اور فرشتے بھی۔'' اور [وَجَاءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا] [الفجر: ۲۲] ''اور تیرا رب آئے گا اور فرشتے جو صف درصف ہوں گے۔'' جس طرح ان آیات میں اللہ تعالیٰ کی آمد اور تشریف آوری کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے بالکل اسی طرح وہ نزول من العرش پر بھی

قادر ہے۔

(۱۵۰) اللہ عزوجل کے یہ فرمودات اور رسول اللہ ﷺ کے ارشادات اپنے معنی ومفہوم میں بالکل واضح ہیں اوران پر کسی قسم کا غبار (خفاء) نہیں تو تم اگراللہ پر ایمان رکھتے ہو توان پر ایمان تمہارے اوپراسی طرح لازم ہے جس طرح دیگراہل ایمان ان پر ایمان رکھتے ہیں ورنہ تمہارے دلوں میں جو کچھ ہے اس کا کھلم کھلا اظہار کرواور زبانوں کو توڑ مروڑ کرتم جو پہلیاں بجھواتے ہوان کو چھوڑو۔ ہوسکتا ہے کہ کم علم لوگوں کو تمہاری حقیقت کا علم نہ ہو، اہل علم کو تو یقین ہے کہ تم لوگ اللہ تعالیٰ کی صفات کا انکار کرتے ہواورانہیں تسلیم نہیں کرتے۔

(۱۵۱) صفات الٰہی کے منکرین میں سے کسی نے کہا ہے کہ بادلوں کے سائے اللہ تعالیٰ کے آنے اور فرشتے کے صف درصف ہونے کا مطلب تو یہ اور یہ ہے۔

(۱۵۲) میں (مصنف) کہتا ہوں کہ تمہارے بیان کردہ معنی اور مفہوم میں قرآن کی آیت کا صاف صاف انکار ہے، حالانکہ ان آیات کا معنی اور مفہوم تو بالکل واضح ہے۔اس کے مفہوم مراد میں ہمارے، تمہارے اور باقی مسلمانون کے درمیان اختلاف بالکل نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا قیامت کے دن آنا اوراس کا بادلوں کے سائبانوں اورفرشتوں کے جلو میں آنا، اس بارے میں امت میں ذرہ بھر بھی اختلاف نہیں۔سب کہتے اور مانتے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ عزوجل اپنے بندوں کا احتساب کرنے کے لیے اوران کو ان کے کیے ہوئے اعمال کی جزا اور بدلہ دینے کے

لیےاور مظلوم کو ظالم سے بدلہ لے کر دینے کے لیے آئے گا اور یہ کام اللہ عزوجل کے سوا کوئی دوسرا نہیں کر سکے گا جو آدمی اللہ تعالیٰ کی آمد پر ایمان نہیں رکھتا، اس کا مطلب ہے کہ یوم الحساب پر بھی اس کا ایمان نہیں۔

(۱۵۳) لیکن اگر تم اپنی اس تاویل اور باطل دعوے میں حق پر ہو (جب کہ درحقیقت معاملہ ایسا نہیں ہے) تو تم اپنے موقف کی تائید میں رسول اللہ ﷺ کی کوئی حدیث یا صحابہ کرام اور تابعین عظام سے احادیث وآثار پیش کیے ہیں۔ ورنہ جہمیہ (صفات الٰہی کے منکرین) اللہ کی کتاب اور اس کی تفسیر کے حوالے سے کب اس مقام پر پہنچیں گے کہ لوگ اس بارے میں ان کے موقف کو قبول اور ان کے برعکس موقف کو رد کر سکیں۔

(۱۵۴) تم لوگ جب بھی اہل علم کی مجالس میں آؤ گے یا علمی مذاکرے میں شرکت کرو گے تو لامحالہ منافقت کو اختیار اور حق کو چھپاؤ گے۔ یہاں تک کہ کتاب اللہ کی جو واضح ترین تفسیر صحابہ کرام نے کی ہے تم اس سے پہلوتہی کرو گے۔ اس طرح تم اپنے اصل مقام سے تجاوز کر جاؤ گے اور تم اپنے اس مقام سے کہیں دور گرو گے جس سے تمہیں اللہ نے اور مسلمانوں نے دور کر دیا ہے۔

(۱۵۶) اور اگر تمہارے اقوال وآراء کی تائید میں نہ تو کوئی حدیث ہو اور نہ صحابہ کرام سے کوئی اثر یا خبر ہی منقول ہو تو کتاب اللہ کی تفسیر کے حوالے سے تمہارے اقوال اور تفاسیر میں سے کسی بھی چیز کی طرف التفات نہیں کیا جائے گا کیونکہ امت کے سامنے تمہارا الحاد (کج روی) عیاں ہو چکا ہے اور بالخصوص جب ان کی رائے

تمہارے موقف سے سراسر مختلف ہو تو تمہارے اقوال وتفاسیر وآراء کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے۔

(۱۵۷) ابوسعید کہتا ہے: روزِ قیامت اللہ تعالیٰ کی آمد کے حوالے سے قرآن کریم کی آیت کریمہ [هَلْ يَنظُرُونَ إِلَّا أَن تَأْتِيَهُمُ الْمَلَائِكَةُ أَوْ يَأْتِيَ رَبُّكَ] [الأنعام: ١٥٨] ''یہ لوگ بس اسی انتظار میں ہیں کہ فرشتے جوق در جوق یا تمہارا رب آجائے۔'' اس آیت کریمہ میں ہمارے دعوے کا اثبات اور تمہارے دعوے کی تردید واضح ہے۔

(۱۵۸) اگر تم لوگوں کو اپنی مزعومہ تفسیر اور اللہ کی کتاب، احادیث رسول اور آثار صحابہ سے ہمارے استدلالات کی مخالفت پر اصرار ہے تو اس کا معنی یہ ہے کہ تمہیں حقیقی علم اور کتاب وسنت کی معرفت میں اتنا رسوخ حاصل نہیں کہ تمہارے علم پر اعتماد کیا جاسکے خواہ تم لوگ حق کو پہنچ بھی جاؤ اور جب بداہتہً راہِ حق سے ہٹے ہوئے ہو تو کیا حال ہوگا؟

(۱۵۹) لیکن ہمارے اور تمہارے درمیان ایک واضح دلیل ہے، اسے مردوں اور عورتوں میں سے جسے اللہ تعالیٰ توفیق دے، وہ سمجھ سکتے ہیں، وہ یہ کہ کیا تم نہیں جانتے کہ ہم نے تمہارے سامنے رسول اللہ ﷺ سے اور صحابہ کرام وتابعین عظام رحمۃ اللہ علیہم سے مروی ایسی روایات پیش کی ہیں جو اپنے مدلول پر حد درجہ واضح ہیں اور یہ روایات ان حضرات سے صحیح اسانید سے ثابت ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر رات دنیا والے یعنی پہلے آسمان پر نزول فرما ہوتا ہے اور تمہیں یہ بھی علم ہے کہ ان روایات کو ہم

نے ازخود نہیں گھڑا بلکہ جن ائمہ ہدایت نے دین کے اصول وفروع کو روایت کر کے امت تک پہنچایا ہے، یہ روایات ان کے ہاں معروف ومتداول ہیں۔ وہ ان روایات کو اپنے اساتذہ سے رغبت کے ساتھ حاصل کرتے اور ان کو لوگوں کے سامنے بیان کر کے اپنی علمی محافل ودروس کو زینت بخشتے اور صفات الٰہیہ کے منکرین کے رد میں ان احادیث وروایات کو بیان کر کے ان سے استدلال کرتے تھے۔ آپ حضرات اس حقیقت سے خوب واقف ہیں اور اللہ کی توفیق سے ہماری طرح آپ بھی ان احادیث کو روایت کرتے ہیں تو جس طرح ہم نے احادیث سے واضح طور پر اللہ تعالیٰ کے نزول کی نفی کی گئی ہو۔ تاکہ آپ کی کوئی دلیل تو ہمارے دعویٰ کے بالمقابل آجائے۔ اگر آپ ایسی کوئی دلیل پیش نہیں کرتے اور یقیناً نہیں کر سکتے تو کسی واضح دلیل وحدیث کے بغیر امت کے اجماع اور نزول کی واضح صفت کو بلا دلیل کیوں ردّ کیا جاتا ہے؟ (علمی دنیا میں) کسی بھی ثابت شدہ دعویٰ کو بلا دلیل ردّ نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ اسلاف کے اقوال وروایات ایسی پختہ چیز ہیں جن کو ماننا لازم ہے اور وہ اصول اسلام کے لیے مضبوط اساس ہیں۔ ان کے مدمقابل آپ کے ذاتی اقوال (اور آراء) ہوا کی مانند بے بنیاد ہیں جن کی (حقیقت کی دنیا میں) کچھ بھی حیثیت نہیں۔ آپ ان کے کمزور اور بودے دعاوی کو کوئی بھی تسلیم نہیں کرتا۔ ہاں البتہ اگر آپ اپنے دعوے کے اثبات میں کوئی ایسی دلیل پیش کریں جو سند کے لحاظ سے اہل علم کے ہاں ثابت اور امت میں اسی طرح مشہور ہو جس طرح ہماری پیش کردہ احادیث اور دلائل ثابت اور مشہور ہیں تو آپ کے دعویٰ پر غور کیا جا سکتا ہے مگر حقیقت یہی ہے کہ آپ لوگ کبھی

بھی ایسی دلیل پیش کر ہی نہیں سکتے۔ یہ بات اس قدر واضح ہے کہ کم علم والا ہر مرد اور عورت نیز آپ خود بھی اسے آسانی سے سمجھ جائیں گے۔ ان دلائل کی پختگی سے آپ بھی ناواقف نہیں، آپ جانتے ہیں کہ یہ دلائل آپ کی گردن کو دبوچنے والے ہیں اور محض ہٹ دھرمی کے بنا پر آپ ان تمام احادیث و دلائل کو انکار کرتے ہیں آپ یہ سمجھتے ہیں کہ آپ جس اللہ کی عبادت کرتے ہیں، وہ ہر جگہ، ہر چیز کے اوپر موجود ہے اور آپ کے نزدیک اس کی کوئی حد نہیں اور آپ کے زعم کے مطابق کوئی بھی جگہ اس سے خالی نہیں۔

(۱۶۰) پھر آپ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ نزول تو وہ کرتا ہے جو ایک جگہ پر موجود ہو اور دوسری جگہ پر موجود نہ ہو۔ مگر (آپ کے بقول) جو ذات ہر جگہ موجود ہو، وہ دوسری جگہ کیوں کر نزول فرما ہو سکتی ہے؟

(۱۶۱) اس کے جواب میں ہم کہیں گے کہ آپ کی بیان کردہ یہ صفت، اللہ رب العالمین کے صفت کے بالکل برعکس ہے۔ آپ کی بیان کردہ صفت صرف ہوا کی ہو سکتی ہے جو ہر جگہ میں داخل اور ہر چیز پر واقع ہو سکتی ہے۔ اگر تمہارا معبود جس کی تم عبادت کرتے ہو، ایسا نہ ہو تو وہ اللہ کی عبادت کے حوالے سے تم پر غالب ہے اور تم عبادت کرنے میں بتوں کی پوجا کرنے والوں سے اور شمس و قمر کی عبادت کرنے والوں سے کہیں زیادہ برے ہو۔ کیوں کہ غیر اللہ کے پجاری جس کسی کی بھی چیز کی پوجا کرتے ہیں وہ لوگوں کی نظر میں کوئی چیز تو ہے ان کے بالمقابل تم جس کی عبادت کرتے ہو، لوگوں کی نظر میں وہ کچھ بھی نہیں۔ کیوں کہ سب لوگوں کا اس بات پر اتفاق

ہے کہ جو چیز، چیز اور شے کہلاتی ہے، اس کی کچھ نہ کچھ تعریف اور صفت تو ہوتی ہی ہے اور جو چیز ''لاشئی'' ہو۔ اس کی تو کچھ بھی صفت اور تعریف نہیں کی جا سکتی۔ جب کہ اللہ تعالیٰ نے خود تمہاری اس بات کو غلط قرار دیا ہے اور اس نے اپنے آپ کو ''اکبر الاشیاء'' یعنی سب سے بڑی چیز، ''اعظم الاشیاء'' یعنی سب سے عظیم اور ''خلاق الاشیاء'' یعنی ہر چیز کو پیدا کرنے اور بنانے والا کہا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے: [قُلْ أَيُّ شَيْءٍ أَكْبَرُ شَهَادَةً قُلِ اللَّهُ شَهِيدٌ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ] [الأنعام: ١٩] ''اے نبی! آپ ان سے دریافت کریں کہ کس کی گواہی سب سے بڑھ کر ہے؟ آپ کہہ دیں کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ ہی گواہ ہے۔'' نیز اللہ نے فرمایا: [كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ] [القصص: ٨٨] ''ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے سوائے اس کی ذات کے۔'' اس نے یعنی اللہ نے اپنے آپ کو ''اکبر الاشیاء'' ہر چیز کو بنانے اور پیدا کرنے والا کہا ہے اور اس کی ایک تعریف ہے، جسے اس اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

(١٦٢) امام ابن مبارک رحمہ اللہ سے دریافت کیا گیا کہ ہم اپنے رب کا تعارف کیوں کر کرائیں؟ فرمایا: یوں کہا کرو کہ وہ عرش پر ہے۔ سات آسمانوں کے اوپر عرش پر اور مخلوق سے بالکل الگ اور جدا ہے۔ سائل نے کہا اس کی کوئی حد ہے؟ فرمایا اس کی حد کیا ہو سکتی ہے؟

[**تحقیق و تخریج:** حسن ہے۔ دیکھیں حدیث نمبر 67۔]

(١٦٣) ابو سعید رحمہ اللہ (مصنف کتاب ہذا) کہتا ہے کہ امام ابن مبارک رحمہ اللہ کے اس قول کی تائید قرآن کریم میں ہے، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: [وَتَرَى

الْمَلَائِكَةَ حَافِّينَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ][الزمر: ۷۵] ’’اور تم دیکھو گے کہ فرشتے عرش کے اردگرد اس لیے حلقہ بنائے ہوئے ہوں گے کہ اس کے اوپر اللہ تعالیٰ ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ ہر جگہ ہوتا تو وہ فرشتے صرف عرش ہی نہیں بلکہ ہر چیز کے اردگرد حلقہ بنائے ہوتے۔ اس آیت میں واضح طور پر جگہ کی تحدید ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ عرش کے اوپر ہے اور ملائکہ عرش کے اردگرد حلقہ بنائے ہوئے اللہ تعالیٰ کی تسبیح وتقدیس کرتے ہیں اور ان میں سے بعض نے اللہ تعالیٰ کے عرش کو اٹھایا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: [أَلَّذِينَ يَحْمِلُونَ الْعَرْشَ، وَمَنْ حَوْلَهُ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِهِمْ][غافر: ۷] ’’عرش الٰہی کے حامل فرشتے اور وہ جو عرش کے گردو پیش حاضر رہتے ہیں، سب اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتے ہیں۔‘‘

(۱۶۴) ابو سعید رحمہ اللہ (مصنف کتاب ہذا) کہتا ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے لیے جگہ کی تحدید اور اس کے نزول کا انکار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے، اس کے قائلین میں سے ایک کو میں نے ایک حدیث سے استدلال کرتے سنا کہ چار فرشتوں کی ایک جگہ ملاقات ہوئی۔ یعنی ایک جگہ وہ اکٹھے ہوئے۔ ان میں سے ایک مشرق کی طرف سے آیا۔ دوسرا مغرب کی جانب سے، تیسرا آسمان کی طرف سے اور چوتھا زمین کی طرف سے آیا۔ ان میں سے ہر ایک نے کہا میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا ہوں۔ اس سے یہ حدیث سن کر میں (ابو سعید) نے کہا لوگوں میں سے حدیث کے معاملے میں وہ آدمی سب سے زیادہ مفلس اور سب سے بڑھ کر حقیر (کم تر) ہے جو صفات الٰہیہ سے متعلق وارد صحیح احادیث کو ردّ کرنے کے لیے اس ضعیف

حدیث سے استدلال کرتا ہے۔ بلکہ وہ تو اس ضعیف سے بھی بڑھ کر ضعیف ہے کیوں کہ اگر بالفرض یہ حدیث سند کے لحاظ سے صحیح بھی ہو تو یہ ان کے مفید مطلب نہیں بلکہ ان کے عقیدے کے خلاف ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ ان حضرات کو اپنے عقیدے اور مؤقف کے اثبات کے لیے دلیل کی ضرورت پیش آئی تو انہوں نے اس ضعیف حدیث اور اس جیسی دیگر احادیث کی طرف رجوع کیا۔ کیوں کہ ان کے موقف کی تائید میں انہیں کوئی ایک ہی صحیح الاسناد حدیث مل گئی ہوتی تو وہ اسی سے حجت پکڑتے اور استدلال کرتے۔ لیکن تلاش بسیار کے باوجود جب انہیں ایک بھی صحیح حدیث نہ ملی تو انہوں نے ایسی حدیث سے استدلال کیا جو بے علم لوگوں کے لیے اشتباہ کا باعث ہے، تاکہ اس کے ذریعے وہ عام اور بے علم لوگوں میں پہلی جیسی اپنی بات کی ترویج کر سکیں۔ ہمارے مخالفین کو اس حدیث کے حوالے سے جو اشتباہ ہوا ہے، ہم عنقریب اس کی حقیقت بیان کریں گے تاکہ انہیں پتہ چل سکے کہ یہ حدیث ان کے حق میں نہیں بلکہ ان کے موقف کے خلاف ہے۔

(۱۶۵) ہم کہتے ہیں کہ اگر بالفرض یہ حدیث صحیح ہوتی تو اس کا معنی قابل فہم ہوتا اور ہر ایک کی سمجھ میں آ جاتا اور اس کے بارے میں کسی کو بھی اشتباہ نہ ہوتا کہ وہ سب فرشتے اللہ ہی کی طرف سے آئے ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ عرش پر اور آسمانوں سے اوپر ہے اور رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کے مطابق یہ آسمان زمین کے اوپر قبے کی مانند ہیں تو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت یا عذاب یا دوسرے فیصلوں کی تنفیذ اور پورا کرنے کے لیے بعض فرشتوں کو مشرق میں، بعض کو مغرب میں اور بعض کو زمین کے اطراف کی

طرف نازل کرتا ہے۔ پھر وہ فرشتے اللہ تعالیٰ کے حکم کو پورا کرنے کے بعد اوپر کو چلے جاتے ہیں اور پھر زمین کے کسی حصے پر ان کے چوتھے فرشتے سے ملاقات ہوتی ہے۔ یہ چوتھا فرشتہ آسمان سے ان کی ملاقات والی جگہ پر اوپر سے اتر کر آتا ہے۔ وہ سب ایک دوسرے سے دریافت کرتے ہیں کہ وہ کہاں سے آئے ہیں تو وہ سب کہتے ہیں کہ ہم اللہ کی طرف سے آئے ہیں تو یہ معنی ہمارے موقف کے مطابق درست ہے نہ کہ تمہارے موقف کے مطابق۔ کیونکہ ان تمام فرشتوں کو اللہ تعالیٰ نے اوپر سے بھیجا اور وہ اللہ کے ہاں سے زمین کے مختلف حصوں میں اترے تو اگر بالفرض ایک لاکھ فرشتے، زمین کی ایک لاکھ جگہوں پر اترے ہوں تو دراصل وہ سب اللہ ہی کے پاس سے نیچے آئے ہیں۔

اس موقعہ پر ہم نے کہا کہ وہ سب اللہ ہی کے پاس سے آئے ہیں کیونکہ وہ آسمان سے اوپر ہے اور فرشتے آسمانوں میں ہیں اور بعض فرشتے اللہ تعالیٰ کے عرش کو گھیرے ہوئے ہیں تو یہ فرشتے اہل زمین کی نسبت اللہ کے عرش کے قریب تر ہیں۔ یہ بات اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں بیان فرمائی ہے:[إِنَّ الَّذِينَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِهِ وَيُسَبِّحُونَهُ وَلَهُ يَسْجُدُونَ][الأعراف: ٢٠٦] ''بے شک جو فرشتے تمہارے رب کے پاس ہیں وہ کبھی اپنی بڑائی کے گھمنڈ میں آ کر اس کی عبادت سے منہ نہیں موڑتے۔ وہ اس کی تسبیح کرتے ہیں اور اس کے آگے سجدہ ریز رہتے ہیں۔''

اس آیت کریمہ میں ہمارے دعوے اللہ تعالیٰ کے لیے جگہ حد کا اثبات ہے کہ اللہ

تعالیٰ اپنی مخلوق سے جدا اور عرش کے اوپر ہے اور اس آیت میں ان لوگوں کے دعوے کا ابطال اور ردّ ہے جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ ہر جگہ ہوتا تو آیت میں [عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِهِ] [الأعراف: ٢٠٦] میں جن فرشتوں کا ذکر ہے، ان کی کچھ بھی خصوصیت نہیں رہتی۔ بلکہ اگر اللہ ہر جگہ ہو تو فرشتے، جنات، انسان اور تمام مخلوقات کی حیثیت برابر ہے اور پھر [لَا يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِهِ وَيُسَبِّحُونَهُ وَلَهُ يَسْجُدُونَ] [الأعراف: ٢٠٦] کا معنی اور مفہوم ہی ختم ہو جاتا ہے۔ حالانکہ زمین پر رہنے والے اکثر انسان اور جنات اللہ تعالیٰ کی عبادت سے منہ موڑتے اور اس کے سامنے سجدہ ریز نہیں ہوتے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ صفت صرف ان ملائکہ کی بیان کی ہے، جو اللہ کے ہاں آسمانوں پر ہیں۔ ان لوگوں کو اس آیت کریمہ پر ایمان لا کر اس کے مطابق عقیدہ رکھنا چاہیے۔ لاجواب ہو کر انہیں اپنا سر جھکا لینا چاہیے۔ اس آیت نے ان لوگوں کو حلق سے قابو کر لیا ہے۔ اگر وہ اپنے دعوے پر مصر ہیں تو وہ بالصراحت اس آیت کے انکاری ہیں اور اگر یہ لوگ اس بات کا اقرار کریں کہ اس آیت میں وہ فرشتے مراد ہیں جو اللہ کے اور اس کے عرش کے قریب ہیں تو وہ اس حقیقت تک پہنچ جاتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ بیان کرنا چاہتا ہے اور اس کے نتیجے میں وہ اللہ تعالیٰ کے لیے جگہ کی تحدید کا، اللہ تعالیٰ کے آسمان سے اوپر ہونے کا اور فرشتوں کا اللہ کے ہاں ہونے کا اقرار کرتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ [لَا يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِهِ وَيُسَبِّحُونَهُ، وَلَهُ يَسْجُدُونَ] [الأعراف: ٢٠٦] اور اگر وہ اس کا اقرار نہ کریں تو وہ

اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ اس آیت کے انکاری ہیں اور انہیں ماننا پڑے گا کہ بتوں کی پوجا کرنے والے، شمس وقمر کی عبادت کرنے والے انسان اور جنات، تمام اہل کتاب اور تمام مجوسی یہ سب [عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِهِ وَ يُسَبِّحُونَهُ، وَلَهُ يَسْجُدُونَ] [الأعراف: ٢٠٦] میں شامل ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ جو مخلوقات اللہ کے پاس ہیں، یہ صفات ان کی ہیں۔ پس ان کے دعویٰ کے مطابق اگر تمام مخلوقات اللہ کے قریب اور وہ اللہ ان مخلوقات کے قریب ہے اور تمام مخلوقات اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتی، اس کے سامنے سجدہ ریز ہوتی اور اس کی عبادت سے منہ نہیں موڑتی تو یہ بات کہنے والا شخص اللہ کی کتاب کا کافر اور اس کی نازل کردہ آیات کا انکاری ہے۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ صفات تو ان فرشتوں کے حق میں بیان کی ہیں جو اس کے پاس ہیں اور اس نے کافر، جنات، انسانوں بتوں کے پجاریوں کے متعلق بیان کیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سرکش، اس کی عبادت سے انکاری اور اس کی اطاعت کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ چنانچہ اللہ نے فرمایا ہے: [لَقَدِ اسْتَكْبَرُوا فِي أَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْا عُتُوًّا كَبِيرًا] ''یہ لوگ اپنے دل میں بڑا گھمنڈ لیے بیٹھے ہیں اور سرکشی میں بہت آگے نکل گئے ہیں'' نیز فرمایا: [وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اسْجُدُوا لِلرَّحْمَنِ قَالُوا وَمَا الرَّحْمَنُ، أَنَسْجُدُ لِمَا تَأْمُرُنَا] [الفرقان: ٦٠] ''اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ ''رحمٰن'' کو سجدہ کرو تو کہتے ہیں ''رحمٰن'' کون ہے؟ کیا ہم اس ذات کو سجدہ کرنے لگ جائیں جسے سجدہ کرنے کا تو ہمیں حکم دے؟''

پس تم اس آیت کو سمجھنے کی کوشش کرو۔ یہ ان لوگوں کے دلائل اور کٹ حجتیوں کونیست ونابود کررہی ہے۔

باب: ۱۰

دیدارِ الٰہی کا بیان

(۱۶۶) ابوسعید رحمہ اللہ (مصنف کتاب ہذا) کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:[وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَاضِرَةٌ، إِلَى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ][القيامة: ٢٣] ''اس (قیامت کے) دن کچھ چہرے بارونق ہوں گے۔ جو اپنے رب کو دیکھ رہے ہوں گے۔''

نیز ارشاد ہے:

[كَلَّا إِنَّهُمْ عَنْ رَبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَمَحْجُوبُونَ، ثُمَّ إِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِيمِ، ثُمَّ يُقَالُ هَذَا الَّذِي كُنْتُمْ بِهِ تُكَذِّبُونَ]

''ہرگز نہیں۔ یقیناً اس دن ان لوگوں کو ان کے رب (کے دیدار) سے محروم رکھا جائے گا۔ پھر بے شک یہ لوگ جہنم میں جا پڑیں گے۔ پھر ان سے کہا جائے گا کہ یہ ہے وہ چیز جسے تم دنیا میں جھٹلاتے رہے۔''

(۱۶۷) ان آیات میں اس بات کی دلیل ہے کہ قیامت کے دن تمام کفار رحمان عزوجل کے دیدار سے محروم رہیں گے اور اہل جنت اللہ تعالیٰ کے دیدار سے شرف یاب ہوں گے۔

(۱۶۸) نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جو والد، اپنے بیٹے کے اپنا ہونے سے (خوامخواہ) انکار کرے گا۔ (قیامت کے دن) اللہ تعالیٰ اس سے رُوپوش ہوگا اور اسے اگلے پچھلے تمام لوگوں کے سامنے رسوا کرے گا۔''

(۱۶۹) مصنف نے اپنی سند سے روایت کیا ہے کہ عبداللہ بن یونس نے کہا کہ انہوں نے مقبری کو سنا، وہ کہا کرتے تھے کہ مجھ سے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات بیان کرتے ہوئے سنا۔

[تحقیق و تخریج: حسن ہے۔ اسے امام ابوداؤد نے "السنن" (ح: ۲۲۶۳)، نسائی نے "السنن" (ح: ۳۵۱۱) اورابن ماجۃ نے "السنن" (ح: ۲۷۴۳) میں روایت کیا ہے۔ابن حبان، حاکم، اور ذہبی وغیرہ نے اسے صحیح کہا ہے۔]

(۱۷۰) ابوسعید رحمہ اللہ کہتے ہیں: اس حدیث میں دلیل ہے کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ جس طرح بعض لوگوں سے روپوش ہوگا اسی طرح وہ بعض لوگوں سے روپوش نہیں ہوگا۔ نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: "تم لوگ عنقریب اپنے رب عزوجل کو اسی طرح دیکھو گے جس طرح تم شمس وقمر کو (اس دنیا میں) دیکھتے ہو۔" اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی تاویل کرنے کے لیے کوئی گنجائش نہیں چھوڑی۔

(۱۷۱) سیدنا جریر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں بیٹھے تھے، چودھویں رات تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اوپر کی طرف نظر اٹھا کر چاند کی طرف دیکھتے ہوئے فرمایا: "تم عنقریب (آخرت میں) اپنے رب کو اس طرح کھلم کھلا دیکھو گے جس طرح تم اسے (چاند کو) دیکھ رہے ہو۔ اس کو دیکھنے میں تمہیں کچھ بھی مشکل پیش نہیں آئے گی۔ اس لیے ہو سکے تو تم طلوع آفتاب سے پہلے یعنی فجر کی اور غروب آفتاب سے پہلے یعنی عصر کی نماز کی خوب خوب حفاظت کرو۔"

[**تحقیق و تخریج:** اسے امام بخاری نے "الصحیح" (ح: ٥٧٣)، امام مسلم نے "الصحیح" (ح: ٦٣٣)، ابوداؤد نے "السنن" (ح: ٤٧٢٩)، ترمذی نے "السنن" (ح: ٢٥٥١) اورابن ماجۃ نے "السنن" (١٧٧) میں روایت کیا ہے۔]

(١٧٢) مصنف رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہی حدیث ہم سے ابن المدینی نے بھی اپنی سند سے سیدنا جریر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔

[**تحقیق و تخریج:** ایضاً]

(١٧٣) علی بن المدینی رحمہ اللہ نے فرمایا: ہمارے ہاں ان دونمازوں سے نماز فجر اور نماز عصر مراد ہیں۔ان شاء اللہ

(١٧٤) یہی حدیث اسماعیل بن ابی خالد کے طریق سے ہمیں سفیان، ہشیم، وکیع، معتمر اور دیگر حضرات (کل چھ) نے بیان کیا ہے۔ نیز علی بن المدینی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ کوئی سند اس سے زیادہ بہتر (اعلیٰ) نہیں ہوسکتی۔

(١٧٥) سیدنا صہیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی:

[لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْحُسْنَى وَزِيَادَةٌ]

"جن لوگوں نے نیکی کی ان کے لیے (آخرت میں) بہترین بدلہ ہوگا اور کچھ زیادہ بھی"۔

[یونس: ٢٦]

پھر فرمایا:" جب اہل جنت، جنت میں داخل ہوجائیں گے اور اہل جہنم، جہنم میں

چلے جائیں گے تو ایک اعلان کرنے والا اعلان کرے گا: اے جنت والو! تمہارے لیے اللہ کے ہاں ایک وعدہ ہے جسے وہ پورا کرنا چاہتا ہے، تو اہل جنت کی طرف سے کہا جائے گا کہ وہ کیا؟ کیا اللہ تعالیٰ نے ہمارے چہرے روشن نہیں کر دیے؟ اور اس نے ہمارے نیکی والے پلڑے کو وزنی نہیں کر دیا۔ اور اس نے ہمیں جنت میں داخل کر دیا ہے اور ہمیں اس نے جہنم سے محفوظ رکھا ہے (اب اس کے بعد اور کون سا وعدہ باقی رہ گیا ہے)؟ اس کے بعد اللہ تعالیٰ پردے کو ہٹا کر اہل جنت کے سامنے تجلی فرمائے گا۔‘‘

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اس سے قبل اللہ تعالیٰ ان کو جس قدر نعمتوں سے نواز چکا ہوگا، اللہ تعالیٰ کے دیدار سے بڑھ کر کوئی بھی چیز اس سے زیادہ محبوب نہیں ہوگی اور نہ کسی بھی چیز سے ان کی آنکھوں کو اس زیادہ ٹھنڈک وسکوں ملا ہوگا۔‘‘

[**تحقیق و تخریج:** اسے امام مسلم نے ”الصحیح“ (ح: ۱۸۱)، ترمذی نے ”السنن“ (ح: ۲۵۵۲)، ابن ماجہ نے ”السنن“ (ح:۱۸۷) اور امام احمد نے ”المسند“ (۳۳۳/٤) میں روایت کیا ہے۔]

(۱۷٦) سیدنا ابورزین العقیلی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! کیا قیامت کے دن ہم میں سے ہر آدمی اللہ تعالیٰ کے دیدار سے شرف یاب ہوگا؟ کیا مخلوق میں اس کی کوئی مثال اور نشانی بھی ہے؟ تو آپ نے فرمایا: ’’ابورزین! کیا تم میں سے ہر آدمی چاند کو اپنی اپنی جگہ سے (بلا مشقت) نہیں دیکھ لیتا؟‘‘ میں نے عرض کیا: جی ہاں۔ فرمایا: ’’تو اللہ تعالیٰ اس سے کہیں زیادہ عظیم ہے۔‘‘

[**تحقیق و تخریج:** حسن ہے۔اسے امام ابوداؤد نے "السنن" (ح: ٤٧٣١)، ابن ماجہ نے "السنن" (ح: ١٨٠)، احمد نے "المسند" (١١/٤)، ابوداؤد الطیالسی نے "المسند" (ح: ١١٩٠) اورحاکم نے "المستدرک" (٥٦٠/٤) میں روایت کیا ہے۔وکیع بن حدس کو ابن حبان، ترمذی اور حاکم وغیرہ نے ثقہ وصدوق قرار دیا ہے۔]

(١٧٧) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ لوگوں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! کیا ہم لوگ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کا دیدار کریں گے؟ تو آپ نے فرمایا: ''جب سورج کے سامنے بادل نہ ہوں تو کیا تمہیں سورج کے دیکھنے میں مشقت ہوتی ہے؟'' صحابہ نے عرض کیا: نہیں۔ آپ نے فرمایا: ''جب چودھویں کے چاند کے سامنے بادل نہ ہوں تو کیا تمہیں اس کے دیکھنے میں کوئی مشکل پیش آتی ہے؟'' صحابہ نے عرض کہ نہیں۔ آپ نے فرمایا: ''اسی طرح تم قیامت کے دن اپنے رب کا دیدار کرو گے۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سب لوگوں کو ایک جگہ اکٹھا کر کے فرمائے گا: دنیا میں جو آدمی جس کسی کی عبادت کیا کرتا تھا، وہ اس کے پیچھے چلا جائے، تو جو لوگ سورج کی پوجا کیا کرتے تھے، وہ سورج کے پیچھے اور جو چاند کی پوجا کیا کرتے تھے، وہ چاند کے پیچھے اور جو بتوں کی پوجا کیا کرتے تھے، وہ بتوں کے پیچھے چل پڑیں گے۔ آخر میں یہ امت رہ جائے گی۔ اس میں منافقین بھی ہوں گے۔''

آگے راوی حدیث بیان کرتے کرتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان تک پہنچا: ''لوگ کہیں گے کہ ہم تو یہیں ٹھہرے ہوئے ہیں، یہاں تک کہ ہمارا رب ہمارے پاس خود آجائے۔ ہمارا رب جب آئے گا تو ہم اسے پہچان لیں گے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ ان کے سامنے کہے گا کہ میں تمہارا رب ہوں۔ لوگ بھی اعتراف کریں گے کہ واقعی

تو ہی ہمارا رب ہے۔ پھر لوگ اللہ تعالیٰ کے پیچھے چل دیں گے۔“

عطاء بن یزید اللیثی رحمہ اللہ نے اس حدیث کے آخر میں بیان کیا کہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے جب یہ حدیث بیان کی تو سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بھی ان کے پاس ہی تشریف فرما تھے، انہوں نے ان کی بیان کردہ کسی بھی بات کا انکار نہ کیا۔ حتیٰ کہ جب ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سب سے آخر میں جنت میں جانے والے سے کہا جائے گا تو نے جس قدر بھی مانگا، جنت میں تیرے لیے یہ سب اور اتنا ہی مزید بھی موجود ہے تو اس پر سیدنا ابوسعید رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس آخری جنتی سے کہا جائے گا کہ تو نے جو کچھ مانگا تیرے لیے یہ سب اور اس سے مزید دس گنا موجود ہے۔“

[**تحقیق و تخریج:** صحیح ہے۔ دیکھیے حدیث نمبر 138۔]

(۱۷۸) اس حدیث کو عطاء بن یزید اللیثی رحمہ اللہ، سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ دونوں سے اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔

[**تحقیق و تخریج:** ایضاً۔]

(۱۷۹) سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا: اللہ کے رسول! کیا قیامت کے دن ہم اپنے رب کا دیدار کریں گے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جب فضا بالکل صاف ہو اور فضا میں کوئی بادل نہ ہو تو کیا تمہیں سورج کے دیکھنے میں کوئی مشکل پیش آتی ہے؟“ ہم نے عرض کیا کہ نہیں۔ تو آپ نے فرمایا: ”جس طرح صاف فضا میں تمہیں سورج اور چاند کو دیکھنے میں کچھ مشکل پیش نہیں آتی

اورتم اپنی اپنی جگہ ٹھہرے ہوئے بڑے آرام سے سورج اور چاندکو دیکھ لیتے ہو، اسی طرح قیامت کے دن ، اللہ تعالیٰ کو دیکھنے اور اس کا دیدار کرنے میں بھی تمہیں کچھ دقت پیش نہیں آئے گی۔‘‘

[**تحقیق و تخریج:** اسے امام بخاری نے ”الصحیح“ (٤٥٨١)، امام مسلم نے ”الصحیح“ (ح: ١٨٣)، امام احمد نے ”المسند“ (٣ / ١٦-١٧) اور حاکم نے ”المستدرک“ (٥٨٢/٤) میں روایت کیا ہے۔]

(١٨٠) علی بن زید، عمارہ القرشی سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے ہاں موجود تھے کہ اتنے میں ابو بردہ بن ابی موسیٰ اشعری تشریف لے آئے۔آپ نے ان کی حاجت برآری کردی۔ وہ باہر گئے اور پھر واپس پلٹ آئے تو عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے کہا: کیا آپ کو کوئی بات یاد آگئی؟ خیر تو ہے؟ کس لیے واپس آگئے؟ کیا آپ کی ضرورتیں پوری نہیں کر دی گئیں؟

ابو بردہ نے کہا: ضرورتیں تو پوری ہوگئیں اور کام بھی ہو گئے۔ لیکن مجھے ایک حدیث یاد آئی ہے جو ہم سے سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے بیان کی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سب لوگوں کو ایک میدان میں جمع فرمائے گا۔ پھر جب اسے منظور ہوگا کہ وہ اپنی مخلوق کے سامنے جلوہ افروز ہو تو ہر قوم کے لیے ان کے معبودوں کے پیچھے پیچھے چلتے ہوئے جہنم میں چلے جائیں گے اور ہم امت محمدیہ کے لوگ اپنی اسی جگہ پر کھڑے رہیں گے۔ اللہ فرمائے گا: تم کون لوگ ہو؟ ہم عرض کریں گے کہ ہم ’’مومنین‘‘ (اہل ایمان) ہیں۔ اللہ فرمائے گا: تم یہاں

کیوں کھڑے ہو؟ کس کا انتظار کر رہے ہو؟ ہم عرض کریں گے کہ ہم اپنے رب کے انتظار میں ہیں۔ اللہ کہے گا: تم اسے کیوں کر پہچانو گے کہ وہ تمہارا رب ہے؟ فرمائے گا : اگر تم اسے دیکھ لو تو کیا پہچان لو گے؟ لوگ عرض کریں گے کہ جی ہاں۔ اللہ فرمائے گا کہ تم نے تو اس سے پہلے اسے دیکھا ہی نہیں تو کس طرح پہچانو گے؟ لوگ عرض کریں گے کہ واقعی ہم نے قبل ازیں اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھا۔ تاہم ہم اسے پہچان لیں گے کیونکہ کوئی بھی چیز اور فرد اس جیسا نہیں ہے۔ یہ سن کر اللہ تعالیٰ مسکرا کر ان کے سامنے تجلی فرمائے گا اور کہے گا مسلمانو! تمہیں مبارک ہو، میں نے تم میں سے ہر ایک کی جہنم والی جگہ میں تمہارے عوض ایک ایک یہودی یا عیسائی کو بھیج دیا ہے۔'' حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے پوچھا: ابوبردہ! کیا آپ نے خود یہ حدیث سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے سماعت کی ہے؟ تو انہوں نے کہا: جی ہاں۔

[**تحقیق و تخریج:** اس کی سند ضعیف ہے۔ اسے امام احمد نے ''المسند'' (٤ / ٤٠٧-٤٠٨) میں روایت کیا ہے۔ علی بن زید ضعیف ہے۔ صحیح مسلم کی حدیث (٢٧٦٧) اور سابقہ احادیث اس سے بے نیاز کر دیتی ہیں۔]

(١٨١) حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الْحَنْظَلِيُّ، ثنا النَّضْرُ بْنُ شُمَيْلٍ، ثنا أَبُو نَعَامَةَ الْعَدَوِيُّ، قَالَ: ثنا أَبُو هُنَيْدَةَ الْبَرَاءُ بْنُ نَوْفَلٍ، عَنْ وَالِانَ الْعَدَوِيِّ، عَنْ حُذَيْفَةَ، عَنْ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ، رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ سے'' حدیث شفاعت'' بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔۔۔۔

اس کے بعد اسحاق حنظلی نے ساری حدیث بیان کی اور آخر میں فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز ہو جائیں گے اور اتنا طویل سجدہ کریں گے جیسے ایک جمعہ سے اگلے جمعہ تک کا وقت ہوتا ہے۔ آخر اللہ فرمائے گا: ''اے محمد! آپ سجدے سے سر اٹھائیں، اور جو کہنا چاہتے ہیں، عرض کریں، آپ کی بات سنی جائے گی۔ آپ جس کے حق میں سفارش کرنا چاہتے ہیں، سفارش کریں، آپ کی سفارش قبول کی جائے گی۔ اس کے بعد آپ اپنا سر سجدے سے اٹھائیں گے۔ پھر جب آپ اللہ تعالیٰ کی طرف دیکھیں گے تو دوبارہ اتنا ہی طویل سجدہ کریں گے۔''

[**تحقیق و تخریج:** حسن ہے۔ اسے امام احمد نے ''المسند'' (١/ ٤-٥)، ابن ابی عاصم نے ''السنة'' (ح: ٨١٢)، ابن حبان نے ''الصحیح'' (ح: ٦٤٧٦) اور ابن خزیمہ نے ''التوحید'' (ح: ٤٦٨ ٢/٧٣٥) میں روایت کیا ہے۔ اس کے شواہد بھی ہیں۔]

(۱۸۲) سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تم وفات پانے تک یعنی اپنی اس دنیاوی زندگی میں اپنے رب کا ہرگز دیدار نہیں کر سکتے۔''

[**تحقیق و تخریج:** حسن ہے۔ اسے امام احمد نے ''المسند'' (٣٢٤/٥)، طبرانی نے ''مسند الشامیین'' (ح: ١١٥٧)، نسائی نے ''السنن الکبریٰ'' (ح: ٧٧١٦) اور ابن ابی عاصم نے ''السنة'' (ح: ٤٢٨) میں روایت کیا ہے۔]

(۱۸۳) جناب علی بن الحسین رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ ایک صاحب علم نے انہیں خبر دی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے دن زمین کو اس طرح پھیلا دیا

جائے گا جس طرح اونٹ یا بیل کے چمڑے کو زمین پر پھیلا دیا جاتا ہے۔ سب سے پہلے مجھے بلایا جائے گا۔ میں اللہ کے حضور سجدہ ریز ہو جاؤں گا۔ (اور بہت طویل سجدہ کروں گا) یہاں تک کہ جب اللہ فرمائے گا تو میں سجدے سے سر اٹھاؤں گا میں اٹھوں گا تو دیکھوں گا کہ جبریل علیہ السلام اللہ رحمٰن کی داہنی جانب ہوں گے اس سے پہلے اللہ رحمٰن کو کسی نے بھی نہیں دیکھا ہوگا۔''

[تحقیق و تخریج: اس کی سند ضعیف ہے۔ اسے امام حاکم نے ''المستدرک'' (٤ / ٥٧٠-٥٧١) میں روایت کیا ہے۔ رجل میں اھل العلم سے مراد سیدنا جابر رضی اللہ عنہ ہیں جیسا کہ المستدرک میں ہے۔ امام زھری مدلس کا عنعنہ ہے۔]

(۱۸۴) ابونضرہ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بصرہ میں منبر پر کھڑے ہو کر خطبہ دیا اور کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو ایک دعا کرنے کا اختیار دیا (اور فرمایا کہ وہ کوئی سی ایک دعا کرے، میں اسے قبول کروں گا) تو ہر نبی نے دنیا ہی میں وہ دعا کر لی۔ اور میں نے اپنی دعا کو قیامت کے دن اپنی امت کے حق میں سفارش کرنے کے لیے باقی رکھی ہے۔ میں بطور فخر نہیں (بلکہ اللہ کے سامنے عجز و انکساری سے) کہتا ہوں کہ قیامت کے دن میں تمام اولادِ آدم کا سردار ہوں گا اور میں ہی سب سے پہلے قبر سے باہر آؤں گا۔ اور ''لواء الحمد'' یعنی اللہ کی حمد کا جھنڈا میرے ہاتھ میں ہوگا، میں اس پر فخر نہیں کرتا۔ آدم علیہ السلام اور ان کی ساری اولاد میرے جھنڈے کے نیچے ہوگی میں اس پر بھی فخر نہیں کرتا۔''

رسول اللہ ﷺ نے مزید فرمایا: ''اس دن کی طوالت لوگوں پر بہت زیادہ شاق گزرے گی، وہ ایک دوسرے سے کہیں گے کہ آؤ آدم علیہ السلام کی خدمت میں جائیں۔ وہ ابوالبشر یعنی تمام انسانوں کے باپ ہیں، تاکہ وہ ہمارے حق میں اللہ تعالیٰ سے سفارش کریں (اور حساب کتاب شروع کیا جائے)۔''

حدیث بیان کرتے ہوئے آگے چل کر فرمایا: ''میں جنت کے دروازے پر جا کر دروازے کے حلقے کو پکڑ کر دروازہ کھٹکھٹاؤں گا تو پوچھا جائے گا کہ آپ کون ہیں؟ میں بتلاؤں گا کہ میں ''محمد'' ﷺ ہوں۔ چنانچہ دروازہ کھول دیا جائے گا۔ پھر میں اپنے رب کے ہاں حاضری دوں گا۔ اس وقت وہ اپنی کرسی پر یا فرمایا تخت پر جلوہ افروز ہوگا، میرا رب میرے سامنے تجلی فرمائے گا اور میں (دوبارہ) اس کے سامنے سجدہ ریز ہو جاؤں گا۔''

[**تحقیق و تخریج:** اس کی سند ضعیف ہے۔ اسے امام ابویعلیٰ نے ''المسند'' (ح: ۲۳۲۸)، امام احمد نے ''المسند'' (۱ / ۲۸۱-۲۸۲) اور بیہقی نے ''شعب الإيمان'' (ح: ۱٤۰۸) میں روایت کیا ہے۔ علی بن زید ضعیف ہے۔ صحیح البخاری کی حدیث (۷۵۱۰) اور صحیح مسلم کی حدیث (۱۹۳-۱۹٤) اس سے بے نیاز کر دیتی ہے۔]

(۱۸۵) ابوالزبیر رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ میں سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے لوگوں کے جہنم کے اوپر درود کی بابت دریافت کیا تو انہوں نے مجھے بتلایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا ہے کہ قیامت کے دن ہم (اس امت کے لوگ) لوگوں سے بلند تر ایک ٹیلے پر ہوں گے پھر باری باری ساری امتوں کو ان کے بتوں کے ساتھ بلایا

جائے گا۔اس کے بعد ہمارا رب ہمارے پاس آئے گا اور کہے گا کہ تم کس کے انتظار میں ہو؟ لوگ کہیں گے کہ ہم اپنے رب کے انتظار میں ہیں۔ وہ کہے گا کہ میں ہی تمہارا رب ہوں۔لوگ کہیں گے کہ جب تک ہم اپنے رب کو اس کی علامات کے ساتھ نہ دیکھ لیں، آپ کو رب کیسے مان لیں۔اس کے بعد اللہ تعالیٰ ان کے سامنے مسکراتا ہوا تجلی فرمائے گا تو (لوگ اسے پہچان لیں گے اور) اس کے پیچھے چل پڑیں گے۔“

[**تحقیق و تخریج:** اسے امام مسلم نے ”الصحیح“ (ح: ۱۹۱)، احمد نے ”المسند“ (۳ / ۳۴۵-۳۴۶)، ابن مندہ نے ”الایمان“ (ح: ۸۵۱) اور دارقطنی نے ”الرؤیة“ (ح: ۴۹) میں روایت کیا ہے۔]

(۱۸۶) عمر بن عبداللہ، مولیٰ غفرہ کا بیان ہے کہ میں نے سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو فرماتے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جبریل علیہ السلام میرے پاس آئے۔ان کے ہاتھ میں ایک شفاف آئینہ سا تھا اور اس میں ایک سیاہ نقطہ تھا۔ میں نے پوچھا جبریل! یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا: یہ جمعہ (کا دن) ہے جسے آپ کے رب نے آپ کی طرف بھیجا ہے۔ یہ دن آپ کے لیے اور آپ کے بعد آپ کی امت کے لیے عید (خوشی) کا دن ہوگا، میں نے کہا: اس دن میں ہمارے لیے خوشی کی کون سی بات ہوگی؟ اس نے کہا: اس دن میں آپ کے لیے بہت زیادہ برکت ہوگی، آپ زمانے کے لحاظ سے تو سب سے آخر میں آئے ہیں، البتہ قیامت کے دن (فضیلت کے لحاظ سے) سب سے بڑھ کر ہوں گے۔اس دن میں ایسی ساعت (گھڑی) ہے کہ اس وقت کوئی بندہ نماز ادا کر رہا ہو اور وہ اس حال میں اللہ تعالیٰ سے جو بھی

دعا کرے گا، قبول ہوگی۔ میں (محمد ﷺ) نے دریافت کیا: اس میں یہ سیاہ نقطہ کیسا ہے؟ انہوں نے کہا کہ یہ جمعہ کے دن والی وہی ساعت ہے۔ یہ (جمعہ کا) دن تمام دنوں کا سردار ہے اور ہم (فرشتے) اس دن کو ''یوم المزید'' (یعنی پہلی نعمتوں کے ساتھ ساتھ مزید نعمت والا دن) کہتے ہیں۔ میں نے کہا: جبریل! اس ''مزید'' سے کیا مراد ہے؟

انہوں نے کہا: آپ کے رب نے جنت میں سفید کستوری سے بھرپور ایک وسیع و عریض وادی تیار کی ہے۔ آخرت کے ایام کے حساب سے جب جمعہ کا دن ہوگا تو اللہ تعالیٰ اپنے عرش سے اپنی کرسی کی طرف نازل فرمائے گا۔ کرسی کے اردگرد نورانی منبر ہوں گے ان منبروں پر انبیاء تشریف فرما ہوں گے۔ ان منبروں کے پیچھے طلائی کرسیاں لگائی گئی ہوں گی، جن پر صدیقین اور شہداء جلوہ افروز ہوں گے، ان کے پیچھے بالا خانوں والے جنتی آ کر کستوری کے ٹیلوں پر بیٹھے ہوں گے اور وہ کرسیوں اور منبروں پر بیٹھنے والوں کو زیادہ معزز و مکرم سمجھتے ہوئے خود کو کمتر محسوس نہیں کریں گے (یعنی وہاں کسی کو یہ احساس نہیں ہوگا کہ میری حیثیت کم تر اور دوسرا میری نسبت زیادہ فضیلت والا ہے) پھر اللہ تعالیٰ اپنی بات شروع کرتے ہوئے فرمائے گا: تم لوگ مجھ سے جو کچھ بھی مانگنا چاہتے ہو مانگ لو۔ وہ سب کہیں گے: یا اللہ! ہم سب صرف تیری رضا چاہتے ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ انہیں گواہ بنا کر کہے گا کہ میں تم سے راضی ہوں۔ اس کے بعد ہر آدمی اپنی اپنی خواہش کے مطابق مانگے گا، یہاں تک کہ ہر آدمی کی خواہش اور طلب پوری کر دی جائے گی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ ان

سب پر اپنی ایسی ایسی نعمتوں کی برکھا برسائے گا کہ ایسی نعمتیں آج تک کسی آنکھ نے دیکھی، نہ کسی کان نے سنی اور نہ کسی انسان کے وہم وگمان میں ہی وہ آئی ہوگی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کرسی سے واپس اپنے عرش پر چلا جائے گا اور بالا خانوں والے لوگ اپنے بالا خانوں کی طرف لوٹ جائیں گے۔ ان کے کمرے سفید، آب دار موتیوں سے، سبز زبرجد سے اور سرخ یاقوت سے تیار کیے گئے ہوں گے، ان میں سے کوئی بھی موتی توڑا ہوا یا عیب دار نہیں ہوگا، جنت میں نہریں عام بہتی ہوں گی، درختوں کے بے بہا پھل لٹک رہے ہوں گے۔ جنتوں میں ان کی بیویاں اور بے شمار خدمت گار اور رہائش کی وسیع وعریض جگہیں ہوں گی۔ اہل جنت جمعہ کے دن کا شدت سے انتظار کیا کریں گے تاکہ اس دن میں وہ اللہ کا مزید قرب اور اس کی مزید رضا سے فیض یاب ہوں۔''

[**تحقیق و تخرج:** اس کی سند ضعیف ہے۔ دیکھیے حدیث نمبر 144۔]

(۱۸۷) ابن شہاب زہری رحمہ اللہ، سالم رحمہ اللہ سے اور وہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے سامنے کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ کے شایانِ شان حمد وثنا کی۔ پھر (دوران گفتگو) دجال کا بھی تذکرہ کیا اور فرمایا: ''میں نہیں جانتا کہ تم اس کا زمانہ پاسکو گے یا نہیں؟ اللہ کے ہر نبی نے اپنی قوم کو اس کے شر سے ڈرایا ہے حتیٰ کہ نوح علیہ السلام نے بھی اپنی قوم کو اس کے فتنے سے ڈرایا اور آگاہ کیا۔ البتہ میں تمہیں اس کی ایک ایسی نشانی بتا رہا ہوں کہ کسی بھی نبی نے اپنی امت کو اس کی یہ نشانی نہیں بتلائی۔ یاد رکھو کہ وہ ایک آنکھ

سے کانا ہے اور اللہ تعالیٰ یک چشم نہیں۔‘‘

زہری رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ مجھے عمر بن ثابت انصاری نے خبر دی کہ انہیں صحابی نے بتلایا کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو دجال کے فتنے سے آگاہ کرتے ہوئے ڈرایا اور فرمایا: ’’اس کی آنکھوں کے درمیان ’’کافر‘‘ لکھا ہوگا جسے ہر وہ شخص پڑھے گا جو اس کے عمل کو ناپسند جانے گا۔‘‘ یا فرمایا: ’’ہر مومن اسے پڑھ لے گا۔‘‘ اور فرمایا: تم جانتے ہو کہ کوئی شخص مرنے سے پہلے اپنے رب کو نہیں دیکھ سکتا۔‘‘

[**تحقیق و تخریج:** اسے امام بخاری نے ’’الصحیح‘‘ (ح: ٣٠٥٧)، مسلم نے ’’الصحیح‘‘ (ح: ١٦٩)، ابوداؤد نے ’’السنن‘‘ (ح: ٤٧٥٧)، ترمذی نے ’’السنن‘‘ (ح: ٢٢٣٥)، ابن حبان نے ’’الصحیح‘‘ (ح: ٦٧٨٥)، احمد نے ’’المسند‘‘ (١٤٩/٢) اور عبدالرزاق نے ’’المصنف‘‘ (ح: ٢٠٨٢٠) میں روایت کیا ہے۔]

(١٨٨) عطاء بن سائب رحمہ اللہ اپنے والد سائب سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما نے اپنے ساتھیوں کو بہت ہی مختصر نماز پڑھائی۔ ان سے عرض کیا گیا کہ آج تو آپ نے بہت ہی مختصر نماز پڑھائی ہے۔ انہوں نے فرمایا: ہاں! آج میں نے نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہوئی ایک دعا پڑھی ہے۔ اتنی بات کہہ کر وہ اٹھ کر چل دیے۔ ایک آدمی ان کے پیچھے پیچھے گیا اور جا کر ان سے اس دعا کی بابت پوچھا کہ وہ کون سی دعا ہے؟ تو سیدنا عمار رضی اللہ عنہ لوگوں کے پاس واپس تشریف لائے اور وہ دعا بتائی، اس کے الفاظ درج ذیل ہیں:

«اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ بِعِلْمِكَ الْغَيْبَ، وَقُدْرَتِكَ عَلَى الْخَلْقِ، أَحْيِنِي مَا عَلِمْتَ الْحَيَاةَ خَيْرًا لِي، وَتَوَفَّنِي إِذَا كَانَتِ الْوَفَاةُ

خَيْرًا لِي، وَأَسْأَلُكَ خَشْيَتَكَ فِي الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ، وَأَسْأَلُكَ كَلِمَةَ الْحَقِّ فِي الْغَضَبِ وَالرِّضَا، وَأَسْأَلُكَ الْقَصْدَ فِي الْفَقْرِ وَالْغِنَى، وَأَسْأَلُكَ نَعِيمًا لَا يَنْفَدُ، وَأَسْأَلُكَ قُرَّةَ عَيْنٍ لَا تَنْقَطِعُ، وَأَسْأَلُكَ الرِّضَا بَعْدَ الْقَضَاءِ، وَأَسْأَلُكَ بَرْدَ الْعَيْشِ بَعْدَ الْمَوْتِ، وَأَسْأَلُكَ لَذَّةَ النَّظَرِ إِلَى وَجْهِكَ، وَأَسْأَلُكَ الشَّوْقَ إِلَى لِقَائِكَ، فِي غَيْرِ ضَرَّاءَ مُضِرَّةٍ، وَلَا فِتْنَةٍ مُضِلَّةٍ، اللَّهُمَّ زَيِّنَّا بِزِينَةِ الْإِيمَانِ، وَاجْعَلْنَا هُدَاةً مُهْتَدِينَ»

”یااللہ! میں تجھ سے تیرے علم غیب اور مخلوقات پر تیری قدرت و اختیار کے وسیلے سے دعا کرتا ہوں کہ جب تک میرے لیے زندہ رہنا بہتر ہو مجھے اس وقت تک زندہ رکھنا اور جب میرے لیے مر جانا بہتر ہو تو مجھے موت دے دینا اور میں تجھ سے دعا کرتا ہوں کہ خلوت وجلوت میں میں تجھ سے ڈر کر وقت گزاروں اور ناراضی وخوشی ہر حال میں میری زبان سے کلمہ حق ہی ادا ہو اور میں خوشحالی وتنگی ہر حال میں میانہ روی اختیار کیے رکھوں اور میں تجھ سے تیری ایسی نعمتوں کا سوال کرتا ہوں، جو دائمی ہوں اور ان کا سلسلہ کبھی منقطع نہ ہو اور میں تجھ سے ہر ایسی نعمت کا سوال کرتا ہوں، جس سے میری آنکھوں کو سرور نصیب ہو اور ان نعمتوں کا سلسلہ کبھی منقطع نہ ہو اور میں دعا کرتا ہوں کہ تو مجھے توفیق دے کہ میں تیرے ہر فیصلے پر راضی ہوں اور میں تجھ سے موت کے بعد آرام والی زندگی کی دعا کرتا ہوں کہ مجھے اپنی ملاقات کا شوق نصیب فرما اور

مجھے ہر نقصان پہنچانے والے ضرر یا گمراہ کن فتنے سے بھی محفوظ رکھ۔ یا اللہ! ہمیں ایمان کی زینت سے مزین فرما اور ہمیں ہدایت یافتہ بنا۔“

[**تحقیق و تخریج:** حسن ہے۔ اسے امام نسائی نے ”السنن“ (ح: ١٣٠٦)، احمد نے ”المسند“ (٢٦٤/٤)، حاکم نے ”المستدرک“ (١ / ٢٢٤-٢٢٥)، ابویعلیٰ نے ”المسند“ (ح: ١٦٢٤) اور ابن ابی شیبہ نے ”المصنف“ (ح: ٢٩٩٥٨) میں روایت کیا ہے۔]

(١٨٩) سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا میں تجھے اہل جنت میں سب سے کم درجے والے، یعنی سب سے آخر میں جنت میں داخل ہونے والے آدمی کے متعلق نہ بتلاؤں؟ اس کے بعد احمد بن یونس نے مکمل حدیث تفصیل سے بیان کی اور آخر میں کہا: جب سب لوگ اپنے اپنے حصے کی نعمتیں حاصل کر چکیں گے اور ہر ایک یہی تصور کرے گا کہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اسی پر سب سے زیادہ ہے تو اس کے بعد اللہ تعالیٰ اہل جنت کے سامنے جلوہ افروز ہوگا اور سب لوگ اللہ تعالیٰ کے چہرے کو دیکھیں گے۔ احمد بن یونس کہتے ہیں: میں نے اپنے شیخ ابوشہاب سے عرض کیا: جنت کے حوالے سے خالد بن دینار سے مروی حدیث کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوعاً ثابت ہے؟ تو انہوں نے کہا: ہاں۔

[**تحقیق و تخریج:** اس کی سند ضعیف ہے۔ اسے امام عبد بن حمید نے ”المسند“ (ح: ٨٥١) میں روایت کیا ہے۔ حماد بن جعفر کے حالات نہیں ملے۔]

(١٩٠) سعید بن نمران رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ آیت [لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا

الْحُسْنَىٰ وَزِيَادَةٌ][يونس: ٢٦] ''جنہوں نے نیکی کی ان کے لیے بہترین بدلہ ہوگا اور کچھ زیادہ ہوگا۔'' اس آیت کی تفسیر میں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: زیادہ سے مراد اللہ عزوجل کا دیدار ہے۔

[**تحقیق و تخریج:** اس کی سند ضعیف ہے۔ اسے امام ابن ابی عاصم نے ''السنة'' (ح: ٤٧٤) میں روایت کیا ہے۔ ابو اسحاق مدلس کا عنعنہ ہے۔ صحیح مسلم کی حدیث نمبر 181 اس سے بے نیاز کر دیتی ہے۔]

(۱۹۱) مسلم بن یزید رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ آیت [لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْحُسْنَىٰ وَزِيَادَةٌ][يونس: ٢٦] کی تفسیر میں سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ نے بھی فرمایا: اس سے اللہ عزوجل کے چہرے کی طرف دیکھنا مراد ہے۔

[**تحقیق و تخریج:** اس کی سند ضعیف ہے۔ اسے امام ھناد نے ''الزھد'' (ح: ١٧٠)، ابن ابی شیبہ نے ''المصنف'' (ح: ٣٥٩٥٢) میں روایت کیا ہے۔ ابو اسحاق مدلس کا عنعنہ ہے۔]

(۱۹۲) حماد بن زید رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ آیت [لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْحُسْنَىٰ وَزِيَادَةٌ][يونس: ٢٦] کی تفسیر میں عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ رحمہ اللہ نے فرمایا: ''الْحُسْنَىٰ'' سے مراد جنت اور ''زِيَادَةٌ'' سے مراد اللہ عزوجل کا دیدار ہے کہ اللہ تعالیٰ کی زیارت اور دیدار کے بعد اہل جنت کو روسیاہی اور ذلت کا سامنا نہیں ہوگا۔

[**تحقیق و تخریج:** صحیح ہے۔ اسے ابن خزیمہ نے ''التوحید'' (ح: ٢٦١-٢٦٢) میں روایت کیا ہے۔]

(۱۹۳) جویبر رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ: [لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْحُسْنَىٰ وَ

زِيَادَةٌ][يونس: ٢٦] کی تفسیر میں ضحاک رحمہ اللہ نے بھی یہی بیان کیا ہے کہ اس سے اللہ عزوجل کا دیدار اور زیارت مراد ہے۔

[**تحقیق و تخریج:** اس کی سند سخت ضعیف ہے۔ جویبر متروک ہے۔]

(۱۹۴) ابو اسحاق رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ [لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْحُسْنَى وَ زِيَادَةٌ][يونس: ٢٦] کی تفسیر میں عامر بن سعد رحمہ اللہ نے بھی یہی بیان کیا کہ اس سے اللہ عزوجل کی زیارت اور اس کا دیدار مراد ہے۔

[**تحقیق و تخریج:** صحیح ہے۔ اسے عبداللہ بن احمد نے "السنة" (ح: ٤٧٢)، ابن خزیمہ نے "التوحيد" (ح: ٢٦٥) میں روایت کیا ہے۔]

(۱۹۵) ابو تمیمہ الھجیمی رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس "الزيادة" سے اللہ عزوجل کی طرف دیکھنا اور اس کا دیدار کرنا مراد ہے۔

[**تحقیق و تخریج:** اس کی سند سخت ضعیف ہے۔ اسے امام ابن خزیمہ نے "التوحيد" (ح: ٢٦٧)، ھناد نے "الزهد" (ح: ١٦٩) اور اسحاق بن راھویہ نے "المسند" (ح: ١٤٣٠) میں روایت کیا ہے۔ ابوبکر الھذلی متروک ہے۔]

(۱۹۶) ابو مریہ رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ لوگ نئے مہینے کا چاند دیکھنے کی کوشش کر رہے تھے تو اس موقع پر سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس وقت کیا حال ہوگا جب تم لوگ اپنے رب کو اپنے سامنے (بلا مشقت) دیکھ رہے ہوگے۔

[**تحقیق و تخریج:** اس کی سند ضعیف ہے۔ اسے امام عبداللہ بن احمد نے "السنة" (ح: ٤٦٥) میں روایت کیا ہے۔ ابو مریہ کو صرف ابن حبان نے ثقہ کہا ہے۔]

(۱۹۷) عطاء بن سائب رحمہ اللہ اپنے والد سائب رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما اپنی دعا میں یہ دعا بھی کیا کرتے تھے: ''اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ لَذَّةَ النَّظَرِ إِلَى وَجْهِكَ، وَشَوْقًا إِلَى لِقَائِكَ'' ''یا اللہ! میں تجھ سے دعا کرتا ہوں کہ تو مجھے اپنے چہرے کے دیدار کی لذت عطا فرما اور میں دعا کرتا ہوں کہ مجھے اپنی ملاقات (زیارت اور دیدار) کا شوق نصیب فرمایا۔''

[**تحقیق و تخریج:** حسن ہے۔ دیکھیے حدیث نمبر 188۔]

(۱۹۸) سیدنا انس رضی اللہ عنہ قرآن مجید کی آیت کریمہ [وَلَدَيْنَا مَزِيدٌ] [ق: ۳۵] اور ہمارے پاس مزید بھی ہے۔'' کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جنت میں ہر جمعہ کے دن اللہ تعالیٰ اہل جنت کے سامنے ظہور کیا کرے گا۔

[**تحقیق و تخریج:** اس کی سند ضعیف ہے۔ شیخ من اھل البغداد مجھول ہے۔ المعجم الکبیر للطبرانی کی حدیث (۲۰۸٤ وسنده حسن) اس سے بے نیاز کر دیتی ہے۔]

(۱۹۹) ضحاک کہتے ہیں کہ ملائکہ جب اللہ تعالیٰ کی تحمید و تقدیس اور ثناء کرتے ہیں تو ان کے لیے اللہ تعالیٰ کے دیدار سے بڑھ کر کوئی چیز زیادہ خوش کن نہیں ہوتی۔

[**تحقیق و تخریج:** اس کی سند سخت ضعیف ہے۔ جویبر متروک ہے۔]

(۲۰۰) یزید نحوی رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ قرآن مجید کی آیت کریمہ [وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَاضِرَةٌ] [القيامة: ۲۳] ''کچھ چہرے اس (قیامت کے) دن تروتازہ اور بارونق ہوں گے جو اپنے رب کا دیدار کریں گے۔'' کچھ چہرے اس (قیامت کے)

دن تروتازہ اور بارونق ہوں گے جو اپنے رب کا دیدار کریں گے۔" اس آیت کی تفسیر میں جناب عکرمہ نے فرمایا کہ وہ لوگ اپنے رب کو دیکھیں گے۔

[**تحقیق و تخریج:** حسن ہے۔]

(۲۰۱) جناب کعب کا بیان ہے کہ اللہ عزوجل جب بھی جنت کی طرف دیکھے گا تو اسے حکم دے گا کہ تو اہل جنت کے لیے مزید خوش نما ہو جا تو وہ پہلے سے بھی زیادہ بارونق ہو جائے گی اور اہل جنت کے لیے دنیا میں سب سے زیادہ جو دن خوشی والا تھا وہ جنت کے باغوں میں اس سے کہیں زیادہ خوش باش ہوں گے۔ اللہ کریم ان کے سامنے تجلی فرمائے گا اور وہ اس کا دیدار کریں گے۔ ان پر جنت کی خوشبودار، کستوری والی ہوا چل کر انہیں مزید تروتازہ اور خوش تر کر دے گی۔ وہ اللہ تعالیٰ سے جو کچھ بھی طلب کریں گے، اللہ تعالیٰ انہیں اس سے نواز دے گا۔ اللہ تعالیٰ کے دیدار اور زیارت کے بعد وہ پہلے سے ستر گنا زیادہ حسین و جمیل ہو کر اپنے اہل کے پاس لوٹیں گے۔

[**تحقیق و تخریج:** اس کی سند ضعیف ہے۔ یزید بن ابی زیاد ضعیف ہے۔]

(۲۰۲) ابراہیم بن اسماعیل بن ابی حبیبہ انصاری کا بیان ہے کہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے لشکروں کے امیر کے نام خط لکھا تو اس میں یہ بھی تحریر تھا کہ اما بعد! میں آپ کو اللہ تعالیٰ کے تقویٰ اور اس کی اطاعت کرنے کی وصیت (تاکید) کرتا ہوں اور اس بات کی بھی تاکید کرتا ہوں کہ تم اللہ تعالیٰ کے اوامر کی پابندی کرتے رہو اور اللہ تعالیٰ نے دین جیسی جو امانت آپ کے حوالے کی ہے، اس کی مکمل حفاظت کرو اور اس

نے اپنی کتاب (قرآن) کی جس حفاظت کا آپ سے مطالبہ کیا ہے، اسے بھی اچھی طرح پورا کرتے رہو۔ یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ کا تقویٰ ہی ایسی بابرکت چیز ہے جس کے سبب اس کے ولی اس کی ناراضی سے محفوظ رہتے ہیں اوراسی کی بدولت ان کی ولایت بحال رہتی ہے اوراسی کے ذریعے سے وہ (اولیاء) انبیائے کرام کی موافقت پاتے ہیں اوراسی کی برکت سے ان کے چہروں کی تازگی ہے اوراسی کی وجہ سے وہ اپنے خالق کے دیداروزیارت سے سرفراز ہوں گے۔

[**تحقیق و تخریج:** اس کی سند ضعیف ہے۔ ابراهیم بن اسماعیل بن ابی حبیبہ ضعیف ہے۔]

(۲۰۳) ابوسعید رحمہ اللہ (مصنف کتاب ہذا) فرماتے ہیں کہ مذکورہ بالاتمام احادیث اوران کے علاوہ بھی بہت سی احادیث، جوتعداد میں ان سے کہیں زیادہ ہیں، یہ سب احادیث اللہ تعالیٰ کی رؤیت کی تصدیق اوراس پر ایمان لانے کی دلیل ہیں۔ ہم نے اپنے اصحاب علم وبصیرت مشائخ اوراساتذہ کو دیکھا، سنا اورقدیم زمانے ہی سے اہل اسلام ان احادیث کوروایت کرتے اوران پر ایمان رکھتے چلے آرہے ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی ان احادیث کا نہ توانکارکرتا ہے اورنہ ان پر حیرانی یا تعجب کا اظہار کرتا ہے، بلکہ کج رولوگوں میں سے جولوگ رؤیت باری تعالیٰ یعنی دیدارالٰہی کاانکارکریں، وہ انہیں گمراہ قرار دیتے آئے ہیں۔ تمام اہل علم وبصیرت کی سب سے بڑی تمنااوراللہ کے ہاں سب سے زیادہ ثواب وہ اس بات کوسمجھتے ہیں کہ انہیں آخرت میں اپنے خالق کی زیارت اوردیدارنصیب ہوجائے۔ یہاں تک کہ وہ جنت

کی کسی بھی نعمت کو اس سے زیادہ افضل نہیں سمجھتے۔

(۲۰۴) اللہ تعالیٰ کی صفات کے منکرین جو اہل علم کی اصطلاح میں ''معطلہ'' کہلاتے ہیں۔ میری ان میں سے بعض کے ساتھ گفتگو ہوئی تو میں نے اسے مذکورہ بالا ان احادیث میں سے بعض احادیث سنائیں، وہ بظاہر موصوف بعلم الحدیث تھا اور بزعم خویش علم حدیث سے واقف ہونے کا دعویدار بھی تھا۔ اس نے میری زبان سے احادیث سن کر ان میں سے بعض کا صاف انکار کر دیا اور بڑے سخت و درشت انداز میں ان احادیث کو ردّ کر دیا۔

(۲۰۵) میں نے اس سے کہا کہ اس مسئلے (رؤیت و دیدار الٰہی) کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی احادیث، ان کے بعد اہل علم کے اقوال صحیح اسانید کے ساتھ ثابت ہیں۔ اور اللہ کی کتاب قرآن مجید، رسول اللہ ﷺ کی احادیث اور اجماع امت سب جمع ہو جائیں تو ان کے بالمقابل کسی تاویل کرنے والے کی تاویل کی کوئی گنجائش نہیں رہ جاتی۔ البتہ کوئی سرکش اور نصوص کو تسلیم کرنے سے انکاری ہو تو اس کا کوئی علاج نہیں۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے صاف فرمایا ہے: [وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَاضِرَةٌ، إِلَى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ][القيامة: ٢٣] ''کہ قیامت کے دن بہت سے چہرے بارونق ہوں گے جو اپنے رب کا دیدار کریں گے۔'' نیز اللہ نے فرمایا: [كَلَّا إِنَّهُمْ عَنْ رَبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَمَحْجُوبُونَ][المطففين: ١٥] ''خبردار! اس روز کافروں کو اللہ تعالیٰ کے دیدار سے محروم رکھا جائے گا۔'' کافروں کے لیے اللہ تعالیٰ کے دیدار سے محرومی کا ذکر اس لیے

ہوا ہے۔ کہ اہل ایمان کو یہ سعادت نصیب ہو گی اور انہیں اس سے محروم نہیں رکھا جائے گا۔ اگر آپ لوگوں کے مؤقف کے مطابق کفار کی طرح اہل ایمان بھی اللہ کا دیدار نہیں کریں گے تو اس آیت میں کفار کو توبیخ کا کیا معنی رہ جاتا ہے؟ کیونکہ آپ کے بقول نہ کفار اللہ تعالیٰ کا دیدار کریں گے اور نہ اہل ایمان۔

(۲۰۶) باقی رہی احادیث رسول ﷺ ۔۔۔۔تو آپ ﷺ نے بہت سی احادیث میں فرمایا ہے کہ لوگو! تمہیں جس طرح صاف فضا میں شمس وقمر کو دیکھنے میں کوئی مشقت پیش نہیں آتی اسی طرح تم اللہ تعالیٰ کی زیارت بلا مشقت کرو گے۔ پھر ہم نے کتاب وسنت کے ساتھ ساتھ صحابہ کرام اور تابعین عظام کے اقوال بھی اس حوالے سے ذکر کیے ہیں۔ تو کیا اس کے مقابلے میں آپ لوگوں کے پاس کوئی آیت ،کوئی حدیث یا اجماع امت سے کوئی دلیل ہے، جس سے اہل جنت کے لیے دیدار الٰہی کا ردّ ہوتا ہو؟

تو اس نے سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی وہ حدیث پیش کی جس میں نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: ''نُورٌ، أَنَّى أَرَاهُ؟'' کہ اللہ تو نور ہے میں اسے کہاں دیکھ سکتا ہوں؟

تو میں (مصنف) نے اس کے جواب میں عرض کیا کہ اس حدیث کا تعلق دنیا سے ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس دنیا میں اور دنیوی زندگی میں کوئی نہیں دیکھ سکتا۔

میری پیش کردہ احادیث اور آپ کی ذکر کردہ حدیث، یہ دونوں رسول اللہ ﷺ کے ارشادات ہیں۔ اور ان دونوں قسم کی احادیث کی تفسیر اور مفہوم خوب واضح ہے۔

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا ارشاد ہے کہ جو آدمی یہ دعویٰ کرے کہ محمد ﷺ نے

اپنے رب عزوجل کو دیکھا اور اس کا دیدار کیا ہے، اس نے یہ کہہ کر اللہ تعالیٰ پر بہت بڑا جھوٹ باندھا اور ساتھ ہی انہوں نے یہ آیت تلاوت فرمائی: [لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ] [الأنعام: ١٠٣] ''انسانی آنکھیں اس (اللہ) کا ادراک نہیں کرسکتیں۔ البتہ وہ تمام آنکھوں کا ادراک رکھتا ہے اور وہ نہایت باریک بین اور باخبر ہے۔''

یہ حدیث: حَدَّثَنَاهُ عَمْرُو بِنُ عَوْنٍ، عَنْ هُشَيْمٍ، عَنْ دَاوُدَ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنْ مَسْرُوقٍ، عَنْ عَائِشَةَ سے روایت کی ہے۔

[**تحقیق و تخریج:** اسے امام بخاری نے ''الصحیح'' (ح: ٤٨٥٥)، مسلم نے ''الصحیح'' (ح: ١٧٧)، ترمذی نے ''السنن'' (ح: ٣٠٦٨)، احمد نے ''المسند'' (٦/٥٠)، اسحاق بن راھویہ نے ''المسند'' (ح: ١٤٢٦) اور ابن مندہ نے ''الایمان'' (ح: ٧٦٧) میں روایت کیا ہے۔]

(٢٠٧) ابوسعید رحمہ اللہ (مصنف کتاب ہذا) کہتے ہیں: اور ساری امت بھی یہی کہتی ہے کہ اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کو آج تک نہ تو کسی نے دیکھا ہے اور نہ ہی کوئی اسے دیکھ سکتا ہے۔ البتہ آخرت میں اہل جنت کے لیے اللہ تعالیٰ کے دیدار سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں ہوگی اور حسرت ہے ان لوگوں پر جو اس نعمت اور اعزاز سے محروم ہیں ۔ (یعنی کفار) اور کیا آپ لوگوں کو اس بات پر تعجب ہے کہ ایک وقت تھا جب صرف ایک اللہ تعالیٰ کی ذات تھی اور اس کی مخلوقات میں سے کچھ بھی موجود نہ تھا۔ اس کے بعد (ایک وقت آیا کہ) اس نے مخلوقات کو پیدا کیا اور پھر وہ آسمانوں سے اوپر عرش

کے اوپر مستوی ہوا۔ اور وہ اپنی مخلوقات سے نور اور ظلمت کے پردوں کے پیچھے محجوب ہو گیا۔ جیسا کہ احادیث میں اس کا تفصیل سے بیان ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی طرف اپنے رسول بھیجے وہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی مقدس صفات کے ساتھ اس کا تعارف کراتے تھے۔ اس میں لوگوں کے ایمان کی آزمائش تھی کہ لوگوں میں سے کون لوگ ہیں جو اسے بن دیکھے اس پر ایمان لاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اسی لیے جزا دے گا کہ وہ اسے دیکھے بغیر اس پر ایمان لائے۔ کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے سامنے ظاہر ہو جائے اور دنیا ہی میں وہ ان کے سامنے تجلی کرے تو پھر ایمان بالغیب کا کوئی معنی نہیں رہ جاتا۔ اور پھر ایسی صورت میں کوئی بھی کافر (اللہ کا انکار کرنے والا) نہ ہوتا اور نہ ہی کوئی آدمی اس کی نافرمانی کرتا۔

لیکن اللہ تعالیٰ اس دنیا میں لوگوں سے محتجب (محجوب و پوشیدہ) ہے اور اس نے اسے دیکھے بغیر اپنے اوپر ایمان لانے، اپنی معرفت و پہچان اور اپنی ربوبیت کا اقرار کرنے کا مکلّف کیا ہے تاکہ جو لوگ سعادت مند ہیں وہ اس پر ایمان لے آئیں اور نہ ماننے والوں کے لیے اللہ کا عذاب مقرر ٹھہرے۔ اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کے سامنے ظاہر باہر ہو کر جلوہ افروز ہو جاتا تو سب لوگ رسولوں، کتابوں اور دین کے داعیوں کی دعوت کے بغیر ہی اس پر ایمان لے آتے اور ایک لحظہ کے لیے بھی اس کی نافرمانی نہ کرتے۔ البتہ جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ تعالیٰ اپنے اوپر ایمان لے آنے والوں، رسولوں اور اپنی کتابوں کی تصدیق کرنے والوں، اس کی رؤیت (دیدار و زیارت) پر ایمان رکھنے والوں اور اللہ نے اپنے آپ کو جن صفات سے متصف قرار دیا ہے، ان صفات

کا اقرار کرنے والوں کے سامنے صاف طور پر ظہور فرمائے گا۔ یہاں تک کہ وہ اسے خوب اچھی طرح دیکھیں گے اور اس کا دیدار کریں گے۔ یہ ان لوگوں کے لیے اللہ کی طرف سے ثواب (جزاء) اور اکرام کا باعث ہوگا وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھے بغیر ایمان لانے کے نتیجے میں مزید انعام کے حق دار ٹھہریں گے اور اب اس کا دیدار کرکے ان کی فرحت میں کہیں زیادہ اضافہ ہوگا اور وہ دنیا میں اور پھر آخرت میں اس کے دیدار اور زیارت سے محروم نہیں رہیں گے یعنی دنیا میں تو وہ اس کا دیدار نہ کر سکے اب البتہ جنت میں وہ اس سعادت وفضیلت سے بہرہ مند ہوں گے۔

ان کے برعکس کفار جس طرح دنیا میں اللہ تعالیٰ کے دیدار سے محروم رہے، وہ آخرت میں بھی ان سے محروم رہیں گے تا کہ ان کی حسرت وہلاکت میں مزید اضافہ ہو۔

(۲۰۸) رؤیت باری تعالیٰ کا انکار کرنے والے ایک آدمی نے اپنے موقف پر اس واقعہ سے استدلال کیا ہے کہ جب سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے سامنے اظہار کیا کہ یا اللہ! میں آپ کا دیدار کرنا چاہتا ہوں تو اللہ نے فرمایا: [لَنْ تَرَانِي، وَلَكِنِ انْظُرْ إِلَى الْجَبَلِ، فَإِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهُ فَسَوْفَ تَرَانِي] [الأعراف: ١٤٣] ''آپ مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے۔ ہاں ذرا اس پہاڑ کی طرف دیکھیں۔ اگر وہ اپنی حالت پر قائم رہ گیا تو آپ مجھے دیکھ سکیں گے۔''

اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ یہ آیت تمہارے مفید مطلب نہیں بلکہ تمہارے مقابلے میں ہمارے موقف کی تائید ہے کیونکہ اللہ نے فرمایا کہ [لَنْ تَرَانِي] آپ

مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے۔ اس سے اس دنیا میں دیکھنا مراد ہے۔ کیونکہ جب یہ مکالمہ ہو رہا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام کی آنکھ ان آنکھوں میں سے تھی جن پر اس دنیا میں فنا قائم ہونے والی تھی۔ اس سے آخرت والی اور باقی رہنے والی آنکھ مراد نہیں۔ کیونکہ قیامت بپا ہونے کے بعد انسانوں کو جو آنکھیں اور کان وغیرہ دیے جائیں گے وہ فنا ہونے والے نہیں بلکہ باقی رہنے والے اور دائمی اعضاء ہوں گے۔ اس وقت کی آنکھیں اللہ عزوجل کا دیدار کرنے کی متحمل ہوں گی۔

ذرا یہ بھی دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: [فَإِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهُ فَسَوْفَ تَرَانِي] [الأعراف: ١٤٣] کہ اگر یہ پہاڑ اپنی حالت پر قائم رہا تو آپ مجھے دیکھ سکیں گے۔ پس اگر اللہ چاہتا تو پہاڑ اپنی حالت پر قائم رہتا اور موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا دیدار کر سکتے۔

لیکن اللہ تعالیٰ کا فیصلہ تھا کہ اس دنیا میں کوئی اسے نہیں دیکھ سکتا۔ اس لیے فرمایا ''لن ترانی'' کہ اے موسیٰ! آپ مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے۔

البتہ آخرت میں اللہ تعالیٰ مخلوقات کو نئے سرے سے پیدا کر کے ان کو ایسے نئے کان اور نئی آنکھیں عطا کرے گا جو فنا اور ختم نہیں ہوں گی بلکہ دائمی اور باقی رہنے والی ہوں گی۔

پھر اللہ تعالیٰ کے پیارے اور محبوب لوگ ان آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کا دیدار کریں گے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی صراحت فرمائی ہے۔

(٢٠٩) رؤیت باری تعالیٰ کا انکار کرنے والوں میں سے بعض نے کہا کہ ہم

ان احادیث کوتسلیم ہی نہیں کرتے جن میں دیدار الٰہی کا اثبات ہے۔

تو میں نے کہا: واقعی بات ایسے ہی ہے۔ آپ لوگ تو اللہ تعالیٰ کی کتاب کو بھی تسلیم نہیں کرتے۔ کیا خیال ہے اگر آپ ان احادیث کو تسلیم نہیں کرتے اور اسلاف سے ان احادیث کے مروی اور منقول ہونے میں آپ کو شک ہے اور آپ کو یہ بات تسلیم نہیں کہ یہ احادیث عرصے سے اہل علم اور فقہاء پڑھتے پڑھاتے ہیں، کیا آپ ان باتوں کو نہیں مانتے؟ تو اس نے کہا: بالکل، ہم تو ان احادیث کو نہیں مانتے۔

تو ہم نے کہا کہ تمہارا یہی اقرار تمہارے خلاف ہونے کے حوالے سے کافی ہے۔ اور تمہاری یہی بات ہمارے اس دعویٰ کی حجت ہے کہ یہ احادیث اسلاف سے منقول اور مشہور ہیں۔ جنہیں اہل علم اور فقہاء پڑھتے پڑھاتے آئے ہیں۔ تم ذرا ان اہل علم سے کوئی ایسی بات تو پیش کرو جو تمہارے دعویٰ کے حق میں حجت بن سکے۔ تم اسلاف سے ایسی کوئی بات پیش کر ہی نہیں سکتے۔

اور تم یقیناً جانتے ہو کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سنتوں، احکام اور فیصلوں کا علم انہی احادیث اور اسانید سے حاصل ہوتا ہے۔ اگرچہ ان کی صحت میں کچھ اختلاف بھی ہے۔

اور یہی احادیث اس مسئلے کو جاننے کا ذریعہ ہیں۔ اور اہل اسلام اسی منہاج پر قائم ہیں۔ اور دین کے حوالے سے اہل اسلام و ایمان کے سامنے کتاب اللہ کے بعد انہی احادیث کا مقام ہے۔ وہ انہی احادیث سے علم حاصل کرتے، انہی کے مطابق فیصلہ کرتے، انہی کے ساتھ اپنے معاملات کو سیدھا کرتے اور انہی پر اعتماد کرتے اور انہی

احادیث پر عمل کر کے اپنی زندگی کو مزین کرتے ہیں اور بعد میں آنے والے اپنے اسلاف سے، انھی احادیث کے وارث ہیں اور جو آدمی براہ راست ان احادیث کو سنتا ہے، وہ انہیں بعد والے ان لوگوں تک پہنچاتا ہے جو پہلی مجلس حدیث میں حاضر نہ تھا، وہ ان احادیث سے حجت پکڑتے، استدلال کرتے اور جنہوں نے اسلاف سے ان احادیث کو نہیں سنا، ان تک ان کو پہنچا کر اللہ تعالیٰ سے اجر و ثواب کی امید رکھتے ہیں اور وہ ان احادیث کو سنن (سنت کی جمع)، آثار (اثر کی جمع) فقہ اور علم کے ناموں سے موسوم کرتے ہیں۔

اور احادیث کا علم حاصل کرنے کے لیے زمین کے شرق وغرب (یعنی طول و عرض) کو چھانتے ہیں اور وہ ان احادیث کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے حلال کردہ اور حرام کردہ امور کی معرفت حاصل کرتے ہیں اور وہ ان احادیث کے ذریعے حق و باطل اور سنن وبدعات میں امتیاز کرتے ہیں اور ان احادیث سے قرآن کریم کی تفسیر، اس کے معانی اور احکام پر استدلال کرتے اور راہِ راست سے بھٹکے ہوئے لوگوں کی ضلالت و گمراہی کا پتہ چلاتے ہیں جو کوئی بھی ان احادیث سے اعراض کرتا ہے وہ آثارِ سلف اور ان کے منہج سے منہ موڑنے والا ہے اور وہ سلف کی مخالفت کر کے اپنی نفسانی خواہشات کو دین قرار دے کر اپنی رائے سے کتاب اللہ کی تاویل کر کے ایسا مفہوم اخذ کرتا ہے، جس کا اللہ تعالیٰ نے ارادہ نہیں کیا ہوتا۔

(۲۱۰) اگر تم لوگ صحیح معنوں میں مومن اور اہل ایمان کے اسلاف کے منہج پر چلنے والے ہو تو اسلاف کے آثار (ان کی بیان کردہ احادیث اور ان کے تفسیری

ووضاحتی اقوال) سے علم اور رہنمائی حاصل کرو اور ہدایت کی جگہوں سے علم حاصل کرو ان کے آثار سے رہنمائی لینے پر مطمئن رہو جیسا کہ ان اسلاف نے بھی ان احادیث کو اپنے پیش نظر رکھا۔ مجھے قسم ہے! کتاب اللہ کو سمجھنے کے حوالے سے تم لوگ نہ تو اسلاف سے زیادہ علم رکھتے ہو اور نہ تم علم میں ان کے برابر ہو۔

یہ احادیث جس طرح یعنی جن الفاظ وعبارات ومفاہیم کے ساتھ مروی ہیں، ان کی اسی طرح اتباع کیے بغیر اسلاف کی اقتداء نہیں کی جاسکتی۔ جو شخص ان احادیث کو تسلیم نہیں کرتا، وہ اہل ایمان کے طریقے کو چھوڑ کر کسی دوسرے راستے کا راہی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: [وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّى وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا][النساء: ١١٥] (اور جو کوئی راہِ ہدایت واضح ہوجانے کے باوجود رسول کی مخالفت پر کمر بستہ ہو اور اہل ایمان کی روش چھوڑ کر کسی دوسری روش کو اختیار کرے تو وہ جدھر جانا چاہتا ہے، ہم اسے ادھر ہی جانے دیتے ہیں اور بالآخر اسے جہنم میں جھونک دیتے ہیں جو بری جگہ ہے۔''

(٢١١) اس کے جواب میں ان کے ایک قائل نے کہا کہ ہم تو ایسی بات کہتے ہیں جو آسانی سے عقل میں آنے والی ہے۔تو ہم نے کہا کہ یہیں سے تو آپ راہ راست سے بھٹک گئے ہیں۔اور گمراہی کے ایسے اندھیرے میں جا پڑے ہیں جہاں سے نکلنا تمہارے لیے ممکن ہی نہیں۔ کیونکہ معقول یعنی عقل میں آنے والی بات وہ نہیں جسے سب لوگوں کے ہاں حدود سے موصوف کیا جاسکے اور اسی پر اکتفا کیا جائے ۔اگر بات ایسی ہی ہوتی تو اس میں سب لوگوں کے لیے راحت ہوتی اور ہم بھی یہی

بات کہتے ہیں اور اپنی بات کی طرف ہم رجوع نہ کرتے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:
[كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ] [المؤمنون: ٥٣] ''ہر گروہ کے لوگ اسی پر خوش ہیں جو ان کے پاس ہے۔''

اس سے معلوم ہوا کہ ہر گروہ جو عقیدہ رکھتا ہے، اس کے نزدیک وہی معقول یعنی عقل کے مطابق ہے اور جو بات بھی اس کے برعکس ہے وہ اسے مجھول یعنی غیر معقول اور نادرست سمجھتے ہیں تو اے گروہِ جہمیہ! معقول کی تعریف کرنے میں تمہارے اپنے اقوال بھی مختلف ہیں۔ تم میں سے ہر گروہ اپنی بات کو معقول اور دوسرے کی بات کو مجھول یعنی غلط قرار دیتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ ہمارے، تمہارے اور تمام لوگوں کی نظر میں معقول کی تعریف مختلف ہے اور ہم سب لوگ معقول کی کوئی ایسی تعریف نہیں کر سکتے جس پر سب کا اتفاق ہو تو ہم سمجھتے ہیں کہ معقولات کو سمجھنے کے لیے بہترین طریقہ یہ ہے کہ ہم اس سلسلے میں رسول اللہ ﷺ کے قول کی طرف اور صحابہ کرام کے ایسے اقوال کی طرف رجوع کریں جو ان کے ہاں معروف تھے، کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں اور ان کے سامنے رسول اللہ ﷺ پر وحی نازل ہوتی رہتی تھی تو ہماری اور تمہاری نسبت وہی وحی کے صحیح مفہوم کو بہتر جانتے ہیں۔ دین کی بنیادی باتوں کے حوالے سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سب متفق تھے اور ان کے مابین کچھ بھی اختلاف نہیں تھا۔ ان میں بدعات اور راہ راست سے ہٹے ہوئے خیالات رائج نہیں ہوتے تھے۔

(٢١٢) ہمارے نزدیک ہر وہ بات معقول ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے راستے اور فہم کے مواقف ہو اور جو بات ان کے نظریات و خیالات کے خلاف ہو ہم اسے

مجھول یعنی غلط اور خلاف عقل سمجھتے ہیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے موقف سے واقف ہونے کا واحد ذریعہ یہی آثار (احادیث واقوال صحابہ) ہیں اور صورت حال یہ ہے کہ تم لوگ احادیث واقوالِ صحابہ سے نہ صرف لاتعلق رہتے ہو بلکہ ان کا کھلم کھلا انکار کرتے ہو۔ تمہیں ہدایت کیونکر نصیب ہوسکتی ہے؟

(۲۱۳) قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: [وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَاضِرَةٌ، إِلَىٰ رَبِّهَا نَاظِرَةٌ] [القيامة: ٢٣] ''بہت سے لوگوں کے چہرے اس دن بارونق ہوں گے اور اپنے رب کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوں گے۔''

اس کی تفسیر میں مجاہد رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید رکھتے ہوں گے تو جہمیہ کے حامل عقیدے کے ایک آدمی نے کہا کہ دیکھیں اس تفسیر میں مجاہد رحمہ اللہ نے رؤیت باری تعالیٰ کی تاویل (یعنی انکار) کیا ہے۔

(۲۱۴) اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ واقعی ہم اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید رکھتے ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کے چہرہ اقدس کے دیدار وزیارت سے بڑھ کر کون سا ثواب ہوسکتا ہے۔ یعنی مجاہد رحمہ اللہ کے اس تفسیری قول میں اللہ کی زیارت و دیدار کا انکار نہیں بلکہ اثبات ہی ہے۔

(۲۱۵) اگر تمہیں مجاہد رحمہ اللہ کی اس حدیث یعنی ان کے قول پر ہی اصرار ہے اور تم باقی احادیث وآثار کو تسلیم کرنے سے انکاری ہو تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ تم لوگ حق سے اعراض کرنے والے اور باطل کی پیروی کرنے والے ہو۔ کیونکہ مجاہد رحمہ اللہ کی تفسیر سے تم لوگوں نے جو معنی ومفہوم اخذ کیا ہے اگر وہ صحیح ہو تو تمہارا یہ موقف

نا قابل قبول ہے کیونکہ اس مفہوم کے برعکس بہت سے آثار ہیں جو رسول اللہ ﷺ سے صحابہ کرام وتابعین عظام سے صحیح اسانید سے ثابت ہیں اور تم ان احادیث وآثار کو نہ تو تسلیم کرتے ہو اور نہ ان سے حجت پکڑتے ہو۔ تم صحیح احادیث وآثار کو ترک کر کے مجاہد رحمہ اللہ کے قول کو قابل حجت سمجھتے ہو اس سے بھی تم وہ مفہوم اخذ کرتے ہو جو درست نہیں اور تم احادیث وآثار کو محض اس لیے ردّ کرتے ہو کہ وہ تمہارے مذہب وموقف کے خلاف ہیں۔ جبکہ درست بات یہ ہے کہ جب تم نے مجاہد رحمہ اللہ کے قول کو تسلیم کر لیا حالانکہ تم نے ان کی یہ بات براہِ راست ان سے سنی ہی نہیں بلکہ کسی سند کے ساتھ ان کا یہ قول تم لوگوں تک پہنچا ہے تو اب تم پر لازم ہو جاتا ہے کہ تم رسول اللہ ﷺ کی احادیث اور صحابہ وتابعین عظام کے آثار کو لازمی طور پر قبول کرو وہ تو انتہائی صحیح ترین اسانید کے ساتھ مروی ہیں۔ تو یہ کیسے مناسب ہے کہ تم ان احادیث وآثار صحابہ وتابعین کے مقابلے میں اکیلے مجاہد رحمہ اللہ کے مشبہ (غیر واضح) قول کو اپنے او پر لازم کر کے اس کے مطابق عقیدہ رکھو۔ تمہارا یہ انداز حق کے انکار اور اس سے فرار کا انداز ہے۔

(۲۱۶) اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جو آدمی راہِ حق سے اعراض کرتا اور منہ موڑتا ہے وہ علماء کے شاذ اقوال کی پیروی کرتا ہے اور ان کی لغزشوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر ان پر عمل پیرا ہوتا ہے اور ان کے برعکس جو آدمی خلوص سے راہِ حق کا متلاشی ہوتا ہے وہ اہل علم کے شاذ نہیں بلکہ مشہور قول کی پیروی کرتا ہے اور جمہور یعنی اہل علم کی اکثریت والا موقف اختیار کرتا ہے۔ یہ دو ایسے واضح انداز ہیں جن سے پتہ چل جاتا

ہے کہ انسان راہِ حق کا راہی ہے یا بدعت کو اختیار کرنے والا ہے؟

باب: ۱۱

اللہ تبارک وتعالیٰ کی صفت علم کا بیان

(۲۱۷) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”اللہ تعالیٰ اپنی مخلوقات کے تمام امور کے بارے میں سب کچھ پہلے سے جانتا ہے اور تمام مخلوقات کے سارے معاملات اسی علم کے گرد گھومتے ہیں۔“

[تحقیق و تخریج: صحیح ہے۔]

(۲۱۸) عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا: ”(اللہ کا قلم) اللہ عزوجل کے علم والی ہر چیز کو لکھ کر خشک ہو چکا ہے۔ (یعنی لکھ کر فارغ ہو چکا ہے)۔“

[تحقیق و تخریج: صحیح ہے۔ اسے امام ترمذی نے ”السنن“ (ح: ٢٦٤٢)۔ احمد نے ”المسند“ (١٧٦/٢)۔ حاکم نے ”المستدرک“ (٣٠/١)۔ ابن ابی عاصم نے ”السنة“ (ح: ٢٤١) اور بیہقی نے ”السنن الکبریٰ“ (ح: ١٧١٠) میں روایت کیا ہے۔]

(۲۱۹) ابو سعید (مصنف) کہتے ہیں: جہمیہ کا یہ گروہ اللہ تعالیٰ کی صفات کا انکار کرنے میں اس حد تک پہنچ چکا ہے تو کل کلاں ہم دیکھیں گے کہ لوگ اللہ تعالیٰ کی مزید صفات کا بھی انکار کریں گے حتیٰ کہ وہ مخلوق کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے سبقت علم کو بھی نہیں مانیں گے اور وہ اس پر ایمان نہیں رکھیں گے کہ مخلوق کے عمل کرنے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ ان کے اعمال سے واقف اور انہیں جانتا ہے۔

(۲۲۰) وہ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ ہم یہ نہیں کہتے کہ اللہ تعالیٰ عرش کے اوپر

ہوتے ہوئے زمین کے تمام معاملات کو جانتا ہے۔ ان کے زعم میں اللہ کے علم سے اللہ کی ذات ہی مراد ہے اور ان کے زعم کے مطابق اللہ تعالیٰ (ذاتی طور پر) ہر جگہ موجود ہے۔ ان کے نزدیک اللہ کا علم ایسا نہیں جس کے ذریعے وہ کچھ جانتا ہے، یا اس کی قوت سمع (کان) ایسا نہیں جس کے ذریعے وہ سنتا ہو، یا اس کی قوت بصر (آنکھ) ایسی نہیں جس سے وہ دیکھتا ہو، بلکہ ان کے زعم میں اس کی سماعت، بصارت اور علم سب ایک ہی ہے۔ ان کے نزدیک اللہ کی سماعت، بصارت سے، یا بصارت، سماعت سے، یا اس کا علم اس کی بصارت سے الگ یا مختلف نہیں۔ ان کے عقیدے کے مطابق وہ اللہ سارے کا سارا ہی سماعت، بصارت اور علم ہے اور وہ سارے کا سارا ہر جگہ پر ہے۔ اگر اسے علم ہے تو وہ سارا ہی علم کی وجہ سے جانتا ہے۔ اگر وہ سنتا ہے تو وہ سارا ہی سنتا ہے اور اگر دیکھتا ہے تو وہ سارا ہی دیکھتا ہے۔

(۲۲۱) وہ (جہمیہ) سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا علم دیکھنے اور مشاہدے کی مانند ہے۔ جب تک کوئی امر وجود میں نہ آ جائے، اللہ کو اس کا علم نہیں ہوتا اور جب کوئی چیز وجود میں آ جاتی ہے تب اسے اس کے ہو جانے کا علم ہوتا ہے۔ اس کے وجود میں آنے سے پہلے اسے اس کا کچھ علم نہیں ہوتا اور جب کوئی چیز وجود میں آ جاتی ہے، اللہ اس چیز کے پاس ہوتا ہے اور وہ چیز اللہ کے پاس ہوتی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اس چیز کا ارادہ کرے تو ان لوگوں کے عقیدے کے مطابق اللہ تعالیٰ اپنی جگہ ہی سے اس چیز کا ارادہ کرے تو ان لوگوں کے عقیدے کے مطابق اللہ تعالیٰ اپنی جگہ ہی سے اس چیز کی راہنمائی کرتا ہے۔ ان لوگوں کے نزدیک اللہ کے علم کا ہر چیز کو احاطہ کرنے کا یہی معنی

ہے۔اس کا یہ مطلب قطعاً نہیں کہ کسی چیز کے وجود میں آنے سے پہلے اللہ اسے جانتا ہوتا ہے۔ اللہ رب العالمین ، برکتوں والا ہے اور یہ (گمراہ) لوگ اس کے بارے میں جو کچھ کہتے ہیں، وہ ان باتوں سے یکسر پاک ہے۔

(۲۲۲) ان کے اس عقیدے میں اللہ کی کتاب (قرآن مجید) کا رد اور اس کی آیات کا انکار ہے اور ان کا یہ عقیدہ انہیں زندقہ (بے دینی وگمراہی) کی طرف لے جاتا ہے۔ یہاں وجود میں آنے سے قبل اللہ کو ان کے معلوم ہونے کا عقیدہ نہیں رکھتے، اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اس کا آخرت پر بھی ایمان نہ ہو۔ وہ قیامت، مر جانے کے بعد دوبارہ زندہ ہو کر اٹھنے اور ثواب وعقاب پر بھی ایمان نہیں رکھتے۔ کیونکہ اللہ پر ایمان رکھنے والے لوگ اللہ کے بتلانے کی بنا پر ایمان رکھتے ہیں کہ قیامت برحق ہے اور اس کے آنے میں کوئی شک نہیں اور اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ کر کے قبروں سے نکالے گا اور قیامت کے دن وہ اپنے بندوں کا محاسبہ کرے گا اور اچھے لوگوں کو ان کے اعمال کی جزا اور بدکاروں کو ان کے برے اعمال کی سزا دے گا۔

(۲۲۳) ان کے عقیدے کی روشنی میں اگر اللہ تعالیٰ کسی چیز کے وجود میں آنے سے پہلے اسے نہیں جانتا تو ان کے مطابق اللہ تعالیٰ کو قیامت کا، مردوں کے زندہ ہونے اور اٹھنے کا علم کیسے ہوگا کیونکہ قیامت تو ابھی تک قائم ہی نہیں ہوئی اور وہ تو مخلوقات کے فنا ہونے اور دنیا کے ختم ہونے کے بعد ہی قائم ہوگی۔

(۲۲۴) اگر وہ لوگ اس بات کا اقرار کریں کہ اللہ تعالیٰ کو قیامت کے بپا

ہونے، مردوں کے زندہ ہوکر اٹھنے اور بندوں کے حساب کتاب کا ان امور کے وجود میں آنے سے پہلے ہی علم ہے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ وہ ان کے علاوہ باقی امور کے متعلق بھی یہ عقیدہ رکھیں کہ اللہ تعالیٰ کو ہر امر کے وجود میں آنے سے بہت پہلے اس کا علم ہے اور اگر وہ لوگ قیامت، مردوں کے اٹھنے اور حساب کتاب کے سوا باقی امور کے اللہ تعالیٰ کے علم میں ہونے کا انکار کریں تو انہیں ان کے علم کا بھی انکار کرنا ہوگا کیونکہ قیامت کا اور باقی امور کا علم اللہ کے لیے برابر ہے۔ اس کے علم میں کمی بیشی نہیں ہوسکتی۔ جو کوئی ان علوم میں سے کسی ایک پر ایمان نہ رکھتا ہو، وہ باقی چیزوں کے علم کا بھی انکاری ہوگا۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے کامل علم پر ایمان نہیں رکھتے، ہماری مذکورہ بات ان کے موقف کے جھٹلانے کے لیے واضح ترین دلیل ہے۔

(۲۲۵) یاد رکھو کہ مخلوقات کو پیدا کرنے سے بھی بہت پہلے اللہ تعالیٰ اپنی مخلوقات اور ان کے اعمال سے بخوبی واقف ہے۔ مخلوقات اور ان کے اعمال وامور کے وجود میں آنے کے بعد اللہ تعالیٰ کے علم میں ذرہ بھر بھی اضافہ نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کو اسی انداز سے پیدا کیا ہے جیسا وہ ان کو پیدا کرنے اور وجود میں لانے سے پہلے پیدا کرنا چاہتا تھا۔ علم کی ابتداء اسی سے ہوئی ہے اور اس نے مخلوق کو وہ کچھ سکھلایا ہے جو وہ نہیں جانتے تھے۔ جیسا کہ اس نے فرمایا ہے:

[عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ]

”اللہ نے انسان کو وہ کچھ سکھایا جو نہیں جانتا تھا۔“

[العلق: ٥]

نیز اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا:

[إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً، قَالُوا (۱۳۳) أَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ، وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ، قَالَ إِنِّي أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ]

''بے شک میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔فرشتوں نے کہا: کیا تو زمین میں ایسا خلیفہ بنائے گا جو زمین میں فساد بپا کرے گا اورخون ریزی کرے گا حالانکہ ہم تیری حمد کے ساتھ تیری تسبیح بیان کرتے ہیں اور تیری پاکیزگی بیان کرتے ہیں، اللہ نے فرمایا: جو کچھ میں جانتا ہوں،تم نہیں جانتے ہو۔''

[البقرة: ٣٠]

اس آیت کی تفسیر میں امام مجاہد رحمہ اللہ نے جو تفسیر کی ہے، وہ ہم تک یوں پہنچی ہے، انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ ابلیس کے متعلق جانتا تھا کہ وہ اس کے نتیجے میں اس کی معصیت کرے گا اور اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو اسی (معصیت و نافرمانی) کے لیے پیدا کیا۔

(۲۲۶) مجاہد کی یہ تفسیر ہم نے نعیم بن حماد نے، ان کو ابن المبارک نے، ان کو ابن جریج نے مجاہد سے بیان کی۔

[**تحقیق و تخریج:** اس کی سند ضعیف ہے۔ابن جریج مدلس کا عنعنہ ہے۔اس کے دیگر طرق میں بھی ضعف ہے۔]

(۲۲۷) ابوسعید (مصنف) کہتے ہیں: مجھے اپنی زندگی کے مالک کی قسم! انسانوں کی خون ریزی اور فساد والی بات فرشتوں نے اپنی طرف سے بطور غیب نہیں کہی تھی بلکہ اللہ علام الغیوب نے یہ بات کہنے سے پہلے ہی ان کو سمجھا دی۔ اسی لیے انہوں نے قبل از وقت ہی انسان کی فطرت کی معرفت کا دعویٰ کیا تھا۔

(۲۲۸) نیز اللہ نے فرمایا:

[وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلَائِكَةِ فَقَالَ أَنْبِئُونِي بِأَسْمَاءِ هَؤُلَاءِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ قَالُوا سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا إِنَّكَ أَنْتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ قَالَ يَا آدَمُ أَنْبِئْهُمْ بِأَسْمَائِهِمْ فَلَمَّا أَنْبَأَهُمْ بِأَسْمَائِهِمْ قَالَ أَلَمْ أَقُلْ لَكُمْ إِنِّي أَعْلَمُ غَيْبَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَأَعْلَمُ مَا تَبْدُونَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُونَ . فَأَخْبَرَ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى أَنَّهُ هُوَ الَّذِي عَلَّمَ آدَمَ وَالْمَلَائِكَةَ الْعِلْمَ، مِنْ غَيْرِ أَنْ يَعْلَمُوا شَيْئًا مِنْهُ، وَأَقَرَّتِ الْمَلَائِكَةُ بِذَلِكَ، وَرَدَتِ الْعِلْمَ كُلَّهُ إِلَى مَنْ بَدَأَ مِنْهُ، فَقَالُوا: لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا، إِنَّكَ أَنْتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ]

”اور اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو سارے نام سکھلا دیئے پھر اس نے وہ تمام چیزیں فرشتوں کے سامنے پیش کر کے کہا: تم مجھے ان چیزوں کے نام بتلاؤ۔ اگر تم اپنی بات میں سچے ہو۔ انہوں نے کہا: تو (ہر نقص سے) پاک ہے ہمیں تو صرف اتنا ہی علم ہے جو تو نے ہمیں سکھلا دیا۔ بے شک تو ہی خوب علم والا

اورخوب حکمت والا ہے۔ (تب) اللہ نے کہا کہ اے آدم! تو انہیں ان تمام چیزوں کے نام بتلا دے۔ پھر جب آدم نے فرشتوں کو ان تمام چیزوں کے نام بتلا دیئے تو اللہ نے کہا: کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں ہی آسمانوں اورزمین کی چھپی ہوئی چیزوں کو جانتا ہوں اور میں وہ سب جانتا ہوں جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو چھپاتے ہو۔“

[البقرة: ٣٢]

تو اللہ تعالیٰ نے بتلایا کہ اسی نے آدم علیہ السلام کو اور فرشتوں کو علم عطا کیا۔ وہ اپنے طور پر کچھ بھی نہیں جانتے تھے۔ فرشتوں نے بھی اس بات کا اقرار واعتراف کیا اور انہوں نے اپنے علم کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرتے ہوئے صاف طور پر اعتراف کیا کہ [لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا][البقرة: ٣٢] ”ہمیں صرف اتنا علم ہے جو تو نے ہمیں سکھلا دیا، بے شک تو ہی خوب علم والا، خوب حکمت والا ہے۔“

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اتنا ہی علم دیا جتنا علم دینے کو وہ اس سے پہلے جانتا تھا (کہ ان کو اتنا ہی علم دینا ہے)

(٢٢٩) نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: [وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا (١٣٤) حَكِيمًا] [النساء: ١٧] ”اور اللہ تعالیٰ خوب علم والا، خوب حکمت والا ہے۔“

نیز فرمایا: [عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ هُوَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ][الحشر: ٢٢] ”وہی پوشیدہ اور ظاہر چیز کو جاننے والا ہے، وہی رحمان، رحیم ہے۔“

نیز فرمایا: [أَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا][الطلاق: ١٢] ”وہ علم کے حوالے سے ہر

چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔''

نیز فرمایا:[يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ][البقرة: ٧٧]''لوگ جو کچھ چھپاتے ہیں اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں وہ سب جانتا ہے۔''

[يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُونَ] [الأنعام: ٣]

''وہ تمہاری پوشیدہ اور ظاہر (ہر) بات کو جانتا ہے اور تم جو کچھ کرتے ہو، اس سے بھی بخوبی واقف ہے۔''

[يَعْلَمُ السِّرَّ وَأَخْفَى] [طه: ٧]

''وہ پوشیدہ اور پوشیدہ تر کو بھی جانتا ہے۔'' یعنی وہ ان باتوں کو بھی جانتا ہے جو انسان کے وہم وگمان بھی ابھی تک نہیں آئی ہیں۔

[يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْأَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُورُ] [غافر: ١٩]

''وہ آنکھوں کی خیانتوں (گناہوں) اور دلوں کے بھیدوں تک کو جانتا ہے۔''

ان تمام آیات میں اللہ نے خبر دی ہے کہ وہ ہر چیز کا ہر ایک سے پہلے علم رکھتا ہے اور اسی سے علم کا آغاز ہوتا ہے۔

اللہ نے فرمایا ہے:[وَمَنْ عِنْدَهُ عِلْمُ الْكِتَابِ] [الرعد: ٤٣]''اور وہ آدمی بھی میرے اور تمہارے درمیان گواہ ہے جس کے پاس کتاب کا علم ہے۔''

نیز فرمایا:[فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ] [آل عمران: ٦١]''پس جو کوئی آپ سے عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں الجھے، بعد اس کے کہ آپ کے پاس علم آ گیا۔'' یعنی آپ کے پاس اللہ کی طرف سے قرآن کا علم آ گیا۔

پھر اللہ نے یہ بھی بتلایا ہے کہ لوگوں کے عمل کرنے سے بھی پہلے اللہ کو ان کا علم ہوتا ہے، فرمایا:

[أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَهَهُ هَوَاهُ وَأَضَلَّهُ اللَّهُ عَلَى عِلْمٍ وَخَتَمَ عَلَى سَمْعِهِ وَقَلْبِهِ وَجَعَلَ عَلَى بَصَرِهِ غِشَاوَةً] [الجاثية: ٢٣]

''تو کیا آپ نے اس آدمی کو دیکھا جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنالیا اور اللہ نے اس کے علم کے باوجود اسے بے راہ کر دیا اور اس کے کان اور دل پر مہر لگادی اور اس کی آنکھ پر پردہ کر دیا۔''

نیز فرمایا: [عَالِمُ الْغَيْبِ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمَوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ وَلَا أَصْغَرُ مِنْ ذَلِكَ وَلَا أَكْبَرُ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ] [سبا:٣] ''وہ غیب کا عالم ہے۔ آسمانوں اور زمین میں ذرہ بھر کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں رہتی، نہ اس سے کوئی چھوٹی یا بڑی چیز بلکہ ہر چیز لوح محفوظ میں درج ہے۔''

نیز فرمایا: [تَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِي وَلَا أَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِكَ إِنَّكَ أَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ] [المائدة: ١١٦] ''تو جانتا ہے جو میرے دل میں ہے اور میں نہیں جانتا جو تیرے نفس میں ہے۔ بے شک تو ہی غیبوں کا جاننے والا ہے۔''

[عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ سَتَذْكُرُونَهُنَّ] [البقرة: ٢٣٥]

''اللہ جانتا ہے تم ان عورتوں کا ضرور ذکر کرو گے۔''

[عَلِمَ أَنْ سَيَكُونَ مِنْكُمْ مَرْضَى وَآخَرُونَ يَضْرِبُونَ فِي الْأَرْضِ يَبْتَغُونَ مِنْ فَضْلِ اللَّهِ] [المزمل: ٢٠]

''اللہ جانتا ہے کہ یقیناً تم میں سے کچھ لوگ مریض ہوں گے اور کچھ زمین میں سفر کرتے ہوئے اللہ کا فضل (یعنی رزق) تلاش کریں گے۔''

یہ اور ان جیسی بہت سی آیات ہیں۔ اگر اس قدر کثیر آیات نہ بھی ہوتیں بلکہ اس مفہوم پر دلالت کرنے والا ایک ہی لفظ ہوتا تو وہی پختہ دلیل کے طور پر کافی تھا اور یہاں تو فی الواقع قرآن کی بے شمار نصوص موجود ہیں جن کی تفسیر و وضاحت کرنے کی ضرورت ہی نہیں اور ان نصوص ودلائل کو عوام وخواص سب جانتے ہیں اور ان سے واقف ہیں۔

(۲۳۰) امت اسلامیہ شروع سے اسی عقیدے کی حامل رہی ہے تا آنکہ مسلمانوں کی صفوں میں اس گمراہ فرقے کا ظہور ہوا۔ انہوں نے اللہ کے بارے میں نازیبا باتیں کہنا شروع کر دیں اور اللہ تعالیٰ کو برا بھلا کہنے لگے۔ ان لوگوں نے اللہ کی طرف بے علمی و جہالت کا انتساب کیا اور اللہ تعالیٰ جن صفات کے ذریعے پہچانا جاتا ہے، انہوں نے ایک ایک کر کے اس کی ہر صفت کا انکار کر دیا۔ یہاں تک کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ازلی علم تک کا انکار کر دیا۔ اس کے علاوہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے سمع وبصر وغیرہ کی بھی نفی کر دی اور ایسا قرار دیا کہ گویا وہ کچھ ہے ہی نہیں۔ بالآخر انہوں نے یہاں تک بھی کہہ دیا کہ جو اللہ ہر جگہ موجود ہے، اس کے سوا ہم کسی دوسرے الٰہ کو جانتے تک نہیں۔ جب کوئی چیز ناپید ہو جاتی ہے تو اس کی جگہ پر اللہ ہوتا ہے۔ ہم نے جب ان کی بیان کردہ صفات واوصاف سے متصف معبود پر غور کیا تو ہمیں معبود (کے ہر جگہ ہونے) کی یہ صفت ہوا کے سوا کسی بھی دوسری چیز میں نظر نہیں

آئی۔صرف ہوا ہی ہے جو ہر چیز کے ساتھ اور ہر چیز کے اندر موجود ہو سکتی ہے۔ جو آدمی ان لوگوں کے (بیان کردہ) معبود کی عبادت کرنا چاہتا ہوں تو وہ (الٰہ حقیقی کی نہیں بلکہ) غیر اللہ کی عبادت کرے گا۔ گویا درحقیقت کوئی ان کا معبود ہی نہیں اور دراصل یہ لوگ اللہ کے وجود کے اقراری نہیں بلکہ انکاری ہیں۔

(۲۳۱) لوگو! تم اپنے آپ کو، اپنے اہل وعیال اور اولاد کو ان لوگوں سے دور رکھو، مبادا کہ وہ تمہیں کسی فتنے (گمراہی) میں مبتلا کردیں۔ یا تمہارے سینوں میں ایسے مغالطے اور گمراہیوں کی تخم ریزی کردیں جن کی وجہ سے تمہارے بے علم (عام) لوگ راہ راست سے بھٹک جائیں۔اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

[يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ، عَلَيْهَا مَلَائِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ، لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ، وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ]

''اے ایمان والو! تم اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو اس آگ سے بچا لو جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں۔جس پر تندمزاج اور سخت گیر قسم کے فرشتے (داروغے کے طور پر) مقرر ہیں، وہ ایسے ہیں کہ اللہ انہیں جو حکم دے، وہ اس کی حکم عدولی نہیں کرتے اور انہیں جو حکم دیا جاتا ہے اسے پورا کرتے ہیں۔''

[التحريم: ٦]

(۲۳۲) ہم نے ان (جہمیہ اور گم راہ لوگوں) کے جن عقائد کا ذکر کیا ہے اگر

ان میں سے کوئی بات تسلیم نہ کرے اور انکار کرے تو ان کی بات کبھی نہ مانیں۔ ان کا اصل دین یہی ہے (جو ہم نے بیان کیا ہے) جسے یہ لوگ اپنے سینوں میں چھپائے ہوئے ہیں۔ ان باتوں کا انکار کرنے والا یا تو ڈر کے مارے اپنے آپ کو لوگوں کے سامنے ظاہر نہیں کرتا، یا اپنے مذہب کی حقیقت سے واقف نہیں ہے۔ ہم نے ان کے جو عقائد بیان کیے ہیں ان کے بعض سرکردہ لوگوں نے ہمارے سامنے ان کا اقرار و اعتراف کیا ہے اور انہوں نے ان گمراہ کن عقائد کا اپنے بعض بڑوں کی طرف انتساب کیا ہے۔ ان کی اس تاویل و گمراہی کا اور یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی صفت علم کمال کا جو انکار کرتے ہیں، ہم اس کا اللہ ہی شکوہ کرتے ہیں۔

(۲۳۳) اللہ کی قسم! فرشتے بنی آدم کے وجود میں آنے اور ان کے پیدا کیے جانے سے پہلے اللہ کے دیے ہوئے علم کی بنا پر جانتے تھے کہ انسان پیدا ہونے کے بعد ایسے ایسے کام کریں گے جب فرشتے یہ سب جانتے تھے تو ان کو پیدا کرنے والا اللہ جس نے ان کو یہ علم دیا، کیا وہ نہیں جانتا؟ فرشتوں نے کہا تھا: [أَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ] [البقرة: ٣٠] ''کیا تو زمین میں ایسی مخلوق کو پیدا کرے گا جو زمین میں فساد اور خون ریزی کرے گی۔'' تو اس نے کہا: [إِنِّي أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ] [البقرة: ٣٠] ''جو کچھ میں جانتا ہوں، تم نہیں جانتے ہو۔''

(۲۳۴) امت محمدیہ کو پیدا کیے جانے سے بھی بہت پہلے اللہ تعالیٰ نے تورات و انجیل میں ان صفات کا تذکرہ فرمایا ہے یہ اس کے علم کے کامل ہونے کی دلیل ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کو اشیاء کے وجود میں آنے سے پہلے ان کے متعلق علم نہیں تو

اس نے توراتوانجیل میں کیونکرامت محمدیہ کےاوصاف بیان کردیے۔اللہ نے فرمایا ہے:

[مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ، وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ، تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا، سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ مِنْ أَثَرِ السُّجُودِ، ذَلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ، وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ]

’’محمداللہ کےرسول ہیں اور جولوگ ان کےساتھ ہیں (یعنی صحابہ کرام)وہ کفار کےمقابلے میں بڑے سخت اور آپس میں انتہائی مہربان ہیں۔آپ انہیں دیکھیں گے کہ وہ رکوع اور سجدے کی حالت میں اللہ تعالیٰ کافضل اوراس کی رضامندی تلاش کرتے ہیں۔ ان کی علامت یہ ہوگی کہ ان چہروں پرسجدوں کےنشان ہوں گےان کی یہ صفت تورات اورانجیل (دونوں کتابوں)ذکرکی جاچکی ہے۔‘‘

[الفتح: ۲۹]

نیز اللہ نے فرمایاہے:

[فَسَأَكْتُبُهَا لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَالَّذِينَ هُمْ بِآيَاتِنَا يُؤْمِنُونَ، الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ، يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ، وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ

الْخَبَائِثَ، وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ، فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنْزِلَ مَعَهُ أُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ]

”میں (اللہ) عنقریب (اس رحمت کو) ان لوگوں کے لیے لکھ دوں گا جو اللہ کا تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور ہماری آیات پر ایمان رکھتے ہیں، جو اس رسول کا اتباع کرتے ہیں جو نبی امی (دنیا میں کسی سے پڑھا ہوا نہیں) ہے، وہ نبی جس کا تذکرہ یہ لوگ اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔ وہ نبی انہیں اچھائی کا حکم دیتا اور برے کام سے روکتا ہے۔ پاکیزہ چیزوں کو ان کے لیے حلال اور ناپاک چیزوں کو ان کے لیے حرام قرار دیتا ہے اور ان پر (قبل ازیں) جو بوجھ اور طوق (یعنی سخت احکام) تھے انہیں ان سے اتارتا ہے۔ تو جو لوگ اس رسول پر ایمان لائے، اس کی مدد کی اور اس نور کی پیروی کی جو اس کے ساتھ نازل کیا گیا (یعنی قرآن مجید)، یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔“

[الأعراف: ١٥٧]

چنانچہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کی جو صفات تورات وانجیل میں بیان کی ہیں۔ یہ لوگ ان سے نہ تو بڑھ کر ہیں اور نہ کم تر۔ بلکہ وہ ان صفات کا پورا پورا مصداق ہیں اور اللہ نے ان کی یہ صفات ان کے وجود میں آنے اور پیدا کیے جانے سے پہلے بیان کر دی تھیں۔

نیز اللہ نے فرمایا:

[وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ]

''اور ہم نے زبور میں نصیحت کے بعد یہ لکھ دیا تھا کہ میرے نیک بندے اس زمین پر اس کے وارث ہوں گے۔''

[الأنبياء: ١٠٥]

یہ بات اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے زمین کے وارث بننے سے پہلے اپنے علم کی بنیاد پر لکھ دی تھی۔

نیز اللہ نے فرمایا:

[وَقَضَيْنَا إِلَى بَنِي إِسْرَائِيلَ فِي الْكِتَابِ لَتُفْسِدُنَّ فِي الْأَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيرًا]

''اور ہم نے تورات میں بنی اسرائیل کی طرف یہ قطعی فیصلہ نازل کر دیا تھا کہ تم یقیناً زمین میں دوبار فساد کرو گے اور تم ضرور بہت زیادہ سرکشی کرو گے۔''

[الإسراء: ٤]

اللہ نے اپنے علم کی بنیاد پر یہ فرمایا کہ ضرور زمین میں فساد کرو گے حالانکہ انہوں نے ابھی یہ کام کیا بھی نہیں تھا۔

(۲۳۵) قرآنی لفظ ''قَضَيْنَا'' کی تفسیر میں امام مجاہد رحمہ اللہ نے کہا کہ اس کا معنی ہے ہم نے قطعی فیصلہ کر دیا تھا۔ یہ تفسیر ہمیں نعیم بن حماد نے ابن المبارک سے،

انھوں نے ابن جریج اور انھوں نے مجاہد سے روایت کی ہے۔

[تحقیق و تخریج: اس کی سند ضعیف ہے۔ابن جریج مدلس کا عنعنہ ہے۔]

(۲۳۶) نیز اللہ نے فرمایا ہے:

[إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِنَّا الْحُسْنَى أُولَئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ]

"بے شک وہ لوگ جن کی طرف ہماری نعمت سبقت کرگئی وہ لوگ اس (جہنم) سے دور کیے جائیں گے۔"

[الأنبياء: ١٠١]

ان کے حق میں اللہ تعالیٰ کا یہ فیصلہ اس کے علم کی بنیاد پر ان لوگوں کی تخلیق سے بہت پہلے ہو چکا ہے۔ان کے متعلق اللہ تعالیٰ کا جو علم ہے۔ یہ لوگ اس سے قطعاً تجاوز نہیں کریں گے۔

نیز اللہ نے فرمایا ہے:

[وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ، إِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُورُونَ، وَإِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغَالِبُونَ]

"اور ہمارا اپنے رسولوں کے بارے میں پہلے سے یہ فیصلہ صادر ہو چکا ہے کہ یقیناً ان کی نصرت کی جائے گی اور ہمارا ہی لشکر غلبہ پائے گا۔"

[الصافات: ١٧٢]

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے عمل بجالانے سے بہت پہلے اپنے علم کی بنیاد پر ان کے اعمال کے بارے میں خبر دی، چنانچہ فرمایا:

[وَأُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ ثُمَّ يَمَسُّهُم مِّنَّا عَذَابٌ أَلِيمٌ]

''اور کچھ جماعتیں ایسی ہوں گی جنہیں ہم عنقریب فائدہ دیں گے پھر انہیں ہماری طرف سے دردناک عذاب پہنچے گا۔''

[هود: ٤٨]

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کی بنیاد پر بیان کیا ہے کہ ہم ان لوگوں کو پہلے کچھ فائدے پہنچائیں گے پھر انہیں دردناک عذاب سے دوچار کریں گے۔ حالانکہ وہ لوگ ابھی پیدا بھی نہیں ہوئے تھے اور نہ انہوں نے کچھ عمل ہی کیا تھا۔

نیز فرمایا: [وَآخَرِينَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوا بِهِمْ] [الجمعة: ٣] ''اور ان لوگوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو ابھی تک ان (اہل ایمان) سے نہیں ملے۔''

اس آیت کی تفسیر کے حوالے سے بعض تفاسیر میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض عجمی قوموں اور افراد کے متعلق بیان کیا ہے کہ وہ اسلام میں داخل ہو کر پہلے لوگوں کے ساتھ مل جائیں گے۔ حالانکہ ابھی تک وہ لوگ اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے ازلی علم کی بنیاد پر ان کے متعلق یہ خبر پہلے دے دی تھی۔

[**تحقیق و تخریج:** مثلاً صحیح بخاری حدیث نمبر 4897۔]

(۲۳۷) اسی طرح جب اہل اسلام نے بدر کے مشرک قیدیوں سے فدیہ لیا تو اللہ تعالیٰ نے اس حوالے سے فرمایا:

[لَوْلَا كِتَابٌ مِّنَ اللَّهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيمَا أَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ] [الأنفال: ٦٨]

’’اگر اللہ تعالیٰ کا (ازل میں) یہ فیصلہ نہ ہوتا تو تم نے جو فدیہ (مشرکین سے) لیا اس کی وجہ سے تمہیں بہت بڑا عذاب آ پہنچتا۔‘‘

یعنی اللہ نے فرمایا کہ اگر اللہ کے علم میں اہل بدر کی سعادت نہ ہوتی تو فدیہ لینے کی وجہ سے سخت عذاب سے دوچار ہوتے۔ یہ اللہ کا علم تھا جس کی وجہ سے اہل بدر فدیہ نہ لینے پر قادر نہ ہوئے۔ وہ اگرچہ اسے نہ لینا چاہتے تب بھی یہ ہونا تھا ہی تھا۔

نیز اللہ نے فرمایا:

[إِنَّ الَّذِينَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ، وَلَوْ جَاءَتْهُمْ كُلُّ آيَةٍ حَتَّى يَرَوُا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ] (١٣٨)

’’بے شک وہ لوگ جن پر تیرے رب کا فیصلہ ثابت ہو چکا ہے وہ ایمان نہیں لائیں گے اگرچہ ان کے پاس ساری نشانیاں آ جائیں حتیٰ کہ وہ دردناک عذاب دیکھ لیں۔‘‘

نیز اللہ نے فرمایا:

[وَلَوْ رُدُّوا لَعَادُوا لِمَا نُهُوا عَنْهُ وَإِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ]

’’اور اگر انہیں دنیا میں واپس بھیج دیا جائے تب بھی یہ لوگ وہی کام کریں گے جن سے انہیں روکا گیا تھا۔ یقیناً یہ لوگ اپنی اس بات میں جھوٹے ہیں۔‘‘

[الأنعام: ٢٨]

نیز فرمایا:

[إِنَّا كَاشِفُوا الْعَذَابِ قَلِيلًا إِنَّكُمْ عَائِدُونَ يَوْمَ نَبْطِشُ

الْبَطْشَةَ الْكُبْرَى إِنَّا مُنْتَقِمُونَ]

”بے شک ہم عذاب کو کچھ دیر کے لیے ہٹانے والے ہیں۔مگر تم لوگ پھر بھی وہی (نافرمانی والے کام) دوبارہ کرو گے۔جس دن ہم سخت گرفت کریں گے ۔بے شک ہم (پورا پورا) انتقام لینے والے ہیں۔“

نیز فرمایا:

[وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ]

”اور جو لوگ ان کے بعد آئے وہ کہتے ہیں: اے ہمارے پروردگار! تو ہماری اور ہم سے پہلے والے اہل ایمان کی مغفرت فرما دے اور ایمان والوں کے خلاف ہمارے دلوں میں کینہ وبغض نہ رکھ۔اے ہمارے رب! بے شک تو بہت مہربان بہت رحم کرنے والا ہے۔“

یہ بھی اللہ تعالیٰ کے علم کی وسعت ہے کہ ان لوگوں کی تخلیق سے پہلے ہی وہ ان پر رحمت کر چکا ہے اور وہ ان کی دعاؤں سے بھی واقف ہے۔ حالانکہ انہوں نے ابھی تک دعائیں کی نہیں تھیں۔

(۲۳۸) نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

[فَأَسْرِ بِعِبَادِي لَيْلًا إِنَّكُمْ مُتَّبَعُونَ، وَاتْرُكِ الْبَحْرَ رَهْوًا إِنَّهُمْ جُنْدٌ مُغْرَقُونَ]

”(اے موسیٰ علیہ السلام) اب آپ میرے بندوں کو رات کے وقت ساتھ لے کر چلیں۔ بے شک فرعون اور اس کا لشکر تمہارا پیچھا کریں گے، اور آپ (علیہ السلام) سمندر کو تھما ہوا رہنے دینا۔(فرعون اور اس کا) لشکر (اس میں) غرق کیے جائیں گے۔“

[الدخان: ۲۳]

یہ بھی اللہ تعالیٰ کے علم کا کمال اور اس کی وُسعت ہے کہ اس نے یہ واقعات رونما ہونے سے پہلے ہی خبر دے دی کہ فرعون اور اس کا لشکر موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کا پیچھا کریں گے اور پھر انہیں غرق کر دیا جائے گا۔

(۲۳۹) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: [وَلَا يَزَالُونَ مُخْتَلِفِيْنَ إِلَّا مَنْ رَحِمَ رَبُّكَ] [هود: ١١٨] ”اور یہ لوگ ہمیشہ باہم اختلاف کرتے رہیں گے۔ سوائے ان لوگوں کے جن پر تیرا رب مہربان ہو جائے۔“ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے باہم اختلاف کرنے سے پہلے ہی ان کے اختلاف کی خبر دی ہے۔

(۲۴۰) نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

[عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَى غَيْبِهِ أَحَدًا، إِلَّا مَنِ ارْتَضَى مِنْ رَسُولٍ فَإِنَّهُ يَسْلُكُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ رَصَدًا، لِيَعْلَمَ أَنْ قَدْ أَبْلَغُوا رِسَالَاتِ رَبِّهِمْ، وَأَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ، وَأَحْصَى كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا]

”(وہی اللہ تعالیٰ) عالم الغیب ہے۔ وہ اپنے غیب پر کسی کو بھی مطلع نہیں کرتا

سوائے اس رسول کے جسے وہ پسند کرے تو بے شک وہ اس کے آگے پیچھے محافظ مقرر کر دیتا ہے تاکہ وہ جان کے کہ انہوں نے اپنے رب کے پیغامات پورے طور پر پہنچا دیے ہیں اور ان رسولوں (علیہم السلام) کے پاس جو چیزیں ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کا احاطہ کر رکھا ہے اور اس نے ہر چیز کو گنتی کے اعتبار سے شمار کر رکھا ہے۔"

[الجن: ٢٦-٢٨]

(۲۴۱) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

[إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِنْدَ اللَّهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ، وَلَوْ عَلِمَ اللَّهُ فِيهِمْ خَيْرًا لَأَسْمَعَهُمْ، وَلَوْ أَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَهُمْ مُعْرِضُونَ]

"بے شک زمین پر چلنے والوں میں سے اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے بُرے وہ بہرے گونگے ہیں جو عقل نہیں رکھتے۔ اگر اللہ تعالیٰ کے علم میں ان لوگوں میں کوئی خیر ہوتی تو وہ ضرور انہیں سنوا دیتا، اور اگر وہ انہیں سنوا دیتا تو وہ اعراض کرتے ہوئے اس سے منہ موڑ لیتے۔"

[الأنفال: ٢٢-٢٣]

لیکن اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں اس کے سوا کچھ اور ہی جانتا ہے تو یہ لوگ ادھر ہی گئے جو ان کے متعلق اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ایک قوم کے بارے میں اپنے علم کی بنیاد پر خبر دی:

[سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَأَنْذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ]

''ان پر برابر ہے آپ ان کو ڈرائیں یا نہ ڈرائیں، وہ ایمان نہیں لائیں گے۔''

[البقرة: ٦]

اسی طرح اس نے ایک اور قوم کے متعلق خبر دیتے ہوئے فرمایا:

[وَلَوْ رَحِمْنَاهُمْ وَكَشَفْنَا مَا بِهِمْ مِنْ ضُرٍّ لَلَجُّوا فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ]

''اور اگر ہم ان پر رحم کریں اور ان کو جو بھی تکلیف ہے اسے دور کر دیں تو وہ بھٹکے ہوئے اپنی سرکشی پر اصرار ہی کریں گے۔''

[المؤمنون: ٧٥]

(۲۴۲) ہم نے اللہ تعالیٰ کے علم کے بارے میں جو آیات ذکر کی ہیں کہ مخلوقات کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا علم اس قدر کامل اور وسیع ہے کہ لوگوں کے عمل کرنے سے پہلے ہی وہ ان کے بارے میں جانتا ہے۔ تو جس آدمی کا اللہ تعالیٰ کی کتاب پر ایمان ہے اور وہ رسولوں (علیہم السلام) کی باتوں کی تصدیق کرتا ہے، وہ ہمارے ذکر کردہ دلائل میں سے چند دلائل پر ہی اکتفا کر لے گا، نیز ان کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے کامل علم کے حوالے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اور صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم اللہ کے آثار کا احاطہ کرنا بڑا مشکل ہے۔ اس بارے میں ہمارے ذکر کردہ دلائل میں سے چند دلائل ہی کافی تھے لیکن ہم نے بڑی تفصیل سے اس قدر زیادہ دلائل جمع کر دیے ہیں تا کہ اہل علم و عقل ان میں غور و فکر کر کے ان گمراہ لوگوں کی گمراہی کو جان

پس جو اللہ تعالیٰ کے کامل اور وسیع علم کا انکار کر کے اسے علم و معرفت کی کمی میں مخلوق جیسا قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جس طرح کسی کام کے وقوع پذیر ہونے سے پہلے مخلوق کو اس کے بارے میں علم نہیں ہوتا۔ ان کے عقیدے کے مطابق اسی طرح اللہ تعالیٰ کو بھی کچھ علم نہیں ہوتا، حالانکہ مخلوق میں سے کوئی بھی کچھ بھی نہیں جانتا سوائے اس کے جو اللہ تعالیٰ اسے بتلا دے۔ اس کے بالمقابل اللہ تعالیٰ کی صفت تو یہ ہے کہ وہ [عَلَّامِ الْغُيُوبِ][المائدۃ:۱۰۹] ہے اور اس نے اپنے متعلق بیان فرمایا ہے: [يَعْلَمُ السِّرَّ وَأَخْفَى][طٰہٰ:۷] ''کہ وہ پوشیدہ اور پوشیدہ تر کو بھی جانتا ہے۔''

(۲۴۳) یہ (جہمیہ) اللہ تعالیٰ کے علم کے حوالے سے جن باتوں کا دعویٰ کرتے ہیں، ان کے حوالے سے بعض معتزلہ بھی ان کے ہم نوا ہیں۔ کیوں کہ (جہمیہ اور معتزلہ) دونوں کے مذہب کی بنیاد اس چیز پر قائم ہے کہ یہ دونوں اللہ تعالیٰ کے علم کے کمال اور وسعت کا انکار کرتے ہیں۔ ان کی گمراہی کو ثابت کرنے کے لیے یہی بات کافی ہے، کیوں کہ اگر یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ازلی علم کا اقرار و اعتراف کر لیں تو اہل سنت کے مقابلے میں یہ لوگ شکست کھا جائیں گے۔ امام عمر بن عبدالعزیز نے بھی ایسا ہی کہا ہے۔

(۲۴۴) نعیم بن حماد نے عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے باسناد روایت کیا ہے کہ: جہمیہ و معتزلہ میں سے جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے (ازلی) علم کا اقرار کر لیا، وہ باقی تمام مسائل میں شکست کھا جاتا ہے۔

[تحقیق و تخریج: اس کی سند ضعیف ہے، زید بن رفیع ضعیف ہے۔]

(۴۴۵) ابوسعید رحمہ اللہ (مصنف) کہتے ہیں کہ ان لوگوں کے قول و مذہب کی تفسیر یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں کوئی امر وقوع پذیر ہوتا ہے تو اس کے بعد ہی اللہ تعالیٰ کو اس کے ہو جانے کا پتا چلتا ہے۔ اس وقت اسے اس بات کا علم ہوتا ہے جس کا علم اسے اس سے پہلے نہیں ہوتا۔ ان کے عقیدے کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات تو موجود تھی لیکن اسے ان واقعات کا علم نہیں تھا۔ یہاں تک مخلوق نے آکر وہ کام کر کے اللہ تعالیٰ کے علم میں اضافہ کیا۔ گویا اس کا مطلب یہ ہوا کہ دنیا میں جب کوئی کام واقع ہوتا ہے اس کے بعد اللہ تعالیٰ کو اس کا پتا چلتا ہے۔ گویا ان کے عقیدے کا اور قول کا مفہوم یہ ہوا کہ جب اللہ تعالیٰ کوئی کام کرتا ہے تب اسے اس کام کے ہونے کا علم ہوتا ہے اس سے قبل اسے اس بات کا علم نہیں ہوتا۔ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات تو موجود تھی مگر اسے کسی بھی بات کا علم نہیں تھا، یہاں تک کہ اس چیز نے وجود میں آکر اسے اپنے وجود کا علم دیا۔ ان کے عقیدے کے مطابق جب کوئی چیز پیدا ہو جاتی ہے تب اللہ تعالیٰ کو علم ہوتا ہے یعنی جب کوئی کام ہو جاتا ہے تب اسے اس کا علم ہوتا ہے اور جو کام ابھی ہوا نہیں اسے اس کا علم نہیں۔ فَتَعَالَى اللَّهُ عَمَّا يَصِفُونَ۔ یہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں جو کچھ کہتے ہیں، وہ ان سے بلند اور یکسر پاک ہے۔

(۴۴۶) اللہ عزوجل نے فرمایا ہے:

[إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ، وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ، وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ]

”بے شک اللہ تعالیٰ کے پاس ہے قیامت کا علم اور وہ برساتا ہے بارش اور وہ جانتا ہے کہ (مادہ کے) رحموں میں کیا ہے۔“

[لقمان: ٣٤]

نیز فرمایا: [قُلْ إِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللَّهِ، وَإِنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُبِينٌ] [الملك: ٢٦] ”کہہ دیجیے کہ (قیامت کا حتمی) علم تو اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے۔ میں تو محض صاف صاف ڈرانے والا ہوں۔“

نیز فرمایا: [قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّي] [الأعراف: ١٨٧] ”کہہ دیجے کہ اس (قیامت) کا (حتمی ویقینی) علم تو میرے رب ہی کے پاس ہے۔“

نیز فرمایا: [قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّي فِي كِتَابٍ] [طه: ٥٢] ”موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا کہ اس (قیامت) کا علم تو میرے رب کے پاس کتاب (لوح محفوظ) میں ہے۔“

تو یہ کیونکر ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو مخلوقات کے وجود میں آنے کے بعد ان کا علم ہو۔ ان کو تو اللہ تعالیٰ کے ازلی، سابق علم کے مطابق پیدا کیا گیا ہے۔ اور اس نے ان کے متعلق لوح محفوظ میں جو کچھ لکھا کہ وہ فلاں قسم کا کام کریں گے، وہ اس سے ذرہ بھر بھی تجاوز نہیں کر سکتے۔ تو یہ کہنا کیوں کر درست ہے کہ مخلوقات کے عمل کرنے کے بعد ہی اللہ تعالیٰ کو ان کے اعمال کا علم ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو ان اعمال کا علم ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

[وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوهُ فِي الزُّبُرِ، وَكُلُّ صَغِيرٍ وَكَبِيرٍ مُسْتَطَرٌ]

”اور ان لوگوں نے جو بھی عمل کیے وہ پہلے سے صحیفوں میں لکھے ہوئے ہیں۔

اور ہر چھوٹا بڑا عمل پہلے سے (لوح محفوظ میں) لکھا ہوا ہے۔“

[القمر: ٥٣]

نیز فرمایا:[وَإِنَّهُ فِي أُمِّ الْكِتَابِ لَدَيْنَا لَعَلِيٌّ حَكِيمٌ][الزخرف: ٤]”بلاشبہ یہ قرآن لوح محفوظ میں ہمارے پاس بہت بلند درجے والا اور نہایت حکمت والا ہے۔ “

نیز فرمایا:[وَمَنْ عِنْدَهُ عِلْمُ الْكِتَابِ][الرعد: ٤٣]”اور وہ آدمی جس کے پاس کتاب کا علم ہے۔“

نیز فرمایا:

[إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِنْدَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتَابِ اللَّهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ]

”بے شک مہینوں کی تعداد اللہ تعالیٰ کے ہاں اللہ کی کتاب (لوح محفوظ) میں بارہ مہینے ہے جس دن سے اس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔ ان میں سے چار مہینے حرمت والے ہیں۔“

نیز فرمایا:

[مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي أَنْفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَابٍ مِنْ قَبْلِ أَنْ نَبْرَأَهَا، إِنَّ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ]

”زمین میں یا تمہاری جانوں میں کوئی بھی مصیبت یا تکلیف آتی ہے تو (یاد رکھو کہ) وہ ہمارے اس کو پیدا کرنے سے بھی (بہت) پہلے لوح محفوظ میں لکھی

ہوئی ہے (کہ یہ کام فلاں وقت اس طرح ہوگا) یقیناً یہ کام اللہ تعالیٰ کے لیے بہت ہی آسان ہے۔''

[الحديد: ٢٢]

نیز فرمایا:[وَمَا يَعْمَرُ مِنْ مُعَمَّرٍ وَلَا يُنْقَصُ مِنْ عُمْرِهِ إِلَّا فِي كِتَابٍ] [فاطر: ١١] ''اور نہیں عمر دیا جاتا کوئی بڑا عمر والا اور نہ کمی کی جاتی ہے کسی کی عمر میں مگر یہ سب کچھ لوح محفوظ میں درج ہے۔''

نیز ارشاد ہے:

[أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِنَّ ذَلِكَ فِي كِتَابٍ إِنَّ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ]

''کیا آپ نہیں جانتے کہ آسمان اور زمین میں جو کچھ ہے، سب اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے، یہ سب کچھ ایک کتاب (لوح محفوظ) میں درج ہے۔ بے شک یہ کام اللہ تعالیٰ کے لیے ازحد آسان ہے۔''

[الحج: ٧٠]

نیز فرمایا:

[قُلْ لَوْ كُنْتُمْ فِي بُيُوتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِينَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ إِلَى مَضَاجِعِهِمْ]

''(اے نبی علیہ السلام)! آپ ان لوگوں سے کہہ دیں کہ اگر تم اپنے گھروں میں ہی ہوتے تو جن لوگوں کے حق میں قتل ہونا لکھا جا چکا تھا وہ ضرور گھروں سے اپنی

قتل گاہوں کی طرف نکلتے۔“

[آل عمران: ١٥٤]

تو یہ تمام اُمور وقوع پذیر ہونے سے بہت پہلے اللہ تعالیٰ کے ازلی علم کی بنیاد پر لکھے جا چکے تھے۔

(۴۲۷) ابوامامہ الباہلی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: لوگو! تم پر اس بات میں اشتباہ نہ ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ (ازل سے ہر چیز کا) علم رکھتا ہے اور اس نے مخلوق کو پیدا کیا ہے۔ اگر اس کا علم مخلوقات کو پیدا کرنے سے مقدم ہے تو مخلوق علم کے بعد ہے اور اگر مخلوق علم سے پہلے ہے تو اس کا علم مخلوق کے بعد (یعنی اس سے متصل) ہی ہے۔

[تحقیق و تخریج: اس کی سند ضعیف ہے عبداللہ بن حیان کی توثیق نہیں ملی۔]

(۴۲۸) ابوامامہ رضی اللہ عنہ کے اس اثر کو سعید بن ابی مریم المصری نے ایک دوسری سند سے بھی روایت کیا ہے۔

[تحقیق و تخریج: اس کی سند ضعیف ہے۔ عبداللہ بن حیان کی توثیق نہیں ملی اور ابن لہیعۃ مدلس و مختلط ہے۔]

(۴۲۹) ابوسعید (مصنف کتاب ہذا) کہتے ہیں: پس اس گروہ نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ مخلوقات اللہ کے علم سے قبل وجود میں آئی اور اس کے وجود میں آنے کے بعد اللہ کو اس کا علم ہوا تو اس سے بڑھ کر گمراہی کیا ہوگی؟ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا اور اس سے فرمایا کہ ”لکھ“ تو اس نے وہ سب باتیں لکھ دیں جو وقوع پذیر ہونے والی تھیں۔

[**تحقیق و تخریج:** صحیح ہے۔دیکھئے حدیث نمبر:253]

(۲۵۰) ابوسعید (مصنف) رحمہ اللہ کہتے ہیں: اللہ کی قسم! قلم تو کچھ نہیں جانتا تھا کہ کیا لکھے، اسے اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کے ساتھ چلایا اور امور و معاملات کے وجود میں آنے سے بہت پہلے اسے وہ تمام امور لکھنے کا حکم دیا جو آئندہ وقوع پذیر ہونے والے تھے۔

(۲۵۱) نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ''زمین و آسمان کی چیزوں کو پیدا کرنے سے پچاس ہزار سال قبل اللہ تعالیٰ نے اہل سماء وارض کی تقدیریں لکھ دی تھیں۔

[**تحقیق و تخریج:** اسے امام مسلم نے ''الصحیح'' (ح: ۲۶۵۳) اور امام ترمذی نے ''السنن'' (ح: ۲۱۵۶) میں روایت کیا ہے۔]

اللہ تعالیٰ نے وہی کچھ لکھا تھا جو اس کے علم میں ان اشیاء کے متعلق تھا اگر ان حضرات کے دعویٰ کے مطابق اللہ کچھ نہیں جانتا تھا تو اس تحریر کا کیا معنی و مفہوم ہوگا؟

(۲۵۲) اس معنی و مفہوم کے حوالے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال اس قدر ہیں کہ ہماری یہ کتاب ان کا احاطہ نہیں کرسکتی۔ تاہم ان میں سے کچھ احادیث کو ہم ذکر کریں گے ان شاء اللہ۔ حالانکہ ہم جانتے ہیں کہ یہ لوگ احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرتے ہیں اور ان پر ایمان نہیں رکھتے تاہم ان میں سب سے اچھا، بہتر، افضل اور زیادہ علم والا آدمی وہ ہے جو ان احادیث پر ایمان رکھتا ہوں اور ان (گمراہ لوگوں) سے بچ کر رہے۔

(۲۵۳) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کیا کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے (مخلوقات میں) سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا، پھر اسے حکم دیا کہ کائنات میں جو کچھ بھی ہونے والا ہے، وہ تحریر کردے۔''

[تحقیق و تخریج: صحیح ہے۔ اسے امام ابویعلیٰ نے ''المسند'' (ح: ۲۳۲۹)، طبرانی ''المعجم الکبیر'' (ح: ۱۲۲۲۷) اور بیہقی نے ''السنن الکبریٰ'' (ح: ۱۷۷۰٤) میں روایت کیا ہے۔]

(۲۵۴) سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے سے پچاس ہزار سال پہلے ہر چیز کی تقدیر کو لکھ لیا تھا۔''

[تحقیق و تخریج: صحیح ہے۔ دیکھئے حدیث نمبر:251]

(۲۵۵) سیدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کو پیدا کیا ہے، اس نے تمام فیصلے لکھ لیے اور انبیاء سے پختہ عہد لیا، جبکہ اس کا عرش (ابھی) پانی پر تھا۔ پھر اس نے داہنی جانب والوں کو اپنے داہنے ہاتھ میں اور بائیں جانب والوں کو اپنے بائیں ہاتھ میں لیا۔ یاد رہے کہ رحمٰن کے دونوں ہی ہاتھ داہنے ہیں (اس کا کوئی ہاتھ بایاں نہیں ہے) پھر اس نے کہا: اے داہنی جانب والو! تو سب نے کہا: (یا اللہ) ہم حاضر ہیں۔ اس نے کہا: کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ انہوں نے کہا: کیوں نہیں (تو ہی ہمارا رب ہے)۔ پھر اس نے کہا: اے بائیں جانب والو! تو انہوں نے کہا (یا اللہ) ہم حاضر ہیں۔ اس نے پوچھا: کیا

میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ انہوں نے کہا: کیوں نہیں۔ (تو ہی ہمارا رب ہے) اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان سب کو آپس میں خلط ملط کر دیا تو کسی کہنے والے نے کہا: اے رب! تو نے ہمیں آپس میں خلط ملط کیوں کر دیا؟ تو اللہ نے فرمایا: [لَهُمْ أَعْمَالٌ مِنْ دُونِ] [المؤمنون: ٦٣] ''اور ان کے لیے اس کے علاوہ بھی کئی اعمال ہیں وہ انہی کو کرنے والے ہیں۔'' نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: [إِنَّا كُنَّا عَنْ هَذَا غَافِلِينَ] [الأعراف: ١٧٢] ''بے شک ہم تو اس بات سے غافل تھے۔'' (یہ عہد لینے کے بعد) اللہ تعالیٰ نے تمام ارواح کو پشت آدم میں واپس لوٹا دیا۔''

سیدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ نے مزید فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کو پیدا کیا۔ اس نے جو فیصلے کرنے تھے کر لیے۔ انبیاء سے پختہ عہد لیا، اس وقت اس کا عرش پانی پر تھا (اللہ تعالیٰ کے اس وقت کے علم کے مطابق) جو جنتی ہیں وہی اہل جنت ہوں گے اور جو جہنمی ہیں وہی اہل جہنم ہوں گے۔'' کسی پوچھنے والے پوچھا: اللہ کے نبی! پھر اعمال کی کیا حیثیت (کردار) ہے؟ تا کہ ہر گروہ اپنے لیے مقرر کیے ہوئے مقام تک پہنچنے کے لیے اعمال بجالائے۔'' یہ سن کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: تب تو ہم خوب خوب عمل کریں گے۔

ابوامامہ رضی اللہ عنہ ہی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اعمال کی بابت دریافت کیا گیا کہ اللہ کے رسول! ان اعمال کے متعلق ارشاد فرمائیں کہ یہ کوئی نیا نتیجہ لائیں گے یا اس سے فراغت پائی جا چکی ہے؟ آپ نے فرمایا: ''اس سے تو فراغت پائی جا چکی ہے۔''

[تحقیق و تخریج: اس کی سند سخت ضعیف ہے۔ دیکھئے حدیث نمبر 42۔]

(۲۵۶) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:[وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ][الأعراف: ۱۷۲] ''اور جب تیرے رب نے پشت بنی آدم سے ان کی اولاد کو نکالا۔'' اس آیت کی تفسیر میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا پھر اس سے اس بات کا عہد لیا کہ وہ اس کا رب ہے اور پھر اللہ نے اس کی زندگی، رزق اور مصائب وغیرہ (سب) لکھ دیے۔

[تحقیق و تخریج: اس کی سند ضعیف ہے۔ اسے امام طبری نے ''جامع البیان'' (ح: ۱۵۳۵۳) میں روایت کیا ہے۔ مسعودی مختلط ہے۔]

(۲۵۷) عبداللہ بن حارث کا بیان ہے کہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اہل جنت کو پیدا کیا اور انہوں نے جو کچھ کرنا تھا وہ بھی لکھ لیے اور اس نے اہل جہنم کو پیدا کیا اور انہوں نے جو اعمال کرنے تھے، وہ بھی لکھ لیے، پھر فرمایا: یہ (ادھر والے) لوگ اس (جنت) کے حقدار ہوں گے اور یہ (ادھر والے) لوگ اس (جہنم) کے حق دار ہوں گے۔

[تحقیق و تخریج: اس کی سند ضعیف ہے۔ اسے امام بیہقی نے ''القضاء والقدر'' (ح: ۳۶۱) میں روایت کیا ہے۔ عبدالاعلیٰ بن عبداللہ بن عامر کو صرف ابن حبان نے ثقہ کہا ہے۔]

(۲۵۸) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرکین کے بچوں کی بابت دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے جب ان کو پیدا کیا، وہ اسی وقت سے جانتا ہے کہ وہ (زندہ رہ کر) کس قسم کے اعمال بجالاتے۔''

[**تحقیق و تخریج:** اسے امام بخاری نے "الصحیح" (ح: ١٣٨٣)، مسلم نے "الصحیح" (ح: ٢٦٦٠)، ابوداوٗد نے "السنن" (ح: ٤٧١١) اورنسائی نے "السنن" (ح: ١٩٥٢) میں روایت کیا ہے۔]

(۲۵۹) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی اسی مفہوم کی حدیث مروی ہے۔

[**تحقیق و تخریج:** اسے امام بخاری نے "الصحیح" (ح: ١٣٨٤)، مسلم نے "الصحیح" (ح: ٢٦٥٩)، ابوداوٗد نے "السنن" (ح: ٤٧١٤)، ترمذی نے "السنن" (ح: ٢١٣٨) اورنسائی نے "السنن" (ح: ١٩٥٠) میں روایت کیا ہے۔]

(۲۶۰) سیدنا ابن ابی الجدعاء رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک آدمی نے عرض کیا: اللہ کے رسول! آپ کو نبی بنانے کا فیصلہ کب کیا گیا تھا؟ آپ نے فرمایا: (اس وقت) جب آدم علیہ السلام (ابھی) روح اور جسم (کی درمیانی کیفیت) میں تھے۔“

[**تحقیق و تخریج:** صحیح ہے۔ اسے امام احمد نے "المسند" (٦٦/٤ ، ٥٩/٥) اور ابن ابی عاصم نے "السنة" (ح: ٤١١) میں روایت کیا ہے۔]

(۲۶۱) سیدنا عرباض بن ساریہ السلمی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ مجھے اللہ تعالیٰ کے ہاں لوح محفوظ میں (اس وقت) ”خاتم النّبیین“ لکھا جا چکا تھا جبکہ آدم علیہ السلام ابھی مٹی میں گوندھے جا رہے تھے۔“

[**تحقیق و تخریج:** حسن ہے۔ اسے امام احمد نے "المسند" (١٢٧/٤)، حاکم نے "المستدرک" (٦٠٠/٤) اور بیہقی نے "شعب الإیمان" (ح: ١٣٢٢) میں روایت کیا ہے۔]

(۲۶۲) سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کو یوں کہتے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے سے بھی پہلے تقدیریں لکھ دی تھیں۔“

[**تحقیق و تخریج:** صحیح ہے۔ دیکھیں حدیث نمبر 254۔]

(۲۶۳) سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ہاں تشریف لائے۔ آپ کے ہاتھ مبارک میں دو کتابیں تھیں۔ آپ نے فرمایا: ”کیا تم جانتے ہو کہ یہ دو کتابیں کیسی ہیں؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اللہ کے رسول! ہم ان کے متعلق کچھ نہیں جانتے۔ تو آپ نے ان میں سے داہنے ہاتھ والی کتاب کے متعلق فرمایا: ”یہ کتاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے، اس میں اہل جنت، ان کے آباء اور ان کے قبائل کے نام درج ہیں۔ ان کے آخر میں میزان کر دیا گیا ہے۔ اب کبھی (کسی بھی صورت میں) ان میں کمی بیشی نہیں ہوگی۔“

پھر آپ نے بائیں ہاتھ والی کتاب کے متعلق فرمایا: ”اس کتاب میں جہنم والوں کے، ان آباء اور قبائل کے نام درج ہیں۔ ان کے بھی آخر میں میزان کر دیا گیا ہے۔ اب کبھی (کسی بھی صورت میں) ان میں کمی بیشی نہیں ہوگی۔“ یہ سن کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اگر جنتی اور جہنمی ہونے کے فیصلے ہو چکے ہیں تو اب عمل کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”سیدھی راہ پر چلتے رہو، اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرتے رہو جس آدمی کے جنتی ہونے کا فیصلہ کر دیا گیا ہے، اس کا انجام اہل جنت والے اعمال کے ساتھ ہوگا خواہ وہ جیسے بھی عمل کرتا رہے اور جس آدمی کے جہنمی ہونے کا فیصلہ کر دیا گیا ہے، اس کا انجام جہنمیوں والے اعمال پر ہوگا، اس

سے پہلے وہ جیسے بھی عمل کرتا رہے۔‘‘اس کے بعد آپ نے اپنے دونوں ہاتھوں کو آپس میں ملاتے ہوئے فرمایا: ’’تمہارا رب اپنے بندوں کے فیصلوں سے فارغ ہو چکا ہے ۔‘‘ پھر آپ نے اپنے دائیں ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: ’’فریق فی الجنة‘‘ایک گروہ جنت میں جائے گا۔‘‘اور آپ نے دوسرے ہاتھ سے بھی اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: ’’فریق فی السعیر‘‘ایک گروہ جہنم میں جائے گا۔‘‘

[تحقیق و تخریج: حسن ہے۔اسے امام ترمذی نے ”السنن“ (ح: ۲۱٤۱)، احمد نے ”المسند“ (۱٦۷/۲) اور ابن ابی عاصم نے ”السنة“ (ح: ۳٤۸) میں روایت کیا ہے۔]

(۲٦۴) ابو سعید (مصنف کتاب ہذا) کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کتابوں میں اپنے بندوں کے وہ نام لکھے ہوئے ہیں جو اللہ کے علم کے مطابق (مستقبل میں)ان کی تخلیق کے بعد ان کے آباءواجداد نے رکھنے ہیں۔ان کے آباءواجداد ان (لکھے ہوئے) ناموں میں تبدیلی نہیں کر سکتے، نیز اللہ تعالیٰ نے ان میں سے جس کے لیے ہدایت لکھ دی ہے، ابلیس اپنی سرتوڑ کوشش کے باوجود اسے گمراہ نہیں کرسکتا۔

(۲٦۵) رسول سے مشرکین کی چھوٹی عمر میں فوت ہوجانے والی اولادوں کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا: ان کے متعلق اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ (زندہ رہتے تو) کیسے اعمال کرتے؟

[تحقیق و تخریج: صحیح ہے۔دیکھئے حدیث نمبر:258-]

آپ نے ان کے معاملے کو اللہ تعالیٰ کے سابقہ علم کی طرف لوٹایا جو ان کی تخلیق

اوراعمال بجالانے سے بہت پہلے اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے۔

(۲۶۶) اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:[إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ][النحل: ١٢٥] ''بے شک تمہارا رب خوب جانتا ہے اس شخص کو جو اس کی راہ سے گمراہ ہوا اور وہ ہدایت پانے والوں کو بھی خوب جانتا ہے۔''

نیز ارشاد ہے: [هُوَ أَعْلَمُ بِكُمْ إِذْ أَنْشَأَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ، وَإِذْ أَنْتُمْ أَجِنَّةٌ فِي بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ، فَلَا تُزَكُّوا أَنْفُسَكُمْ، هُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقَى] [النجم: ٣٢] ''وہ تمہارے متعلق بخوبی جانتا ہے جب اس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا اور جب تم شکم مادر میں بچے تھے۔ پس تم اپنی پاکیزگی کا دعویٰ مت کرو وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ کون متقی ہے۔''

(۲۶۷) نیز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''پیدا ہونے والے ہر بچے کی ولادت سے بھی پہلے اس کی آنکھوں کے درمیان پیشانی پر وہ کچھ لکھ دیا جاتا ہے، جو کچھ اس کے ساتھ پیش آنے والا ہے، حتیٰ کہ اسے لاحق ہونے والا دکھ بھی لکھ دیا جاتا ہے۔''

[تحقیق و تخریج: صحیح ہے، دیکھئے حدیث نمبر: 268-]

(۲۶۸) سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب اللہ عزوجل کسی روح کو پیدا کرنے کا فیصلہ فرماتا ہے تو رحم مادر پر مامور فرشتہ اللہ تعالیٰ سے دریافت کرتا ہے: اے رب! یہ مذکر ہوگا یا مؤنث؟ تو اللہ تعالیٰ اپنا فیصلہ

اس کے سامنے ظاہر کر دیتا ہے۔ پھر وہ فرشتہ دریافت کرتا ہے کہ یہ شقی (بدبخت) ہوگا یا سعید (نیک بخت)؟ تو اللہ تعالیٰ اس کے سامنے اپنے فیصلے کا اظہار فرما دیتا ہے۔ پھر اس پیدا ہونے والے نے اپنی پوری زندگی میں جو کچھ کرنا ہوتا ہے اور اس کے ساتھ جو کچھ پیش آنے والا ہے حتیٰ کہ اسے پیش آنے والا دکھ یا تکلیف تک سب کچھ اس کی آنکھوں کے درمیان (یعنی پیشانی پر) لکھ دیا جاتا ہے۔

[**تحقیق و تخریج:** صحیح ہے۔ اسے امام ابویعلیٰ نے "المسند" (ح: ۵۷۷۵) اور ابن حبان نے "موارد الظمآن" (ح: ۱۸۱۰) میں روایت کیا ہے۔]

(۲۶۹) سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے بیان فرمایا: اور آپ صادق (سچے) اور مصدوق ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے، اس کے انبیاء رسول اور جملہ اہل ایمان کی طرف سے آپ کے سچے ہونے کی تصدیق کی گئی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تم میں سے ہر ایک کی تخلیق یوں ہوتی ہے کہ وہ ماں کے پیٹ میں چالیس دن تک نطفے کی صورت میں، اس کے بعد اتنے ہی دنوں تک جمے ہوئے خون کی صورت میں اور اس کے بعد اتنے ہی روز تک گوشت کے لوتھڑے کی صورت میں رہتا ہے۔ بعد ازاں اس کی طرف ایک فرشتہ بھیجا جاتا ہے۔ وہ آ کر اس میں روح پھونکتا ہے اور اسے اس پیدا ہونے کے متعلق چار باتیں: رزق، عمر، عمل اور اس کے شقی (بدبخت) یا سعید (نیک بخت) ہونے کے متعلق لکھنے کا حکم دیا جاتا ہے۔ تم میں سے کوئی آدمی اہل جنت کے سے عمل کرتا رہتا ہے تا آنکہ اس کے اور جنت کے مابین صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے تو اس پر سابقہ تحریر غالب آ جاتی

ہے اور وہ اہل جنت والا عمل کر کے جنت میں چلا جاتا ہے۔‘‘

[**تحقیق و تخریج:** اسے امام بخاری نے ”الصحیح“ (ح: ۳۲۰۸)، مسلم نے ”الصحیح“ (ح: ۲٦٤۳)، ابوداؤد نے ”السنن“ (ح: ٤۷۰۸)، ابن ماجہ نے ”السنن“ (ح: ۷٦)، ترمذی نے ”السنن“ (ح: ۲۱۳۷) اور امام احمد نے ”المسند“ (۱/٤۳۰) میں روایت کیا ہے۔]

(۲۷۰) یہی حدیث ایک دوسری سند سے بھی سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اس میں ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صادق و مصدوق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے بیان فرمایا۔۔۔۔۔۔وہ فرشتہ اللہ کے حکم سے اس مولود کے رزق، اعمال، عمر اور اس کے شقی یا سعید ہونے کے متعلق لکھتا ہے۔ پھر اس میں روح پھونک دی جاتی ہے۔‘‘

[**تحقیق و تخریج:** صحیح ہے۔ دیکھئے سابقہ حدیث]

(۲۷۱) سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن ہم ایک جنازے کے ساتھ بقیع الغرقد میں تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے۔ آپ بیٹھ گئے تو ہم بھی آپ کے پاس بیٹھ گئے۔ اس دوران آپ سر جھکا کر بیٹھ گئے اور اپنی لاٹھی سے زمین کو کریدنے لگے۔ پھر آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے جو شخص بھی پیدا ہو چکا ہے اس کے لیے جنت یا جہنم لکھی جا چکی ہے اور یہ بھی لکھا جا چکا ہے کہ وہ بد بخت ہے یا نیک بخت؟‘‘ یہ سن کر ایک آدمی نے عرض کیا: اللہ کے رسول! تو پھر کیا ہم اپنے رب کی لکھی ہوئی بات پر توکل کرتے ہوئے عمل کرنا چھوڑ نہ دیں؟ ہم میں سے جو کوئی اہل

سعادت میں سے ہوا وہ اپنی سعادت کو پالے گا اور جو کوئی بد بخت ہوا وہ اپنی بد بختی کو پالے گا۔ آپ نے فرمایا: ''نہیں، تم عمل کیے جاؤ، جو لوگ اہل سعادت میں سے ہوں گے، انہیں اہل سعادت کے سے اعمال کی اور جو اہل شقاوت میں سے ہوں گے ان کو بد بختوں والے اعمال کی توفیق ملے گی۔'' اس کے بعد آپ نے قرآن مجید کی یہ آیات تلاوت کیں: [فَأَمَّا مَنْ أَعْطَى وَاتَّقَى وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَى، فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْعُسْرَى] [اللیل: ٦] ''پس جس نے (اللہ کی راہ میں) دیا اور تقویٰ اختیار کیا اور اچھی بات کی تصدیق کی ہم نے اسے آسان منزل کی توفیق دیتے ہیں اور جس نے بخل کیا اور بے پرواہ رہا اور اچھی بات کو جھٹلایا ہم اسے تنگی والی منزل کی توفیق دیتے ہیں۔''

[**تحقیق و تخریج:** اسے امام بخاری نے ''الصحیح'' (ح: ٤٩٤٨)، مسلم نے ''الصحیح'' (ح: ٢٦٤٧)، ابوداؤد نے ''السنن'' (ح: ٤٦٩٤)، ترمذی نے ''السنن'' (ح: ٣٤٤) اور ابن ماجہ نے ''السنن'' (ح: ٧٨) میں روایت کیا ہے۔]

(٢٧٢) سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا: بتلائیے ہم جو اعمال بجالاتے ہیں، کیا ان کے متعلق لکھ کر فراغت پالی گئی ہے یا ہم ازسرنو (ابتدائی طور پر) یہ کام کرتے ہیں (اور یہ اللہ کے علم میں نہیں ہیں)؟ آپ نے فرمایا: ''ان کے متعلق لکھ کر فراغت پالی گئی ہے (یعنی یہ سب کچھ ازل سے اللہ کے علم میں ہیں)۔ تو عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا ہم اس لکھے ہوئے پر ہی توکل نہ کریں (اور عمل کرنا چھوڑ دیں)؟ آپ نے فرمایا: ''خطاب کے بیٹے! (عمل کرنا مت چھوڑو) اور عمل کرتے جاؤ۔ ہر آدمی کو جس کے لیے پیدا کیا گیا ہے، اسے ان

اعمال کو بجالانے کی توفیق ملے گی، جو آدمی اہل سعادت میں سے ہواوہ سعادت والے کام کرتا رہے گا اور جو اہل شقاوت میں سے ہواوہ اہل شقاوت والے کام کرے گا۔‘‘

[**تحقیق و تخریج:** اس کی سند ضعیف ہے۔ اسے امام ترمذی نے ’’السنن‘‘ (ح: ۲۱۳۵)، احمد نے ’’المسند‘‘ (۵۲/۲) میں روایت کیا ہے۔ عاصم بن عبیداللہ العمری ضعیف ہے۔ سابقہ روایات اس سے بے نیاز کر دیتی ہیں۔]

(۲۷۳) ابوسعید (مصنف کتاب ہذا) کہتے ہیں کہ جو ہستی لوگوں کے اعمال اور ان کے انجام لکھ کر فارغ ہو چکی ہے وہ ان تمام امور کے وقوع پذیر ہونے سے پہلے ان کے متعلق اچھی طرح جانتا ہے اور جو ہستی ان لوگوں کو ان اعمال کی توفیق دیتی ہے جن کے لیے ان کو پیدا کیا گیا ہے وہ ان کو پیدا کیے جانے سے بھی پہلے جانتا ہے کہ وہ کس قسم کے اعمال کریں گے۔ پس وہ ذات ہر عیب سے پاک ہے۔ اس کے علاوہ کوئی بھی دوسرا اس قسم کی صفات کا حامل نہیں ہو سکتا۔ وہ اللہ ہر نقص اور عیب سے یکسر بلند اور پاک ہے۔

(۲۷۴) ہم نے اس باب میں اللہ تعالیٰ کی کتاب اور احادیث میں سے جس قدر بیان کیا گیا ہے جو آدمی ان کو نہ مانتا ہو اور وہ اللہ تعالیٰ کے ازلی علم کو تسلیم نہ کرتا ہو، اس سے ہم پوچھیں گے کہ ذرا بتلاؤ کہ قیامت کے آنے کو اللہ جانتا ہے یا نہیں؟ اگر وہ کہے کہ نہیں جانتا تو اس کی یہ بات حق و صداقت سے بہت دور ہے اور وہ ان اخبار و اطلاعات کا کفر کر رہا ہے جو اللہ نے اپنے نبی پر نازل کی ہیں اور وہ قیامت کے

بعد بندوں کو اٹھائے جانے یعنی زندہ کیے جانے کی بھی تکذیب کررہا ہے اور وہ اپنے بارے میں بھی اقرار کررہا ہے کہ اس کا قیامت کے واقع ہونے پر ایمان نہیں ہے اور گروہ کہے کہ اللہ تعالیٰ کو قیامت کے آنے کا علم ہے تو وہ خواہ ہی نخواہی اللہ کے لیے مستقبل میں ہونے والے امور کے علم کا اقرار کررہا ہے۔اس سے یہ بھی پوچھا جائے کہ کہ کیا اللہ تعالیٰ کو مخلوقات کو پیدا کرنے سے پہلے یہ علم تھا کہ وہ ان کو پیدا کرے گا؟ اگر وہ کہے کہ اللہ کو اس کا علم نہیں تھا تو اس نے اللہ تعالیٰ کا انکار کردیا اور اگر کہے کہ اللہ کو اس بات کا علم تھا تو اس نے اللہ کے لیے اس کے ازلی علم کا اقرار کرلیا اور اس طرح وہ اللہ کے جس علم کو تسلیم نہیں کررہا تھا یہ بات اس کے برعکس ہوئی اور یہ بات خود اس کے ے دعویٰ کو ردّ کردے گی۔

باب: ۲۱

اللہ تبارک وتعالیٰ کی صفت کلام پر ایمان لانے کا بیان

(۲۷۵) ابوسعید (مصنف کتاب ہذا) کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ شروع میں بھی اورآخر میں بھی کلام کرنے والا ہے۔ وہ ازل میں بھی متکلم (کلام کرنے والا) تھا، کیونکہ اس وقت اس کے علاوہ کوئی بھی کلام کرنے والا نہ تھا اور سب سے آخر میں بھی وہی متکلم (کلام کرنے والا) ہوگا، کیونکہ اس کے سوا کوئی دوسرا کلام کرنے والا باقی نہیں ہوگا۔ اسی سے متعلق اللہ نے فرمایا ہے: [لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ] [غافر: ١٦] ''(قیامت کے دن اللہ فرمائے گا کہ) آج کس کی بادشاہت ہے؟'' میں ہی بادشاہ ہوں۔ زمین پر بادشاہت کے دعوے کرنے والے کہاں ہیں؟

اللہ تعالیٰ کے لیے صفت کلام کا وہی شخص انکار کرے گا جو اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب (قرآن) کا انکار کرنے والا ہو۔ جس ہستی نے اپنے بندوں کو بولنا سکھایا اور انہیں قوت گویائی سے نوازا، وہ خود کلام کرنے سے کیسے عاجز ہوسکتا ہے؟

(۲۷۶) اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے: [وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَى تَكْلِيمًا] [النساء: ١٦٤] ''اور اللہ نے موسیٰ (علیہ السلام) سے کلام کیا خود کلام کرنا۔'' آیت کے یہ الفاظ کلام حقیقی کے سوا کسی دوسرے مفہوم کی تاویل کا احتمال ہی نہیں رکھتے۔

اور اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: [إِنِّي اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسَالَاتِي وَبِكَلَامِي] [الأعراف: ١٤٤] ''یقیناً میں نے تجھے اپنے پیغامات پہنچانے

اور اپنی ہم کلامی کے ساتھ لوگوں پر چن لیا ہے۔‘‘

نیز فرمایا:[وَقَدْ كَانَ فَرِيقٌ مِنْهُمْ يَسْمَعُونَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ يُحَرِّفُونَهُ مِنْ بَعْدِ مَا عَقَلُوهُ وَهُمْ يَعْلَمُونَ][البقرة: ٧٥]’’حالانکہ بلاشبہ ان میں سے ایک فریق ایسا تھا جو اللہ کا کلام سنتے اور پھر اس کو سمجھ لینے کے بعد اس میں تحریف کرتے تھے اور وہ لوگ (یہ سب کچھ) جان بوجھ کر کرتے تھے۔‘‘

نیز فرمایا:[يُرِيدُونَ أَنْ يُبَدِّلُوا كَلَامَ اللَّهِ][الفتح: ١٥]’’یہ لوگ اللہ کے کلام کو بدل دینا چاہتے ہیں۔‘‘

نیز فرمایا:[لَا تَبْدِيلَ لِكَلِمَاتِ اللَّهِ][يونس: ٦٤]’’اللہ کے کلمات کو بدلا نہیں جا سکتا۔‘‘

نیز فرمایا:[وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ صِدْقًا وَعَدْلًا، لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهِ] [الانعام:١١٥]’’اور تیرے رب کی بات پوری ہوگئی سچ اور انصاف کے اعتبار سے، اس کی باتوں کو کوئی بدلنے والا نہیں۔‘‘

نیز فرمایا:[وَإِنْ أَحَدٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتَّى (١٥٦) يَسْمَعَ كَلَامَ اللَّهِ][التوبة: ٦]’’اور اگر مشرکوں میں سے کوئی آپ سے پناہ کا طلبگار ہو تو آپ اسے پناہ دے دیں یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سنے۔‘‘

نیز فرمایا:[وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ][الصافات: ١٧١] ’’اور یقیناً بلاشبہ ہماری بات ہمارے بھیجے ہوئے بندوں کے لیے پہلے ہی صادر ہو چکی ہے۔‘‘

نیز ارشاد ہے: [فَتَلَقَّى آدَمُ مِنْ رَبِّهِ كَلِمَاتٍ] [البقرة: ۳۷] ''پس آدم (علیہ السلام) نے اپنے رب سے کچھ کلمات سیکھ لیے۔''

(۲۷۷) اس آیت کی تفسیر میں عبید بن عمیر لیثی فرماتے ہیں کہ آدم علیہ السلام نے اپنی غلطی کو یاد کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا: اے رب! یہ جو کچھ ہوا ہے یہ سب کچھ تو نے میرے پیدا کرنے سے پہلے ہی لکھ دیا تھا، یا میں نے اپنے طور پر اور اپنے اختیار و مرضی سے یہ کیا ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ سب کچھ میں نے تجھے پیدا کرنے سے پہلے ہی لکھ دیا تھا کہ یہ کچھ سرزد ہوگا۔ آدم علیہ السلام نے عرض کیا: تو جس طرح تو نے یہ لکھا کہ میں یہ کام کروں گا، اب تو اس غلطی کو معاف کر دے رب۔ اللہ تعالیٰ نے کہا: [فَتَلَقَّى آدَمُ مِنْ رَبِّهِ كَلِمَاتٍ] [البقرة: ۳۷] ''پس آدم علیہ السلام نے اپنے رب سے کچھ کلمات سیکھ لیے۔''

[**تحقیق و تخریج:** اس کی سند ضعیف ہے۔ آنے والی روایت ملاحظہ کریں۔]

(۲۷۸) مصنف (ابوسعید) نے اسے اپنی سند سے عبید بن عمیر سے روایت کیا ہے۔

[**تحقیق و تخریج:** اس کی سند ضعیف ہے۔ اسے امام طبری نے ''جامع البیان'' (ح: ۲۸۳) اور ابن ابی حاتم نے ''تفسیر القرآن'' (ح: ۴۱۳) میں روایت کیا ہے۔ عبید بن عمیر سے سننے والا مجہول ہے۔]

(۲۷۹) ابوسعید (مصنف) کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے آدم علیہ السلام کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا: [كَانَ نَبِيًّا مُكَلَّمًا] ''وہ ایسے نبی تھے جن کے

ساتھ اللہ تعالیٰ نے کلام کیا۔“

[**تحقیق و تخریج:** صحیح ہے دیکھیے حدیث نمبر:299۔]

(۲۸۰) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:[إِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ إِذَا أَرَدْنَاهُ أَنْ نَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ][النحل: ٤٠]”ہمارا کہنا کسی چیز کو جب ہم اس کا ارادہ کر لیں، اس کے سوا کچھ نہیں کہ ہم اسے کہتے ہیں ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے۔“

نیز ارشاد ہے:[سَلَامٌ قَوْلًا مِنْ رَبٍّ رَحِيمٍ][يس: ٥٨]”اللہ، رب رحیم کی طرف سے (انہیں اہل جنت کو) سلام کہا جائے گا۔“

اسی طرح جب موسیٰ علیہ السلام کی قوم بنی اسرائیل نے بچھڑے کو معبود بنا لیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق فرمایا:[أَفَلَا يَرَوْنَ أَلَّا يَرْجِعُ إِلَيْهِمْ قَوْلًا، وَلَا يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا] [طه: ٨٩]”تو کیا یہ لوگ نہیں دیکھتے کہ وہ بچھڑا ان کی کسی بات کا جواب نہیں دیتا اور نہ ان کے لیے کسی نفع و نقصان کا وہ مالک ہے؟“

نیز فرمایا:[عِجْلًا جَسَدًا لَهُ خُوَارٌ، أَلَمْ يَرَوْا أَنَّهُ لَا يُكَلِّمُهُمْ وَلَا يَهْدِيهِمْ سَبِيلًا، اتَّخَذُوهُ وَكَانُوا ظَالِمِينَ][الأعراف: ١٤٨]”(بنی اسرائیل نے) ایک بچھڑا بنا لیا جو ایک مجسمہ تھا، جس کی گائے جیسی آواز تھی۔ کیا وہ نہیں دیکھتے کہ وہ بنایا ہوا بچھڑا نہ تو ان سے ہم کلام ہوتا ہے اور نہ کسی بھی معاملے میں ان کی کچھ رہنمائی کرتا ہے۔ (پھر بھی) انہوں نے اسے اپنا معبود قرار دے لیا اور وہ ظالم تھے۔“

(۲۸۱) ابو سعید (مصنف کتاب ہذا) کہتے ہیں: ہم نے جس قدر آیات ذکر کی ہیں ان سب میں اللہ تعالیٰ کی صفت کلام (یعنی اس کے بولنے اور کلام کرنے)

کا اثبات اور بیان ہے یہ ان آیات کا واضح مفہوم ہے۔اس کے لیے کسی بھی تاویل کی ضرورت نہیں۔آیت میں اللہ عزوجل نے بچھڑے کے بات نہ کرنے والے عیب کا ذکر کیا ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ عزوجل کلام کرنے سے عاجز نہیں ۔ وہ کلام کرتا ہے اور بولتا ہے۔ اگر وہ خود بولنے سے عاجز ہوتا اور بول نہ سکنے کا عیب خود اس میں ہوتا تو وہ بچھڑے کے اس عیب کا قطعاً ذکر نہ کرتا۔

(۲۸۲) ابراہیم علیہ السلام نے مخالفین ومعاندین سے کہا تھا:

[بَلْ فَعَلَهُ كَبِيرُهُمْ هَذَا، فَاسْأَلُوهُمْ إِنْ كَانُوا يَنْطِقُونَ (٦٣) فَرَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَنْفُسِهِمْ فَقَالُوْٓا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ (٦٤) ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَاۗءِ يَنْطِقُوْنَ (٦٥) قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْئًا وَّلَا يَضُرُّكُمْ (٦٦) اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (٦٧)]

’’بلکہ یہ سب کچھ ان کے اس بڑے نے کیا ہے، چنانچہ ان سے پوچھ لو اگر وہ بولتے ہیں۔ پس وہ لوگ اپنے جی میں سوچنے لگے، پھر انہوں نے کہا: بے شک تم ہی ظالم ہو، پھر وہ الٹے کر دیے گئے اپنے سروں پر، بلاشبہ یقیناً تو جانتا ہے کہ یہ بولتے نہیں۔ ابراہیم نے کہا: تو کیا تم ایسے معبودوں کی عبادت کرتے ہو جو تمہیں کچھ فائدہ پہنچا سکتے ہیں اور نہ ہی نقصان۔ اُف ہے تم پر اور اللہ کے سوا تمہارے معبودوں پر، تو کیا تم عقل نہیں رکھتے ہو۔‘‘

ان آیات میں یہ بیان ہے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے صرف اتنا نہیں کیا کہ وہ لوگ جن بتوں اور معبودوں کی عبادت کرتے تھے، ان کا عیب بیان کیا کہ وہ معبودان باطلہ بات کرنے سے عاجز ہیں، بلکہ اس کے ساتھ ساتھ ان پر یہ بھی واضح کیا کہ ان (ابراہیم علیہ السلام) کا معبود کلام کرنے والا اور بولنے والا ہے۔

(۲۸۳) ہم نے جو آیات و دلائل ذکر کیے ہیں ان میں ہر اس شخص کے لیے واضح دلائل ہیں جو کتاب اور اس کی نازل کردہ تعلیمات پر ایمان رکھتا ہے۔

اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا ہے: [قُلْ لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِكَلِمَاتِ رَبِّي لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ أَنْ تَنْفَدَ كَلِمَاتُ رَبِّي وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهِ مَدَدًا] [الكهف: ١٠٩] ''آپ کہہ دیں: اگر میرے رب کے کلمات لکھنے کے لیے سمندر روشنائی بن جائے تو یقیناً وہ سمندر ختم ہو جائے گا مگر میرے رب کے کلمات ختم نہ ہوں گے، اگرچہ ہم اتنی ہی روشنائی مزید لے آئیں (تو وہ بھی کم پڑ جائے)۔''

نیز فرمایا: [وَلَوْ أَنَّ مَا فِي الْأَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ أَقْلَامٌ، وَالْبَحْرُ يَمُدُّهُ مِنْ بَعْدِهِ سَبْعَةُ أَبْحُرٍ مَا نَفِدَتْ كَلِمَاتُ اللَّهِ] [القمان: ٢٧] ''اس روئے زمین پر جتنے درخت ہیں، اگر وہ سب قلم بن جائیں اور سمندر روشنائی بن جائے بلکہ سات سمندر روشنائی بن جائیں (اور اللہ کے کلمات لکھے جائیں) تب بھی اللہ کے کلمات ختم نہیں ہوں گے۔''

اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بالکل سچا ہے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے امت تک اسے مِن وعَن پہنچا دیا ہے۔ اگر زمین و آسمان کے سمندروں اور چشموں کا سارا پانی جمع

کر کے اسے روشنائی بنالیا جائے اور تمام درختوں کو کاٹ کر ان کی قلمیں بنالی جائیں تو یہ ساری روشنائی معدوم ہو جائے اور قلم ٹوٹ جائیں گے مگر اللہ کے کلمات ختم نہیں ہوں گے، کیونکہ یہ سارا پانی اور درخت اسی کی مخلوق ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی مقرر مدت ختم ہو جانے کے بعد ان کا فنا ہونا مقدر کر رکھا ہے، جبکہ خود اللہ زندہ ہے، اسے کبھی موت نہیں آئے گی، نہ اس کا کلام فنا ہوگا۔ مخلوقات کے نیست ونابود ہو جانے کے بعد بھی وہ متکلم (کلام کرنے والا) ہوگا۔ جیسا کہ وہ اس وقت بھی متکلم تھا جب مخلوقات میں سے کچھ بھی نہ تھا۔ فنا ہو جانے والی مخلوق، اس باقی رہنے والے خالق کے کلام کو ختم نہیں کر سکتی جسے دنیا و آخرت میں کبھی بھی انقطاع نہیں۔

اگر یہ بات اس طرح ہوتی جیسے یہ جہمی لوگ کہتے ہیں کہ یہ کلام مخلوق ہے جسے اللہ کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے اور اللہ عزوجل نے کوئی کلام نہیں کیا اور نہ وہ کبھی آئندہ کوئی کلام کرے گا تو ہر پیدا شدہ کلام ایک ہی سمندر کے پانی (سے تیار کردہ روشنائی) کے ختم ہونے سے پہلے ہی ناپید ہو جائے۔ کیونکہ اگر اللہ کی تمام مخلوقات جن، انسان، ملائکہ، پرندوں اور جانوروں سب کی باتوں کو اور ان کے اعمال کو جمع کر کے ایک ہی سمندر کے پانی سے ان کو لکھنا شروع کیا جائے تو اس (روشنائی) کے ختم ہونے سے پہلے ہی یہ ساری چیزیں لکھی جا سکتی ہیں۔ بلکہ اس کے لیے پورا سمندر تو کیا اس کا دسواں حصہ بھی کافی ہے۔ لیکن اس کے برعکس اللہ کا کلام غیر فانی اور نہ ختم ہونے والا ہے جس کو فنا نہیں وہ کبھی ختم نہیں ہو سکتا۔ باقی ہر چیز منقطع اور فنا ہونے والی ہے۔

(۲۸۴) آیات کے علاوہ بے شمار احادیث اور صحابہ و تابعین کے اقوال ان

آیات پر مستزاد ہیں جو اللہ تعالیٰ کے کلام کا اثبات کرتے ہیں۔ اب ہم ان میں سے کچھ احادیث و آثار ذکر کرتے ہیں۔ ان شاء اللہ

(۲۸۵) [حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ الْعَبْدِيُّ، أَنْبَأَ إِسْرَائِيلُ، عَنْ عُثْمَانَ بْنِ الْمُغِيرَةِ، عَنْ سَالِمِ بْنِ أَبِي الْجَعْدِ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْرِضُ نَفْسَهُ عَلَى النَّاسِ بِالْمَوْقِفِ، فَيَقُولُ: أَلَا رَجُلٌ يَحْمِلُنِي إِلَى قَوْمِهِ، فَإِنَّ قُرَيْشًا قَدْ مَنَعُونِي أَنْ أُبَلِّغَ كَلِمَاتِ رَبِّي]

سیدنا جابر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ (ہجرت سے قبل) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میدان عرفات میں خود کو لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہوئے فرما رہے تھے کہ ہے کوئی آدمی جو مجھے اپنی قوم میں (اپنے ہاں) لے جائے؟ کیونکہ یہ قریش مجھے اس بات سے روکتے ہیں کہ میں اپنے رب کے کلمات (احکامات و تعلیمات) ان تک پہنچاؤں۔"

[تحقیق و تخریج: صحیح ہے۔ اسے امام ابوداؤد نے "السنن" (ح: ٤٧٣٤)، ترمذی نے "السنن" (ح: ٢٩٢٥) اور ابن ماجہ نے "السنن" (ح: ٢٠١) میں روایت کیا ہے۔]

(۲۸۶) [حَدَّثَنَا شِهَابُ بْنُ عَبَّادٍ الْكُوفِيُّ، ثنا مُحَمَّدُ بْنُ الْحَسَنِ بْنِ أَبِي يَزِيدَ الْهَمْدَانِيُّ، عَنْ عَمْرِو بْنِ قَيْسٍ، عَنْ عَطِيَّةَ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ شَغَلَهُ قِرَاءَةُ الْقُرْآنِ عَنْ ذِكْرِي

وَمَسْأَلَتِي أَعْطَيْتُهُ أَفْضَلَ مَا أُعْطِي السَّائِلِينَ، وَفَضْلُ كَلَامِ اللَّهِ عَلَى سَائِرِ الْكَلَامِ كَفَضْلِ اللَّهِ عَلَى خَلْقِهِ]

سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "(اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:) جس آدمی کو تلاوت قرآن نے میرے ذکر سے اور مجھ سے کچھ مانگنے سے مصروف رکھا تو میں جس قدر مانگنے اور طلب کرنے والوں کو دیتا ہوں، اسے (تلاوت کرنے والے کو) اس سے بھی افضل (اور زیادہ) دوں گا، اور اللہ کے کلام کو باقی تمام کلاموں پر اسی طرح فضیلت ہے جیسے اللہ تعالیٰ کو اپنی مخلوقات پر۔"

[**تحقیق و تخریج:** اس کی سند ضعیف ہے۔ اسے امام ترمذی نے "السنن" (ح: ۲۹۲۶) دارمی نے "السنن" (ح: ۳۳۵۲) اور بیہقی نے "شعب الإیمان" (ح: ۱۸۶۰) میں روایت کیا ہے۔ محمد بن الحسن اور عطیہ ضعیف ہیں۔]

(۲۸۷) [حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ أَبُو سَلَمَةَ، ثنا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ، عَنْ أَشْعَثَ الْحُدَّانِيِّ، عَنْ شَهْرِ بْنِ حَوْشَبٍ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ فَضْلَ كَلَامِ اللَّهِ عَلَى سَائِرِ الْكَلَامِ كَفَضْلِ اللَّهِ عَلَى سَائِرِ خَلْقِهِ]

"شہر بن حوشب رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ کے کلام کو باقی تمام کلاموں پر اسی طرح فضیلت ہے جیسے اللہ تعالیٰ کو اپنی تمام مخلوقات پر۔"

[**تحقیق و تخریج:** اس کی سند مرسل ہے۔ اسے امام دارمی نے "السنن" (ح: ۳۳۵۷) میں روایت کیا۔ شہر بن حوشب تابعی ہیں۔]

(۲۸۸) [حَدَّثَنَاهُ عُقْبَةُ بْنُ مُكْرَمٍ الْبَصْرِيُّ، ثنا مُعَلَّى بْنُ أَسَدٍ، ثنا مُحَمَّدُ بْنُ سَوَاءٍ، ثنا سَعِيدُ بْنُ أَبِي عَرُوبَةَ، عَنْ أَشْعَثَ الْحُدَّانِيِّ، عَنْ شَهْرِ بْنِ حَوْشَبٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: فَضْلُ الْقُرْآنِ عَلَى سَائِرِ الْكَلَامِ كَفَضْلِ الرَّحْمَنِ عَلَى سَائِرِ خَلْقِهِ]

''سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قرآن مجید کو باقی تمام کلاموں پر اسی طرح فضیلت ہے جیسے رحمان (اللہ) کو اس کی تمام مخلوقات پر۔''

[**تحقيق و تخريج:** اس کی سند ضعیف ہے۔ اسے امام بیہقی نے ''شعب الایمان'' (ح: ۲۰۱۸) میں روایت کیا ہے۔ سعید بن ابی عروبۃ مدلس و مختلط ہے۔ اس میں اور بھی علتیں ہیں۔]

(۲۸۹) [حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْمَدِينِيِّ، ثنا مُوسَى بْنُ إِبْرَاهِيمَ بْنِ كَثِيرِ بْنِ بَشِيرِ بْنِ الْفَاكِهِ الْأَنْصَارِيُّ ثُمَّ السُّلَمِيُّ قَالَ: سَمِعْتُ طَلْحَةَ بْنَ خِرَاشِ بْنِ الصِّمَّةِ الْأَنْصَارِيَّ ثُمَّ السُّلَمِيَّ، يَقُولُ: سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ، يَقُولُ نَظَرَ إِلَيَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: "يَا جَابِرُ مَالِي أَرَاكَ مُهْتَمًّا؟" قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ اسْتُشْهِدَ أَبِي، وَتَرَكَ دَيْنًا عَلَيْهِ وَعِيَالًا، فَقَالَ: " أَلَا أُخْبِرُكَ، مَا كَلَّمَ اللَّهُ أَحَدًا قَطُّ إِلَّا مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ وَكَلَّمَ أَبَاكَ كِفَاحًا، فَقَالَ: يَا عَبْدُ، تَمَنَّ عَلَيَّ أُعْطِكَ قَالَ: يَا رَبِّ تُحْيِنِي،

فَأُقْتَلَ فِيكَ الثَّانِيَةَ، فَقَالَ الرَّبُّ تَبَارَكَ وَتَعَالَى: إِنَّهُ سَبَقَ مِنِّي أَنَّهُمْ إِلَيْهَا لَا يُرْجَعُونَ. قَالَ: يَا رَبِّ، فَأَبْلِغْ مَنْ وَرَائِي " قَالَ: فَأَنْزَلَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ: {وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا} [آل عمران: ١٦٩] حَتَّى أَنْفَذَ الْآيَةَ]

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دیکھا تو فرمایا: جابر! کیا بات ہے؟ میں تمہیں غمگین دیکھ رہا ہوں؟ میں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! میرا باپ (غزوۂ احد میں) شہید ہو گیا ہے۔ اس کے ذمے کافی سارا قرضہ ہے اور اس کے بہت سے عیال ہیں۔ (ان سب کی کفالت اور قرض کی ذمہ داری مجھ پر آن پڑی ہے اس لیے پریشان ہوں) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں تمہیں ایک بات بتلاؤں؟ اللہ تعالیٰ نے اب تک جس کسی سے بھی بات کی ہے، پردے کے پیچھے سے کی ہے اور اس نے تمہارے والد کے ساتھ روبرو بغیر حجاب کے کلام کیا ہے۔ اس نے کہا: اے میرے بندے! تو جو چاہے طلب کر، میں تجھے عطا کروں گا، تو تمہارے والد نے کہا: اے رب! تو مجھے زندہ کر کے دنیا میں بھیج دے تا کہ میں دوبارہ تیری راہ میں قتل (شہید) کیا جاؤں۔ تو رب تعالیٰ نے فرمایا: یہ تو میرا اٹل فیصلہ ہے کہ بندوں کو دنیا میں واپس نہیں بھیجا جائے گا۔ تو تمہارے والد نے کہا: اے رب! میرے پس ماندگان کو میرے متعلق اطلاع دے دے۔ تو اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی: [وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا] [آل عمران: ١٦٩] ''اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے گئے، تم انہیں مردہ مت سمجھو۔''

[**تحقیق و تخریج:** حسن ہے۔اسے امام ترمذی نے "السنن" (ح: ٣٠١٠)، ابن ماجہ نے "السنن" (ح:١٩٠)، امام احمد نے "المسند" (٣٦١/٣) اور حاکم نے "المستدرک" (٢٠٣/٣) میں روایت کیا ہے۔]

(٢٩٠) [حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، ثنا حَمَّادٌ يَعْنِي ابْنَ سَلَمَةَ، ثنا مُحَمَّدُ بْنُ عَمْرٍو، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: " لَقِيَ آدَمَ مُوسَى، فَقَالَ مُوسَى: أَنْتَ آدَمُ الَّذِي خَلَقَكَ اللَّهُ بِيَدِهِ، وَنَفَخَ فِيكَ مِنْ رُوحِهِ، وَأَسْكَنَكَ الْجَنَّةَ، وَأَسْجَدَ لَكَ مَلَائِكَتَهُ، ثُمَّ فَعَلْتَ مَا فَعَلْتَ، فَأَخْرَجْتَ ذُرِّيَّتَكَ مِنَ الْجَنَّةِ؟ فَقَالَ آدَمُ: يَا مُوسَى أَنْتَ مُوسَى الَّذِي اصْطَفَاكَ اللَّهُ بِرِسَالَاتِهِ، وَكَلَّمَكَ وَقَرَّبَكَ نَجِيًّا، وَآتَاكَ التَّوْرَاةَ، فَبِكَمْ تَجِدُهُ كَتَبَ عَلَيَّ الْعَمَلَ الَّذِي عَمِلْتُ قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَنِي؟ قَالَ: بِأَرْبَعِينَ سَنَةً. قَالَ: فَبِمَ تَلُومُنِي يَا مُوسَى؟ " قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "فَحَجَّ آدَمُ مُوسَى، فَحَجَّ آدَمُ مُوسَى، فَحَجَّ آدَمُ مُوسَى"]

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "آدم علیہ السلام کی موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی، تو موسیٰ علیہ السلام نے کہا: آپ وہی آدم ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا، اس نے اپنی روح آپ کے اندر پھونکی، آپ کو جنت میں ٹھہرایا اور اس نے اپنے فرشتوں کو آپ کے سامنے سجدہ ریز کیا، پھر آپ نے (اس سب کے

باوجود) وہ کام کیا کہ اپنی اولاد کو جنت سے نکلوا دیا۔ تو آدم علیہ السلام نے کہا: اے موسیٰ! آپ وہی موسیٰ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغامات (واحکامات) کے لیے منتخب کیا، وہ آپ سے ہم کلام ہوا اور آپ کو اپنے قریب تر کر کے آپ سے سرگوشی کی اور آپ کو تورات سے نوازا، تو آپ اس میں کیا پاتے ہیں کہ میں نے جو کچھ کیا وہ میری تخلیق سے کتنا عرصہ پہلے لکھ دیا گیا تھا؟ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: چالیس سال پہلے۔ تو آدم علیہ السلام نے کہا: موسیٰ! پھر آپ مجھے ملامت کیوں کرتے ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چنانچہ آدم علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام پر غالب آ گئے، آدم علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام پر غالب آ گئے۔''

[**تحقیق و تخریج:** اسے امام بخاری نے ''الصحیح'' (ح: ٤٧٣٦)، امام مسلم نے ''الصحیح'' (ح: ٢٦٥٢)، ابوداؤد نے ''السنن'' (ح: ٤٧٠١)، ترمذی نے ''السنن'' (ح: ٢١٣٤) اور ابن ماجہ نے ''السنن'' (ح: ٨٠) میں روایت کیا ہے۔]

(٢٩١) [حَدَّثَنَاهُ أَبُو سَلَمَةَ، ثنا حَمَّادٌ، عَنْ عَمَّارِ بْنِ أَبِي عَمَّارٍ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ، رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ يُحَدِّثُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. وَحُمَيْدٌ، عَنِ الْحَسَنِ، عَنْ جُنْدُبٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ''لَقِيَ آدَمَ مُوسَى'' ، فَذَكَرَ مِثْلَهُ إِلَّا أَنَّهُ قَالَ: " وَكَلَّمَكَ وَآتَاكَ التَّوْرَاةَ، وَقَرَّبَكَ نَجِيًّا؟ قَالَ: نَعَمْ، فَأَنَا أَقْدَمُ أَمِ الذِّكْرُ؟ قَالَ: الذِّكْرُ " قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ''فَحَجَّ آدَمُ مُوسَى'' ثَلَاثًا]

''جناب عمار بن ابی عمار سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا۔۔۔۔

اسی طرح حمید، حسن سے اور وہ سیدنا جندب رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”آدم علیہ السلام کی موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی“۔

اس کے بعد باقی ساری حدیث گزشتہ حدیث کی مانند بیان کی البتہ اس میں کچھ سیاق اس طرح ہے کہ آدم علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ اللہ تعالیٰ آپ سے ہم کلام ہوا اور آپ کو اس نے تورات عطا کی اور سرگوشی کرتے ہوئے آپ کو قریب تر کیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا: جی ہاں۔ یہ سب کچھ ہوا۔ تو آدم علیہ السلام نے کہا: اب آپ بتلائیں کہ پہلے کون ہے، میں یا اللہ تعالیٰ کی تحریر؟ موسیٰ علیہ السلام نے کہا: اللہ کی تحریر پہلے ہے۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ فرمایا: ”اس طرح آدم علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے میں غالب رہے۔“

[**تحقیق و تخریج:** صحیح ہے۔ اسے امام ابویعلیٰ نے ”المسند“ (ح: ١٥٢٨)، طبرانی نے ”المعجم الكبير“ (ح: ١٦٦٣)، بزار نے ”المسند“ (ح: ٩٤٨٦) ، (٩٤٨) اور احمد نے ”المسند“ (٢/٤٦٤) میں روایت کیا ہے۔]

(٢٩٢) [حَدَّثَنَاهُ أَبُو سَلَمَةَ، ثنا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ، ثنا أَبُو هَارُونَ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَزَادَ فِيهِ: "أَنْ يَا مُوسَى، أَرَأَيْتَ مَا عَلِمَ اللَّهُ أَنَّهُ سَيَكُونُ بُدٌّ مِنْ أَنْ يَكُونَ؟"]

”یہی حدیث سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے، اس میں ہے: اور

آدم علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا: موسیٰ! کیا خیال ہے۔ اللہ تعالیٰ (مستقبل کے بارے میں) جو کچھ جانتا ہے وہ پورا ہو کر رہے گا یا نہیں؟“

[**تحقیق و تخریج:** اس کی سند ضعیف ہے۔ ابوھارون ضعیف ہے۔]

(۲۹۳) [حَدَّثَنَاه عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، ثنا جَرِيرٌ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " احْتَجَّ آدَمُ وَمُوسَى عَلَيْهِمَا السَّلَامُ، فَقَالَ مُوسَى: يَا آدَمُ أَنْتَ الَّذِي خَلَقَكَ اللَّهُ بِيَدِهِ، وَنَفَخَ فِيكَ مِنْ رُوحِهِ؟ فَقَالَ لَهُ قَوْلًا كَبِيرًا، لَا أَحْفَظُهُ: أَغْوَيْتَ النَّاسَ، وَأَخْرَجْتَهُمْ مِنَ الْجَنَّةِ، فَقَالَ آدَمُ: يَا مُوسَى أَنْتَ الَّذِي اصْطَفَاكَ اللَّهُ بِرِسَالَاتِهِ، وَكَلَّمَكَ تَكْلِيمًا، تَلُومُنِي أَنْ أَعْمَلَ عَمَلًا قَدْ كَتَبَهُ اللَّهُ عَلَيَّ قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ؟ . قَالَ: فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ”فَحَجَّ آدَمُ مُوسَى“]

”سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”آدم علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام کے درمیان مباحثہ ہوا تو موسیٰ علیہ السلام نے ان سے کہا: آدم! تو وہ عظیم المرتبت شخصیت ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور اس نے آپ کے اندر اپنی روح پھونکی۔ اس کے علاوہ بھی انہوں نے بہت سی باتیں کہیں جواب مجھے یاد نہیں ہیں اور آپ نے ایک غلطی کا ارتکاب کر کے لوگوں کو جنت سے نکلوا دیا۔ تو آدم علیہ السلام نے کہا: موسیٰ! آپ بھی وہ عظیم شخصیت ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغامات

(واحکامات) کے لیے منتخب کیا اوراس نے آپ سے کلام کی۔ آپ مجھے ایسے کام پر ملامت کرتے ہیں جس کا کرنا اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان کی تخلیق سے بھی پہلے لکھ دیا تھا۔" اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اس طرح آدم علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام پر غالب رہے۔"

[تحقیق و تخریج: صحیح ہے۔ دیکھیے حدیث نمبر: 290۔]

(۲۹۴) سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا: اے میرے رب! ہماری آدم علیہ السلام سے ملاقات کرا دیجیے جنھوں نے ہمیں اور اپنے آپ کو جنت سے نکلوا دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی آدم علیہ السلام سے ملاقات کرادی تو موسیٰ علیہ السلام نے ان سے کہا: آپ ہمارے باپ آدم ہیں؟ انہوں نے کہا: جی ہاں۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا: آپ وہی ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنی روح پھونکی تھی اور تمام چیزوں کے نام تعلیم فرمائے تھے؟ پھر اس نے فرشتوں کو حکم دیا تو انہوں نے آپ کو سجدہ کیا تھا؟ آدم نے کہا: ہاں۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ آپ کو کس چیز نے اس بات پر آمادہ کیا کہ آپ خود کو اور ہم سب کو جنت سے نکال باہر کیا؟ آدم علیہ السلام نے ان سے پوچھا: آپ کون ہیں؟ انہوں نے کہا: میں موسیٰ ہوں۔ آدم علیہ السلام نے کہا: تم بنی اسرائیل کے نبی ہو؟ انہوں نے کہا: جی ہاں۔ آدم نے کہا: تم وہی ہو جن سے اللہ تعالیٰ نے پردے کے پیچھے سے کلام کیا اور اپنے اور تمہارے درمیان اپنی مخلوق میں سے کسی کو واسطہ نہیں بنایا تھا؟ انہوں نے کہا: جی ہاں۔ آدم علیہ السلام نے کہا: کیا تم نے اللہ کی کتاب میں یہ نہیں پایا کہ یہ سب کچھ میری تخلیق

سے پہلے ہی اللہ کی کتاب میں موجود تھا؟ موسیٰ علیہ السلام نے کہا: کیوں نہیں! آدم علیہ السلام نے کہا: پھر آپ مجھے ایسی چیز پر ملامت کرتے ہیں جو میرے متعلق پہلے سے اللہ کے فیصلے میں تھی؟ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس طرح آدم علیہ السلام، دلیل میں موسیٰ علیہ السلام پر غالب آ گئے۔''

[تحقیق و تخریج: حسن ہے۔ اسے امام ابوداؤد نے ''السنن'' (ح: ٤٧٠٢) میں روایت کیا ہے۔ اس کی اصل صحیحین میں ہے۔]

(٢٩٥) سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حدیث شفاعت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''پھر لوگ (شفاعت کے لیے) ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں جائیں گے تو وہ معذرت کرتے ہوئے کہیں گے کہ یہ کام میرے بس کا نہیں۔ تم موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ کیونکہ ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے کلام کیا تھا۔ پھر موسیٰ علیہ السلام بھی یہی کہیں گے کہ یہ کام میرے بس کا نہیں۔

[تحقیق و تخریج: حسن ہے۔ دیکھیے حدیث نمبر 181۔]

(٢٩٦) سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا: ''جبریل نے آ کر مجھ سے کہا ہے کہ آپ (صحابہ کے ہاں) جا کر اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کا تذکرہ کریں جس سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو نوازا ہے۔ انہوں نے مجھے ایسی دس باتوں کی بشارت دی ہے جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئی ہیں۔ اس نے مجھے دنیا بھر کے لوگوں کی طرف مبعوث کیا ہے اور اس نے مجھے حکم فرمایا کہ میں جنات کو بھی اس کی نافرمانی سے بچنے کی تلقین کروں اور اس نے مجھے اپنا کلام

سکھایا ہے۔ حالانکہ میں اُمّی ہوں اور داؤد علیہ السلام کو زبور، موسیٰ علیہ السلام کو الواح (تختیاں) اور عیسیٰ علیہ السلام کو انجیل سے نوازا گیا ہے۔''

[**تحقیق و تخریج:** اس کی سند ضعیف ہے۔ ابن لہیعۃ مختلط ہے اور سیدنا عبادہ سے روایت کرنے والا مجہول ہے۔]

(۲۹۷) عطیہ بن قیس کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کے کلام سے بڑھ کر کوئی کلام (زیادہ عظمت والا) نہیں اور بندے اللہ کے کلام سے بڑھ کر کوئی دوسرا کلام اللہ کی خدمت میں پیش نہیں کر سکتے۔''

[**تحقیق و تخریج:** اس کی سند ضعیف ہے۔ ابوبکر بن ابی مریم ضعیف ہے۔]

(۲۹۸) سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے، میں آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر آپ کے قریب بیٹھ گیا اور دریافت کیا کہ سب سے پہلے نبی کون تھے؟ آپ نے فرمایا: ''آدم علیہ السلام۔'' میں نے عرض کیا: آیا وہ نبی تھے؟ فرمایا: ہاں، وہ نبی تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ کلام کیا تھا۔''

[**تحقیق و تخریج:** اس کی سند ضعیف ہے۔ اسے امام احمد ''المسند'' (۱۷۸/۵) اور ابن ابی شیبہ نے ''المصنف'' (ح: ۳۷۰۸۳) میں روایت کیا ہے۔ ابوعمر وضعیف ہے۔ عبید بن حسحاس بھی ضعیف ہے اس کا سیدنا ابوذر سے سماع بھی ثابت نہیں۔]

(۲۹۹) سیدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک آدمی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر دریافت کیا: اللہ کے نبی! کیا آدم علیہ السلام نبی تھے؟ آپ نے فرمایا: ''ہاں! اللہ تعالیٰ نے ان سے کلام کیا تھا۔'' اس نے عرض کیا: ان کے اور نوح علیہ السلام کے مابین کتنا وقفہ تھا؟ آپ نے فرمایا: دس صدیاں۔

[**تحقیق و تخریج:** حسن ہے۔ اسے امام طبرانی نے "المعجم الکبیر" (ح: ۷۵٤٥)، ابن حبان نے "الصحیح" (ح: ٦١٩٠) اور بیہقی نے "اسماء الله وصفاته" (ح: ٤٤٦) میں روایت کیا ہے۔]

(۳۰۰) ام المؤمنین سیدہ جویریہ بنت الحارث بن ابی ضرار رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ہاں باہر سے تشریف لے گئے تو یہ اس وقت مسجد میں تھیں۔ کافی دن چڑھے آپ گھر واپس آئے تو مجھے (اسی جگہ پر بیٹھے) دیکھ کر فرمایا: ''میں جب گیا تم اس وقت سے یہیں بیٹھی (اذکار کر رہی) ہو؟'' میں نے عرض کیا: جی ہاں۔ آپ نے فرمایا: ''میں نے تمہارے ہاں سے جانے کے بعد مندرجہ ذیل چار کلمات صرف تین مرتبہ پڑھے ہیں۔ اگر ان کے ثواب کا تمہارے اذکار سے موازنہ کیا جائے تو کلمات وزن میں زیادہ ہوں گے۔ وہ کلمات ہیں: (سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ، عَدَدَ خَلْقِهِ، وَرِضَى نَفْسِهِ، وَزِنَةَ عَرْشِهِ، وَمِدَادَ كَلِمَاتِهِ) ''پاک ہے اللہ اور اس کی حمد کے ساتھ، اس کی مخلوق کی تعداد کے برابر، اس کے نفس کی رضا اور اس کے عرش کے وزن کے برابر اور اس کے کلمات کی روشنی کے برابر۔''

[**تحقیق و تخریج:** اسے امام مسلم نے "الصحیح" (۲۷۲٦)، اور ابوداؤد نے "السنن" (ح: ۱۰۵۳) ترمذی نے "السنن" (ح: ۳۵۵۵)، نسائی نے "السنن" (ح: ۱۳۵۳) اور ابن ماجہ نے "السنن" (ح: ۳۸۰۸) میں روایت کیا ہے۔]

(۳۰۱) سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قیامت کے دن اللہ تعالیٰ زمین کو مٹھی میں اور آسمان کو اپنے داہنے ہاتھ میں لپیٹ لے گا،

پھر فرمائے گا: میں ہی بادشاہ ہوں، زمین کے بادشاہ کہاں ہیں؟''

[تحقیق و تخریج: اسے امام بخاری نے ''الصحیح'' (ح: ٤٨١٢)، مسلم نے ''الصحیح'' (ح: ٢٧٨٧)، ابن ماجہ نے ''السنن'' (ح: ١٩٢) اوراحمد نے ''المسند'' (٣٧٤/٢) میں روایت کیا ہے۔]

(٣٠٢) سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تین قسم کے لوگوں سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کلام نہیں کرے گا، نہ ان کی طرف (رحمت کی نظر سے) دیکھے گا اور نہ انہیں گناہوں سے پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔'' میں (ابوذر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: (اللہ کے رسول!) وہ کون لوگ ہوں گے؟ وہ تو بالکل ناکام اور ازحد خسارے میں ہوں گے۔

ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: آپ نے اپنی بات کو تین مرتبہ دہرایا اور میں نے بھی اپنے الفاظ ہر دفعہ دہراتے ہوئے کہا کہ وہ تو ناکام اور خسارے میں ہوں گے۔ آپ نے فرمایا: ''اپنی ازار (چادر، شلوار) کو ٹخنوں سے نیچے رکھنے والا، کسی کے ساتھ حسن سلوک کرنے کے بعد احسان جتلانے والا اور جھوٹی قسمیں کھا کر اپنا مال بیچنے والا۔''

[تحقیق و تخریج: اسے امام مسلم نے ''الصحیح'' (ح: ١٠٦)، ابوداؤد نے ''السنن'' (ح: ٤٠٨٧)، ترمذی نے ''السنن'' (ح: ١٢١١)، نسائی نے ''السنن'' (ح: ٢٥٦٤) اورابن ماجہ نے ''السنن '' (ح: ٢٢٠٨) میں روایت کیا ہے۔]

(٣٠٣) سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احد کے دن تمام شہداء کی نماز جنازہ پڑھائی۔ میں واپس آیا تو طبیعت کافی بوجھل تھی۔

میرا باپ شہید ہوا تھا۔ اس کے ذمے کافی قرض تھا اور افرادِ خانہ بھی بہت تھے۔ ان کی کفالت وسر پرستی کی ذمہ داری کی وجہ سے کافی پریشان تھا۔ رات ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے مجھے بلوا کر فرمایا: ''جابر! اللہ تعالیٰ نے تمہارے والد کو زندہ کرنے کے بعد اس کے ساتھ کلام کیا ہے۔'' جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: کیا اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ کلام کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ''(ہاں) اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ کلام کرتے ہوئے فرمایا کہ تم جو چاہتے ہو، اپنی تمنا کا اظہار کرو۔ تو اس نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ تو میری روح کو میرے جسم میں لوٹا کر مجھے دوبارہ (دنیا میں) اسی طرح بھیج دے جیسے میں پہلے تھا اور تو مجھے اپنے نبی کے پاس واپس بھیج دے تاکہ میں تیری راہ میں جہاد کر کے ایک دفعہ پھر شہید کر دیا جاؤں۔''

[**تحقیق و تخریج:** حسن ہے۔ اسے امام حاکم نے ''المستدرک'' (۲/ ۱۱۹، ۱۲۰) اور بیہقی نے ''الخلافیات'' (ح: ۳۰۵۷) میں روایت کیا ہے۔ ابن عقیل کو جمہور نے ضعیف کہا ہے۔ اس کے حسن شاہد کے لیے ملاحظہ ہوں: 289۔]

(۳۰۴) ابوالزعراء کہتے ہیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بے شک یہ قرآن اللہ کا کلام ہے۔ میں تمہیں ایسا کرتے نہ دیکھوں کہ تم اسے اپنی خواہشات اور مرضی کے مطابق توڑتے موڑتے رہو، ایسے کافر کی بات الگ ہے، وہ اپنے ناپاک عزائم کے لیے جو جی میں آئے کہتا پھرے۔

[**تحقیق و تخریج:** اس کی سند ضعیف ہے۔ اسے امام دارمی نے ''السنن'' (ح: ۳۳۵۵) میں روایت کیا ہے، لیث بن ابی سلیم ضعیف ہے۔]

(٣٠٥) سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: دو چیزیں ہیں: ایک تو سیرت (یعنی طریقۂ کار) اور دوسری کلام۔ کلاموں میں سے بہترین کلام اللہ کا ہے اور سیرتوں میں سے بہترین سیرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔

[تحقیق و تخریج: اسے امام بخاری نے ”الصحیح“ (ح: ٦٠٩٨) بیہقی نے ”شعب الإیمان“ (ح: ٤٧٨٨) میں روایت کیا ہے۔]

(٣٠٦) مسروق (تابعی) سے روایت ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: قرآن اللہ کا کلام ہے تو جس آدمی نے اس حوالے سے (اپنی رائے سے) کچھ کہا، وہ یہ بات جان لے کہ وہ جو کچھ کہہ رہا ہے اللہ کے بارے میں کہہ رہا ہے۔

[تحقیق و تخریج: اس کی سند ضعیف ہے۔ اسے امام بیہقی نے ”شعب الإیمان“ (ح: ٢٠٨٣) میں روایت کیا ہے۔ مجالد بن سعید ضعیف ہے۔]

(٣٠٧) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: مجھ سے کچھ انصاری صحابہ نے بیان کیا کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھے تھے کہ (آسمان پر) ایک ستارہ ٹوٹ کر بکھر گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت فرمایا: (اسلام سے قبل) جب اس قسم کا واقعہ ہوتا تو تم دورِ جاہلیت میں اس کے متعلق کیا کہا کرتے تھے؟“ انہوں نے کہا: بہتر تو اللہ اور اس کا رسول ہی جانتے ہیں کہ یہ کیا ہوتا ہے؟ البتہ ہم کہا کرتے تھے کہ آج رات دنیا میں کسی عظیم آدمی کی یا تو ولادت ہوئی ہے یا کسی عظیم آدمی کی موت واقع ہوئی ہے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”یہ ستارے نہ تو کسی آدمی کی ولادت کی وجہ سے ٹوٹ کر بکھرتے ہیں اور نہ کسی کی وفات کی وجہ سے۔ اس کی

حقیقت یہ ہے کہ ہمارا رب جب کسی کام کا فیصلہ کرتا ہے تو اللہ کے عرش کو اٹھانے والے فرشتے اللہ کی تسبیح کرتے ہیں۔ اس کے بعد ان کے قریب والے (یعنی ساتویں آسمان والے) فرشتے اللہ کی تسبیح کرتے ہیں۔ پھر ان کے بعد ان سے نیچے والے۔ اس طرح اللہ کی تسبیح کا یہ سلسلہ آسمانِ دنیا تک آ پہنچتا ہے۔ پھر ساتویں آسمان والے فرشتے، حاملین عرش سے پوچھتے ہیں کہ آپ کے رب نے کیا فرمایا ہے؟ وہ انہیں آسمان والوں کی تسبیح سے آگاہ کرتے ہیں اور اس طرح اللہ کے فیصلے کی خبر اس آسمانِ دنیا والوں تک آ پہنچتی ہے۔ تو جنات اللہ کے فیصلے (فرشتوں کی آواز) کو اچک لیتے اور دنیا میں اپنے شیاطین (شرارتی انسانوں) جادوگروں وغیرہ تک پہنچا دیتے ہیں۔ یہ جادوگر کاہن جب وہ سنی ہوئی بات لوگوں کو بتاتے ہیں تو وہ سچ ثابت ہو جاتی ہے لیکن وہ اس (ایک بات) کے ساتھ اپنی طرف سے بھی کچھ شامل کر دیتے ہیں۔ (وہ جھوٹ ہوتی ہے)“

[**تحقیق و تخریج:** اسے امام مسلم نے ”الصحیح“ (۲۲۲۹)، ترمذی نے ”السنن“ (ح: ۳۲۲٤)، نسائی نے ”السنن الکبریٰ“ (ح: ۱۱۲۰۸) اور ابو یعلیٰ نے ”المسند“ (ح: ۲٦۰۹) میں روایت کیا ہے۔]

(۳۰۸) سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ وحی کی کلام فرماتا ہے تو آسمان والے فرشتے کچھ اس قسم کی آواز سنتے ہیں، جیسے زنجیر کو پتھر پر گھسیٹا جائے۔ فرشتے اللہ تعالیٰ کی آواز سن کر خوف زدہ ہو جاتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ شاید قیامت بپا ہو گئی۔ یہی بات اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ذکر کی ہے:

[حَتَّى إِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوبِهِمْ قَالُوا مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ، قَالُوا الْحَقَّ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ]

''حتیٰ کہ جب ان کے دلوں سے خوف کی کیفیت زائل ہوجاتی ہے تو وہ دریافت کرتے ہیں کہ تمہارے رب نے کیا کہا؟ وہ کہتے ہیں: اس نے حق (سچ) کہا ہے، اور وہی بہت بلند اور بہت بڑا ہے۔''

[سبأ: ٢٣]

[**تحقیق و تخریج:** صحیح ہے۔ اسے امام ابن خزیمہ نے ''التوحید'' (ح: ٢٠٩/١، ٣٥١)، بیہقی نے ''اسماء الله وصفاته'' (ح: ٤٣٨) اور امام بخاری نے ''خلق افعال العباد'' (ح: ٤٨٢) میں روایت کیا ہے۔]

(٣٠٩) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اللہ عزوجل جب وحی کے ساتھ کلام کرتا ہے تو فرشتے ایسی آواز سنتے ہیں جیسے پتھر پر لوہے کی زنجیر کو گھسیٹا جائے۔ یہ آواز سن کر فرشتے اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز ہوجاتے ہیں۔ اسی سلسلہ میں اللہ فرماتا ہے:

[إِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوبِهِمْ قَالُوا مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ، قَالُوا الْحَقَّ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ]

''جب ان کے دلوں سے خوف کی کیفیت زائل ہوجاتی ہے تو وہ پوچھتے ہیں: تمہارے رب نے کیا کہا ہے؟ وہ کہتے ہیں: اس نے حق (سچ) ہی کہا ہے، اور وہی بہت بلند اور بہت بڑا ہے۔''

[سبأ: ٢٣]

اس کے بعد شیطان زمین پر آ کر ایک بات کے ساتھ (اپنی طرف سے) ستر جھوٹ ملا دیتا ہے۔''

[**تحقیق و تخریج:** اس کی سند ضعیف ہے۔ یزید بن ابی زیاد ضعیف ہے، سابقہ روایت اس سے بے نیاز کر دیتی ہے۔]

(۳۱۰) فروہ بن نوفل کہتے ہیں کہ میں خباب رضی اللہ عنہ کا پڑوسی تھا۔ ایک دن ہم جمعہ کی ادائیگی کے لیے ان کے ساتھ نکلے تو انہوں نے میرا ہاتھ پکڑا اور فرمایا: اے میرے دوست! اپنی استطاعت کے مطابق اللہ کا قرب حاصل کرو کیونکہ تم جس چیز کے ذریعے سے اللہ کا قرب حاصل کرو گے۔ ان میں اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب اس کا کلام ہے۔''

[**تحقیق و تخریج:** حسن ہے۔ اسے امام ابن ابی شیبہ نے ''المصنف'' (ح: ۳۰۷۲۲)، حاکم نے ''المستدرک'' (۲/۴٤۱) اور عبداللہ بن احمد نے ''السنة'' (ح: ۱۱۱) میں روایت کیا ہے۔]

(۳۱۱) ابن شہاب زہری کہتے ہیں کہ مجھے عروہ بن زبیر، سعید بن مسیّب، علقمہ بن وقاص اور عبیداللہ بن عبداللہ نے ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے حدیث بیان کی جس میں ہے کہ کچھ الزام لگانے والوں نے ان پر الزام (تہمت) لگایا تھا تو اللہ تعالیٰ نے اس الزام سے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءت کا اعلان فرمایا تھا، مجھ کو یہ حدیث بیان کرنے والوں کے بیانات قدرے مختلف ہیں البتہ ان کی بیان کردہ حدیث کے بعض الفاظ اور حصے ایک دوسرے کی تائید و تصدیق کرتے ہیں، یہ بھی

حقیقت ہے کہ روایتِ حدیث میں یہ سب برابر نہیں۔ اس میں سے بعض کو دوسروں کی نسبت حدیث زیادہ ہے۔ ان حضرات نے بیان کیا کہ (براءت نازل ہونے کے بعد) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: میرے وہم گمان میں بھی نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ میری براءت کے حوالے سے ایسا کلام فرمائے گا جس کی تلاوت کی جایا کرے گی، مجھے تو محض اتنی توقع تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی خواب دیکھیں گے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ میری براءت واضح کر دے گا۔

[**تحقیق و تخریج:** اسے امام بخاری نے "الصحیح" (ح: ۲٦٦۱)۔ امام مسلم نے "الصحیح" (ح: ۲۷۷۰)، ابوداؤد نے "السنن" (ح: ٤۷۳٥)، ابویعلیٰ نے "المسند" (ح: ٤۹۲۷) اورامام احمد نے "المسند" (٦ / ۱۹٦-۱۹۷) میں روایت کیا ہے۔]

(۳۱۲) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک آدمی لایا گیا جسے کسی زہریلی چیز نے ڈس لیا تھا، آپ نے فرمایا: "اگر اس آدمی نے درج ذیل دعا پڑھی ہوتی تو اسے کچھ نقصان نہ پہنچتا۔" یا آپ نے فرمایا کہ اسے کوئی چیز نہ ڈستی۔" اس دعا کے الفاظ کچھ یوں ہیں: ((أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللَّهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ)) "میں اللہ تعالیٰ کے کامل کلمات کے ذریعے اس کی پیدا کی ہوئی مخلوق کے شر سے پناہ چاہتا ہوں۔"

[**تحقیق و تخریج:** اسے امام مسلم نے "الصحیح" (ح: ۲۷۰۹)، ابوداؤد نے "السنن" (ح: ۳۸۹۹) اوراحمد نے "المسند" (۳۷٥/۲) میں روایت کیا ہے۔]

(۳۱۳) سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں

گھبراہٹ سے محفوظ رہنے کے لیے یہ دعا تعلیم فرمایا کرتے تھے: ((أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللَّهِ التَّامَّةِ، مِنْ غَضَبِهِ، وَمِنْ شَرِّ عِبَادِهِ، وَمِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِينِ ، وَأَنْ يَحْضُرُونِ)) ''میں اللہ تعالیٰ کے کامل کلمات کے ذریعہ سے پناہ میں آتا ہوں اس کی ناراضی سے، اس کے بندوں کی شرارتوں سے، شیطانوں کے وسوسوں سے اور اس بات سے کہ وہ (شیاطین) میرے پاس آئیں۔''

[**تحقیق و تخریج:** اسے امام ابوداؤد نے ''السنن'' (ح: ٣٨٩٣)، ترمذی نے ''السنن'' (ح: ٣٥٢٨)، نسائی نے ''السنن الکبریٰ'' (ح: ١٠٥٣٣)، احمد نے ''المسند'' (١٨١/٢) اور حاکم نے ''المستدرک'' (٥٤٨/١) میں روایت کیا ہے۔ محمد بن اسحاق مدلس کا عنعنہ ہے۔]

(٣١٥) یہی حدیث عثمان بن ابی شیبہ نے جریر سے، اس نے محمد بن اسحاق اور اس نے عمرو بن شعیب سے اسی طرح روایت کی ہے البتہ اس میں ''من غضبه '' کے بعد ''عقابه'' کے الفاظ بھی ہیں کہ میں اس (اللہ) کے عقاب سے بچنے کے لیے اس کے کامل کلمات کے ذریعہ سے پناہ میں آتا ہوں۔''

[**تحقیق و تخریج:** ایضاً]

(٣١٦) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کو دم کرتے ہوئے یوں کہا کرتے تھے: ((أُعِيذُكُمَا بِكَلِمَاتِ اللَّهِ التَّامَّةِ، مِنْ شَرِّ كُلِّ شَيْطَانٍ وَهَامَّةٍ، وَمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَامَّةٍ)) ''میں تم دونوں کو اللہ کے کلمات کے ساتھ پناہ میں دیتا ہوں کہ ہر شیطان ہر موذی اور ہر بدنظر کے شر سے

محفوظ رہو۔"

آپ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ تمہارے باپ سیّدنا ابراہیم علیہ السلام سیّدنا اسماعیل اور سیّدنا اسحاق علیہما السلام کو انہی کلمات سے دم کیا کرتے تھے۔"

[تحقیق و تخریج: اسے امام بخاری نے "الصحیح" (ح: ٣٣٧١)، ابوداؤد نے "السنن" (ح: ٤٧٣٧)، ترمذی نے "السنن" (ح: ٢٠٦٠) اور ابن ماجہ نے "السنن" (ح: ٣٥٢٥) میں روایت کیا ہے۔]

(٣١٧) سیدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے کہا کہ میں نے عرض کیا: اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سب سے پہلے نبی کون ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "آدم علیہ السلام۔" میں نے دریافت کیا: کیا وہ نبی تھے؟ فرمایا: "ہاں۔ اللہ نے ان سے کلام کیا تھا۔ اللہ نے انہیں اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور آمنے سامنے ان سے کلام کیا۔ اور فرمایا: [اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ] [البقرة: ٣٥] "اے آدم! آپ اور آپ کی بیوی (دونوں) جنت میں سکونت رکھو۔"

[تحقیق و تخریج: اس کی سند ضعیف ہے۔ علی بن یزید اور عثمان بن ابی العاتکۃ ضعیف ہیں۔ حدیث نمبر: 299 اس سے بے نیاز کر دیتی ہے۔]

(٣١٨) سیدنا عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کا بیان ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "عنقریب (قیامت کے دن) تم میں سے ہر ایک کے ساتھ اللہ تعالیٰ کلام کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اور بندوں کے درمیان کوئی ترجمان نہیں ہوگا۔"

[تحقیق و تخریج: اسے امام بخاری نے "الصحیح" (ح: ٧٤٤٣)، مسلم نے "الصحیح" (ح: ١٠١٦)، ترمذی نے "السنن" (ح: ٢٤١٥) اور ابن ماجہ نے "السنن"

(ح: ١٨٥) میں روایت کیا ہے۔]

(۳۱۹) سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تین قسم کے آدمیوں سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نہ تو کلام کرے گا، نہ ان کو گناہوں سے پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا: (۱) اپنی چادر (شلوار کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانے والا۔ (۲) کسی پر احسان کر کے جتلانے والا اور (۳) جھوٹی قسمیں کھا کر اپنا سامان فروخت کرنے والا۔''

[تحقیق و تخریج: اسے امام مسلم نے ''الصحیح'' (ح: ١٠٦)، ابوداؤد نے ''السنن'' (ح: ٤٠٨٧)، ترمذی نے ''السنن'' (ح: ١٢١١)، نسائی نے ''السنن'' (ح: ٢٥٦٤) اور ابن ماجہ نے ''السنن'' (ح: ٢٢٠٨) میں روایت کیا ہے۔]

(۳۲۰) عقبہ بن بشیر بن مغیرہ بن بشیر اسدی کہتے ہیں کہ میں نے محمد بن علی بن الحسین ہاشمی سے کہا: ابوجعفر! عربی زبان میں سب سے پہلے کس نے کلام کیا تھا؟ انہوں نے کہا کہ اللہ کے نبی اسماعیل بن ابراہیم علیہ السلام نے۔ تب ان کی عمر تیرہ (۱۳) برس تھی۔ میں نے عرض کیا: اس سے پہلے لوگوں کی زبان کون سی تھی؟ انہوں نے بتلایا کہ عبرانی زبان تھی۔ میں نے دریافت کیا: اس زمانے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں (علیہم السلام) اور بندوں پر جو کلام نازل فرمایا تھا، وہ کس زبان میں تھی؟ انہوں نے کہا کہ عبرانی زبان میں۔

[تحقیق و تخریج: اس کی سند ضعیف ہے۔ عقبہ بن بشیر مجہول ہے۔]

(۳۲۱) جزء بن جابر خشعمی کہتے ہیں کہ انہوں نے کعب الاحبار کو بیان کرتے سنا کہ جب اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کلام کیا تو اس نے اس وقت کی

زبان سے پہلی تمام زبانوں میں کلام کیا۔تو موسیٰ علیہ السلام کہنے لگے: اے رب! میں یہ زبانیں نہیں سمجھتا۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے اس زبان اور آواز میں کلام کیا جو موسیٰ علیہ السلام کی تھی۔

[**تحقیق و تخریج:** اس کی سند ضعیف ہے۔ جزء بن جابر مجہول ہے۔ اس میں اور بھی علت ہے۔]

(۳۲۲) قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: [إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِالذِّكْرِ لَمَّا جَاءَهُمْ وَإِنَّهُ لَكِتَابٌ عَزِيزٌ لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ][فصلت: ٤٢] ''بے شک جن لوگوں نے ''الذکر'' کے ساتھ کفر کیا جب وہ ان کے پاس آیا۔ وہ یقیناً ایک ''عَزِیز'' (بلند مرتبہ) کتاب ہے۔ جس کے پاس باطل نہیں آ سکتا۔''

سعید بن بشیر کہتے ہیں کہ قتادہ نے اس آیت کی تفسیر میں کہا کہ ''الذکر'' سے مراد ''قرآن'' ہے۔ اور کتاب کے ''عزیز'' ہونے سے مراد ہے کہ یہ چونکہ اللہ کا کلام ہے ۔اس طرح اللہ نے اسے عزت دی ہے۔ اور باطل سے مراد ابلیس ہے وہ اس کے حق میں کچھ کمی یا اس میں باطل (جھوٹ اور کفریہ باتوں) کی آمیزش نہیں کر سکتا۔

[**تحقیق و تخریج:** اس کی سند ضعیف ہے۔ سعید بن بشیر ضعیف ہے۔ فضائل القرآن لابن الضریس (ح: ۱۲۲) میں سعید بن بشیر کے بجائے سعید بن ابی عروبہ ہے۔ سعید بن ابی عروبہ مدلس ہے۔]

(۳۲۳) ابو سعید رحمہ اللہ (مصنف کتاب ہذا) کہتے ہیں کہ مذکورہ بالا احادیث اور ان کے علاوہ ان جیسی ان سے بھی زیادہ احادیث ہیں جو اللہ تعالیٰ کے کلام

پر ایمان لانے کے حوالے سے کتاب اللہ کے موافق ہیں۔ ان گمراہ لوگوں نے جو شبہات اور مغالطے گھڑے ہوئے ہیں جن کی وجہ سے یہ اللہ تعالیٰ کی صفات کو ردّ کرتے اور ان کی وجہ سے اس کے کلام کو تبدیل کرتے ہیں، یہ نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں جو کچھ ذکر کیا ہے، وہ پوری اُمت کے لیے کافی تھا، بلاشبہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہر لحاظ سے کامل اور شافی ہے البتہ جو آدمی باطل تاویل کی گمراہی میں جانا چاہتا ہے۔اس کو ان آیات سے اطمینان نہیں ہوتا۔

ہم نے جب یہ صورتحال دیکھی تو ہم نے رسول اللہ ﷺ کی احادیث اور صحابہ کرام و تابعین عظام کے آثار یکجا کر دیے تا کہ لوگ جان لیں کہ ان (جہمیہ) کے سوا اُمت کے باقی لوگ (صفات باری تعالیٰ میں) وہی کہتے ہیں جو اللہ عزوجل نے کیا ہے اور وہ ان آیات کے ظاہری مفہوم پر ایمان رکھتے ہیں کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔وہ ان آیات کی کسی قسم کی تاویل نہیں کرتے۔

صحابہ و تابعین کے زمانوں کے بعد یہ لوگ پیدا ہوئے جو اللہ تعالیٰ کی کتاب کی نصوص کو ردّ کرتے اور اپنے مغالطوں کے ذریعے اللہ کے کلام اور اس کی صفاتِ مقدسہ کا انکار کرتے ہیں۔

یہ لوگ رسول اللہ ﷺ یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے میں ہوتے تو ان کے ساتھ وہی سلوک کیا جاتا جو اسلام سے مرتد ہونے والوں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ یہ لوگ اپنے جن غلط عقائد و نظریات کی بنا پر اہل اسلام سے الگ ہوئے ہیں ان میں سے پہلا ملعون کلمہ (نظریہ) یہ ہے کہ یہ لوگ اللہ کے کلام کو مخلوق (پیدا کردہ) سمجھتے ہیں۔

ان کے اس نظریے کی تردید میں وہ آیات، احادیث اور آثار کافی ہیں جو ہم قبل ازیں بیان کر چکے ہیں۔

(۳۳۴) ان لوگوں کی تردید کے لیے قرآن وحدیث کے دلائل کے علاوہ عام عقلی دلائل بھی بے شمار ہیں، ہمیں اندیشہ ہے کہ عام کمزور لوگوں کے دل اس قدر زیادہ دلائل کو برداشت نہیں کر سکیں گے۔ اس لیے ہم یہ زیادہ دلائل ذکر نہیں کرتے، لیکن جو بھی آدمی اللہ کی کتاب کی آیات اور احادیثِ رسول ﷺ میں غور وفکر کرے گا وہ ضرور ان سے کہے گا کہ اللہ تعالیٰ نے اور اس کے بعد اس کے رسول ﷺ نے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے قرآن کریم کو اللہ کا کلام کہا ہے اور تم اسے مخلوق کہتے ہو۔

اسی سے یہ عیاں ہو جاتا ہے کہ یہ لوگ اللہ کے، اس کے رسول ﷺ کے اور پوری اُمت کے مخالف عقیدہ رکھتے ہیں، اور وہ ان (جہمیہ) سے کہیں گے کہ تمہارے عقیدے کے مطابق اگر قرآن مخلوق ہے تو اس کی تائید میں قرآن کی کوئی آیت، رسول اللہ ﷺ کی کوئی احادیث یا تابعین وتبع تابعین سے کوئی دلیل پیش کرو۔ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ تم تا قیامِ قیامت ایسی کوئی دلیل نہیں لا سکتے۔

اور یہ تمہاری کیسی دیدہ دلیری ہے کہ تم رسول اللہ ﷺ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان سے بعد آنے والے اہل اسلام کی طرف کفریہ (غلط) بات کی نسبت کرتے ہو۔

(۳۳۵) تو ان (جہمیہ) میں بعض لوگ بعض ایسی غلط تفاسیر اور مفاہیم کا آسرا لیتے جو یقیناً کفر ہیں اور قرآن وسنت اور اجماع میں ان کی اصل بالکل نہیں۔

(۳۳۶) میں نے ان (جہمیہ) کے بعض لوگوں سے کہا کہ تم ان علمی

مغالطوں کو ایک طرف رکھو۔ تمہاری نسبت ہم انہیں زیادہ جانتے اور بہتر سمجھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی کتاب کے بارے میں اس مقام پر نہیں پہنچائے گا کہ تفسیر قرآن کے حوالے سے تمہاری باتوں پر اعتماد کیا جاسکے۔ یا تمہاری کسی رائے کو قبول کیا جاسکے ۔ ہم تمہارے سامنے اللہ کی طرف سے، اس کے رسول ﷺ اور پوری اُمت کی طرف سے بے شمار دلائل پیش کر چکے ہیں کہ قرآن کریم اللہ کا سچا کلام ہے۔ اگر تمہارے پاس اپنے دعوے کے اثبات کے حوالے سے کوئی ایسی دلیل ہے کہ اللہ نے یا اس کے رسول ﷺ نے یا اُمت میں سے کسی نے قرآن کو مخلوق کہا ہو تو اس کے اثبات میں کوئی دلیل پیش کرو۔ ورنہ تم اپنے اس انوکھے عقیدے کی وجہ سے قدیم و موجودہ مسلمانوں سے بالکل الگ ہو۔ اللہ کی نازل کردہ آیات میں الحاد کرتے ہو۔ اللہ، اس کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ پر افتراء کرنے والے ہو۔ ان میں سے تم کسی سے بھی اپنے دعوے کے اثبات میں کوئی دلیل پیش نہیں کرسکتے۔

(۳۲۷) تم لوگ ذرا اپنے اس عقیدے کی وضاحت تو کرو کہ قرآن مخلوق ہے تو اللہ نے اسے کب پیدا کیا؟ اللہ نے اسے کہا کہ کن (تو وجود میں آجا) جو یہ ایک ایسا کلام ہوا جو کسی متکلم کے بغیر وجود میں آیا؟ تمام لوگ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی ایسا کلام پیدا نہیں کیا جسے دیکھا، سنا جاسکتا ہے اور اس کو بولنے والا کوئی بھی نہ ہو۔

تمہیں اپنے دعوے کے حوالے سے لازمی طور پر یہ کہنا پڑے گا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کے ساتھ کلام کیا ہے اور اس طرح تم اسے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب

کرتے ہو۔

تو یہ کتنا بڑا ظلم اور جھوٹ ہے کہ تم مخلوق کے کلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرو۔ اگر تمہاری یہ بات کفر نہ بھی ہوتوکم ازکم جھوٹ تو ہے ہی۔ حالانکہ اس کے کفر ہونے میں کوئی شک نہیں۔ مخلوق میں سے جو کوئی اللہ تعالیٰ پر اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو اسے یہ حق نہیں پہنچتا اور نہ اسے روا ہے کہ وہ ربوبیت کا دعویٰ کرے۔ اور لوگوں کو اپنی عبادت کی طرف دعوت دے اور یوں کہے کہ:

[إِنَّنِي أَنَا اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدْنِي][طه: ١٤] ''بے شک میں ہی اللہ ہوں۔ میرے سوا کوئی معبود نہیں۔ پس آپ میری عبادت کریں۔''

یا یوں کہے: [إِنِّي أَنَا رَبُّكَ][طه: ١٢] ''اور میں ہی آپ کا رب ہوں۔''

یا کہے: [وَأَنَا اخْتَرْتُكَ][طه: ١٣] ''اور میں نے آپ کو چن لیا ہے۔''

یا کہے: [وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِي، اذْهَبْ أَنْتَ وَأَخُوكَ بِآيَاتِي وَلَا تَنِيَا فِي ذِكْرِي][طه: ٤٢] ''اور میں نے آپ کو اپنے لیے بنایا ہے۔ آپ اور آپ کا بھائی میری آیات لے کر جاؤ اور میرے ذکر میں سستی نہ کرو۔''

یا کہے: [إِنَّنِي مَعَكُمَا أَسْمَعُ وَأَرَى][طه: ٤٦] ''میں تمہارے ساتھ ہوں۔ تمہاری ہر بات کو سنتا اور تمہارے ہر عمل کو دیکھ رہا ہوں۔''

یا کہے: [وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ][الذاريات: ٥٦] ''اور میں نے جنات اور انسانوں کو اپنی عبادت ہی کے لیے پیدا کیا ہے۔''

یا کہے: [أَلَمْ أَعْهَدْ إِلَيْكُمْ يَا بَنِي آدَمَ أَنْ لَا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ، إِنَّهُ

لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ، وَأَنِ اعْبُدُونِي، هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ][يس: ٦٠ ''
کیا میں نے تمھیں نہیں کہا تھا کہ اے بنو آدم! تم شیطان کی عبادت نہ کرنا وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ اور تم صرف میری عبادت کرنا۔ یہی سیدھا طریقہ اور درست راستہ ہے۔''

(۳۳۸) جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے گمراہ کیا ہوا ہے اور وہ گمراہی میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ ان کے سوا سب جانتے ہیں کہ خالق کے علاوہ مخلوق میں سے کسی کے لیے روا نہیں کہ وہ ایسی باتیں کہے، بلکہ اللہ کے سوا کوئی دوسرا ایسی باتیں کرے یا لوگوں کو اپنی عبادت کرنے کو کہے تو وہ فرعون جیسا کافر ہو جاتا ہے جس نے کہا تھا: [أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلَى][النازعات: ٢٤]

ایسا دعویٰ کرنے والے کی بات کو تسلیم کرنے والا اور اس پر ایمان لانے والا آدمی بہت بڑا کافر اور جھوٹا ہے۔

(۳۳۹) اور اگر تم کہو کہ یہ کلام تو مخلوق کا ہے جسے ہم نے اللہ کی طرف نسبت کر دیا ہے کیونکہ ساری مخلوق اپنی صفات اور کلام کے ساتھ اللہ ہی کی ہے۔

تو یہ ایسی محال بات ہے کہ اس سے بڑھ کر کوئی بات محال نہیں۔ کجا یہ کہ ایسی بات کرنا کفر ہو کیونکہ اللہ عزوجل نے قرآن اور رسولوں (رضی اللہ عنہم) پر نازل کیے ہوئے کلام کے سوا کسی بھی کلام کو اپنا کلام نہیں کہا۔

اور اگر تمھیں اپنی بات اور دعوے پر ہی اصرار ہو تو شعراء کے اشعار، گانوں، نوحوں نیز درندوں، پرندوں اور چوپایوں کے کلام کو بھی اللہ کا کلام قرار دو۔

اس دعوے کے بطلان اوراس کے ناممکن ہونے میں مسلمانوں کا کوئی اختلاف نہیں اورتمہارے دعویٰ کے پیش نظر گانوں، نوحوں اوراشعار پر قرآن کی کیا فضیلت رہ جائے گی۔ پھر کیونکر قرآن ہی کو اللہ کا کلام کہا جائے؟

اورقرآن کے علاوہ باقی کلام کو اس کے قائل (بولنے والے) کی طرف کیونکر منسوب کیا جائے؟ ان لوگوں کی گمراہی کے لیے یہی بات کافی ہے کہ یہ ایسا دعویٰ کرتے ہیں جس کے باطل اورمحال ہونے میں مسلمانوں کو کوئی شک نہیں۔

(۳۳۰) اس پر مزید یہ بھی ہے جس سے تمہارے دعوے کی تکذیب اوراس کا محال ہونا ثابت ہوتا ہے اوراہل ایمان کے اس عقیدے پر ایمان اوراس کی تصدیق میں اضافہ ہوتا ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر بیان کیا ہے کہ اس نے دنیا میں اپنے بعض رسولوں علیہم السلام کے ساتھ کلام کیا اور بعض کے ساتھ کلام نہیں کی۔ اوراسی طرح آخرت میں وہ اپنی مخلوق میں سے بعض کے ساتھ ہم کلام ہوگا اور بعض کے ساتھ وہ کلام نہیں کرے گا۔ یہ بات اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بیان کی ہے۔

چنانچہ ارشاد ہے:[تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ، مِنْهُمْ مَنْ كَلَّمَ اللَّهَ، وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ][البقرة: ٢٥٣] ''ہم نے ان رسولوں (علیہم السلام) میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔ ان میں سے بعض ایسے ہیں جن کے ساتھ اللہ نے کلام کیا اوران میں سے بعض کے درجات بلند فرمائے۔'' اس طرح اللہ نے جن کے ساتھ کلام کیا اورجن کے ساتھ کلام نہیں کیا ان میں تمیز کر دی ہے۔ پھر اس نے جن رسولوں (علیہم السلام) کے ساتھ کلام کیا ہے ان میں خاص طور پر سیدنا

موسیٰ علیہ السلام کا نام لے کر ذکر کیا اور فرمایا ہے:[وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَى تَكْلِيمًا] [النساء: ١٦٤] ”اور اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کلام کیا۔“

اگر تمہارے دعوے کے مطابق اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کلام نہ کیا ہو تو اس نے جن رسولوں (علیہم السلام) کے ساتھ کلام نہیں کیا، موسیٰ علیہ السلام کو ان پر کس طرح فضیلت حاصل ہوئی؟ اور خصوصیت کے ساتھ ان کے ساتھ ہم کلام ہونے کا کیا مفہوم ہوگا؟

تب تو اللہ کے ہم کلام ہونے میں موسیٰ علیہ السلام اور باقی تمام رسول علیہم السلام برابر ہوئے؟

اور تمہارے دعوے کے مطابق رسولوں علیہم السلام میں سے کسی نے بھی اللہ کے کلام کو نہیں سنا۔ اس طرح تمہارے دعوے کی دلیل ہی محال ہے۔ اس سے اللہ کے کلام کرنے کی تردید اور اس کی کتاب کی تکذیب نہیں کی جا سکتی۔ اور اللہ تعالیٰ یہ نہ فرماتا کہ:[مِنْهُمْ مَنْ كَلَّمَ اللَّهُ][البقرة: ٢٥٣]”ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں جن سے اللہ تعالیٰ ہم کلام ہوا۔“ رسولوں (علیہم السلام) کے ساتھ کلام کرنے اور نہ کرنے کی دو مختلف حالتیں ہیں۔

ہمارے اس دعوے کو مزید تقویت اس فرمان الٰہی سے بھی ملتی ہے جس میں ارشاد ہے:[أُولَئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ، وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ][آل عمران: ٧٧] ”ان لوگوں کے لیے آخرت میں کچھ نہیں ہوگا اور نہ ہی اللہ ان سے کلام کرے گا۔“

اس آیت میں بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بعض لوگوں کو اس طرح سزا دے گا کہ ان کے ساتھ کلام نہیں کرے گا اور کچھ لوگ ایسے ہوں گے جن کے ساتھ کلام کر کے وہ انہیں اعزاز بخشے گا۔

(۳۳۱) اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے بھی بیان کیا ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کے ساتھ کلام کرے گا اور بعض کے ساتھ کلام نہیں کرے گا۔

اس حوالے سے سیدنا عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے دن تم میں سے ہر ایک کے ساتھ ہم کلام ہوگا۔''

[تحقیق و تخریج: صحیح ہے۔ دیکھیے حدیث نمبر:318۔]

اسی طرح ایک دوسری حدیث میں سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تین قسم کے آدمی ہیں، جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ (ناراضی کی وجہ سے) کلام نہیں کرے گا۔

[تحقیق و تخریج: صحیح ہے۔ دیکھیے حدیث نمبر:319]

ان دونوں حدیثوں میں واضح طور پر یہ بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بعض لوگوں کے ساتھ کلام کرے گا اور بعض لوگوں کے ساتھ کلام نہیں کرے گا۔

اگر آپ لوگوں کا دعویٰ درست ہو تو دونوں قسم کے لوگ برابر ٹھہریں گے۔ تمہارا کیا خیال ہے کہ جب سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے سیدنا آدم علیہ السلام کے بارے میں دریافت کیا تھا کہ وہ نبی تھے؟ تو آپ نے فرمایا تھا کہ ہاں! وہ ایسے نبی تھے جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے کلام کیا تھا۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں اللہ کا کلام کرنا مراد لیا ہے کسی اور کا نہیں۔

اگر تمہارے دعوے کے مطابق اس حدیث میں آدم علیہ السلام کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا نہیں

بلکہ کسی اور کا ان کے ساتھ کلام کرنا مراد ہے۔تو اس میں آدم علیہ السلام کے لیے مخلوق میں سے کسی پر کوئی برتری یا فضیلت ثابت نہیں ہوتی ۔ کیونکہ عام مخلوق تو آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ ہم کلام ہوتی ہی رہتی ہے۔ وہ سب کلام کرنے والے ہیں۔ تو تمہارے دعوے کی روشنی میں آدم علیہ السلام کو اپنی ساری اولاد پر فضیلت کیسے ہوئی ؟

حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:[فَتَلَقَّى آدَمُ مِنْ رَبِّهِ كَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ، إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ][البقرة: ٣٧] ”پس آدم علیہ السلام نے اپنے رب سے کچھ(دعائیہ)کلمات سیکھ لیے(انہوں نے ان کو پڑھا)تو اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کرلی۔ بے شک وہی بہت توبہ قبول کرنے والا، بڑا مہربان ہے۔“

باب: ۳ ۱

اس امر کا بیان کہ قرآن کریم مخلوق (پیدا کیا ہوا) نہیں

(۳۳۲) ابوسعید رحمہ اللہ (مصنف کتاب ہذا) کہتے ہیں: اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن کریم میں ان لوگوں کے سرکردہ اور سربراہ کا ذکر کیا ہے، جس نے سب سے پہلے یہ دعویٰ کیا تھا کہ قرآن کریم بھی (عام مخلوقات کی طرح) ایک مخلوق ہے۔ اس کا نام ولید بن مغیرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کافر کے اس دعوے کا ذکر کر کے اس کی تردید اور انکار کیا ہے۔ چونکہ اس ظالم نے اللہ تعالیٰ کے قول (اور کلام) کو بشر کا کلام قرار دیا تھا اس لیے اللہ نے اسے جہنم کی وعید سنائی۔

(۳۳۳) اس نے کہا تھا [إِنْ هَذَا إِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ] [المدثر: ۲۵] ''یہ قرآن تو (اللہ کا نہیں بلکہ) بشر کا کلام ہے۔''

ولید کی بات اور ان جہمیوں کی بات میں کوئی فرق نہیں۔ دونوں کا نتیجہ اور مفہوم ایک ہی ہے۔ پیروی کرنے والے (یعنی جہمیہ) اور جس کی پیروی کی گئی (یعنی ولید) دونوں بدترین قسم کے لوگ ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے (ولید ہی کے متعلق سخت ترین انداز میں) فرمایا:

[ذَرْنِي وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيدًا (۱۱) وَجَعَلْتُ لَهٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا (۱۲) وَبَنِيْنَ شُهُوْدًا (۱۳) وَمَهَّدْتُّ لَهٗ تَمْهِيْدًا (۱٤) ثُمَّ يَطْمَعُ اَنْ اَزِيْدَ (۱۵) كَلَّا ؕ اِنَّهٗ كَانَ لِاٰيَاتِنَا عَنِيْدًا (۱٦) سَاُرْهِقُهٗ

صَعُوْدًا (١٧) اِنَّهٗ فَكَّرَ وَقَدَّرَ (١٨) فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ (١٩) ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ (٢٠) ثُمَّ نَظَرَ (٢١) ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ (٢٢) ثُمَّ اَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ (٢٣) فَقَالَ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ يُّؤْثَرُ (٢٤) اِنْ هٰذَآ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ (٢٥) سَاُصْلِيْهِ سَقَرَ (٢٦)]

''چھوڑو مجھے اور اس شخص کو جسے میں نے اکیلا ہی پیدا کیا۔ اسے بہت سا مال دیا۔ اسے ساتھ رہنے والے بیٹے دیے اور اس کے لیے ریاست (سرداری) کی راہ ہموار کی۔ وہ پھر بھی طمع رکھتا ہے کہ اسے اور بھی دوں۔ ہرگز نہیں، وہ تو ہماری آیات سے عناد رکھتا ہے۔ میں اسے عنقریب ایک کٹھن چڑھائی پر چڑھاؤں گا۔ اس نے سوچا اور کچھ بات بنانے کی کوشش کی۔ پھر اس نے (لوگوں کی طرف) دیکھا، تیوڑی چڑھائی، پیشانی سکیڑی اور منہ بنایا۔ پھر پلٹا اور تکبر میں جا پڑا۔ آخر کار بولا کہ یہ قرآن نہیں ہے مگر ایک جادو، جو پہلے سے چلا آ رہا ہے۔ یہ تو ایک بشر کا کلام ہے۔ عنقریب میں اسے جہنم میں جھونکوں گا۔''

[المدثر: ١١-٢٣]

اس (ولید کافر) کی اور جہمیہ کی بات ایک ہی ہے کہ یہ قرآن مخلوق (پیدا کردہ) ہے۔ ان دونوں میں کچھ فرق بھی نہیں۔

یعنی ولید کا یہ کہنا کہ یہ انسانی کلام ہے، اس کی اس بات کی کچھ حیثیت نہیں۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ اللہ عزوجل کا کلام ہے۔

(۲۳۴) قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

[ذَرْنِي وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيدًا، وَجَعَلْتُ لَهُ مَالًا مَمْدُودًا، وَبَنِينَ شُهُودًا]

''تم چھوڑو مجھے اور اس شخص کو جسے میں نے اکیلا ہی پیدا کیا اور اسے بہت سا مال اور ساتھ رہنے والے بیٹے دیے۔''

[المدثر: ۱۱-۱۳]

اس کی تفسیر میں امام مجاہد نے فرمایا کہ ان آیات میں ولید بن مغیرہ مخزومی کی طرف اشارہ ہے۔ ''المال الممدود'' بہت سے مال سے ایک ہزار دینار مراد ہیں ''البنین الشھود'' ساتھ رہنے والے بیٹوں سے اس کے دس بیٹے مراد ہیں۔ اس بدبخت نے جب اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے بارے میں نازیبا اور ناروا کلمات کہے تو اس کے مال واولاد میں کمی آتی گئی تا آنکہ وہ موت کے منہ میں جا پڑا۔

[**تحقیق و تخریج:** اس کی سند ضعیف ہے۔ اسماعیل بن ابراہیم اور اس کا باپ ضعیف ہیں۔]

(۳۳۵) ابوسعید رحمہ اللہ (مصنف کتاب ہذا) کہتے ہیں کہ ولید کا ساتھ دینے والے اور اس کی بات میں تائید کرنے والوں کا بھی انجام ہوا کہ رسوائی ان کا مقدر ٹھہری اور ان کے بھی مال واولاد تباہ ہو گئے۔

(۳۳۶) جہمیہ، جو قرآن مجید کو اللہ کی مخلوق قرار دیتے ہیں، اس نے اس قول کی تردید میں قرآن کریم کی درج ذیل آیات سے بھی استدلال کیا جاتا ہے۔

[قُلْ لَئِنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَى أَنْ يَأْتُوا بِمِثْلِ هَذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا]

''اے نبی! آپ ان سے کہہ دیجئے کہ اگر تمام انسان اور جن مل کر اس قرآن کی مثل کوئی کلام لانا چاہیں تو نہیں لا سکتے خواہ وہ سب ایک دوسرے کے مددگار بن جائیں۔''

[الإسراء: ۸۸]

نیز قرآن میں ہے:

[وَإِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِمَّا نَزَّلْنَا عَلَى عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِنْ مِثْلِهِ وَادْعُوا شُهَدَاءَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ، فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا وَلَنْ تَفْعَلُوا]

''اور اگر تمہیں اس (کتاب) کے بارے میں شک ہے جسے ہم نے اپنے بندے پر نازل کیا ہے تو تم اس جیسی کوئی ایک سورت (بنا کر) لے آؤ اور اللہ کے سوا اپنے مددگاروں کو بھی بلا لو۔ اگر تم اپنی بات میں سچے ہو۔ چنانچہ اگر تم نے (یہ کام) نہ کیا اور تم آئندہ بھی نہیں کر سکو گے۔''

[البقرة: ۲۳]

نیز اللہ نے فرمایا:

[فَأْتُوا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِثْلِهِ مُفْتَرَيَاتٍ وَادْعُوا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ]

”(اگر تمہیں اس قرآن کے کلام الٰہی ہونے کا یقین نہیں) توتم اپنی طرف سے اس جیسی دس سورتیں ہی بنا کر لے آ ؤ اور تم اللہ کے سوا جن جن کو اس کام کے لیے مدد کرنے کی خاطر بلا سکتے ہو بلا لو اگر تم سچے ہو۔“

[هود: ١٣]

(٣٣٧) ان آیات سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید خالق (اللہ) کی طرف سے آیا ہے۔ کسی مخلوق کی طرف سے نہیں اور یہ خالق (اللہ) کا کلام ہے، کسی مخلوق کا نہیں۔

اگر یہ مخلوق میں سے کسی کا کلام ہوتا تو کوئی دوسری مخلوق اس جیسا یا اس سے بہتر کلام پیش کر سکتی تھی۔ کیونکہ مخلوق میں سے جس کسی نے بھی کوئی سچا جھوٹا شعر، خطبہ، وعظ، یا کوئی حکیمانہ قول کہا ہو تو اس کے زمانے کے بعد یا بعد کے زمانوں میں اس جیسے دوسرے لوگ اس کے کلام جیسی یا اس سے بھی عمدہ بات پیش کر سکتے ہیں۔

اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں چیلنج کیا کہ چونکہ یہ اس کا کلام ہے۔ اس لیے مخلوق میں سے کوئی جن یا کوئی انسان اس کے ہم پلہ کلام لا ہی نہیں سکتا۔ اللہ کی بات حق سچ ہے اور اس کے رسول ﷺ نے اس کی یہ بات مخلوق تک پہنچا دی ہے۔

(مصنف اپنے دور کی بات کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ) گزشتہ اڑھائی سو سال کی مدت میں کوئی بھی شخص اس جیسا کلام پیش نہیں کر سکا اور آئندہ پچاس ہزار سالوں میں بھی کوئی اس کے ہم پلہ کلام پیش نہیں کر سکے گا اور یہ کیونکر ممکن ہے جبکہ اللہ نے خود کہہ دیا ہے کہ [لَنْ تَفْعَلُوا] [البقرة: ٢٤] ”تم ہرگز نہیں کر سکتے۔“ نیز اس نے پہلے ہی

کہہ دیا ہے:

[لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا]

''یہ سب انسان اور جن مل کر بھی اس قرآن کے مثل نہیں لا سکتے خواہ وہ ایک دوسرے کے مددگار بن جائیں۔''

[الإسراء: ۸۸]

اس سے قطعی طور پر معلوم ہوا کہ یہ (قرآن) اللہ خالق کا کلام ہے اور یہ مخلوق نہیں۔

(۳۳۸) جہمیہ کے خلاف رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد گرامی سے بھی استدلال لیا جاتا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ قرآن مجید کی باقی سارے کلاموں پر اس طرح فضیلت ہے جیسے مخلوقات پر اللہ کو فضیلت حاصل ہے۔''

(۳۳۹) سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''(اللہ نے فرمایا ہے کہ) جس آدمی کو قرآن کی قراءت (وتلاوت) نے میرے ذکر سے اور مجھ سے کچھ مانگنے سے مصروف رکھا، میں اسے دعا کرنے اور طلب کرنے والوں سے بھی بڑھ کر عطا کرتا ہوں اور اللہ کے کلام کو باقی سارے کلاموں پر اس طرح فضیلت ہے جس طرح اللہ کو مخلوقات پر فضیلت ہے۔''

[تحقیق و تخریج: اس کی سند ضعیف ہے۔ دیکھیے حدیث نمبر:286۔]

(۳۴۰) سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قرآن مجید کو باقی سارے کلاموں پر اس طرح فضیلت ہے جس طرح رحمٰن (اللہ) کو

اپنی تمام مخلوقات پر۔''

[**تحقیق و تخریج:** اس کی سند ضعیف ہے، دیکھیے حدیث نمبر:288۔]

(۳۴۱) سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم میں سے افضل وہ ہے جو قرآن مجید سیکھے اور دوسروں کو سکھائے۔''

ابوعبدالرحمٰن السلمی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اسی بات نے مجھے (قرآن پڑھانے کے لیے) اس جگہ بٹھایا ہوا ہے اور قرآن مجید کو باقی تمام کلاموں پر اسی طرح برتری حاصل ہے جس طرح خالق کو تمام مخلوقات پر اور یہ اس لیے کہ یہ قرآن اس (اللہ) کی طرف سے ہے۔۔

[**تحقیق و تخریج:** اسے امام بخاری نے ''الصحیح'' (ح: ۵۰۲۷)، ترمذی نے ''السنن'' (ح: ۲۹۰۷)، بیہقی نے ''كتاب أسماء الله و صفاته'' (ح: ۵۱۰) اور فریابی نے ''فضائل القرآن'' (ح: ۱۵، ۱۶) میں روایت کیا ہے۔]

(۳۴۲) ابوسعید رحمہ اللہ (مصنف کتاب ہذا) کہتے ہیں: ان تمام احادیث میں یہ بیان ہے کہ قرآن مجید (دیگر مخلوقات کی طرح) مخلوق نہیں، کیونکہ مخلوقات میں سے کوئی سی دو مخلوقوں کے درمیان فضیلت کے لحاظ سے اتنا فرق نہیں جتنا اللہ اور اس کی مخلوق میں فرق ہے، کیونکہ دو مخلوقوں کے درمیان پائی جانے والی فضیلت کو تو کسی نہ کسی طرح حاصل کیا جا سکتا ہے لیکن جو فضیلت اللہ تعالیٰ کو مخلوقات پر ہے اسے کسی بھی صورت میں حاصل نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی مخلوق میں سے کوئی اس کا احاطہ کر سکتا ہے۔ یہی صورت اللہ کے کلام کی مخلوقات پر فضیلت کے حوالے سے ہے۔ اگر یہ قرآن

مخلوق ہوتا تو اسے باقی کلاموں پر ایسی فضیلت نہ ہوتی جو اللہ تعالیٰ کی اپنی مخلوق پر ہے۔ بلکہ اس کی فضیلت کے ہزارویں حصے کا عشر عشیر یا اس کے قریب بھی نہیں ہوسکتی۔ اس بات کو سمجھنے کی کوشش کرو کہ کوئی بھی چیز اللہ کی مثل نہیں۔اسی طرح کوئی بھی کلام اللہ کے کلام کے مثل نہیں اور ایسا کبھی ممکن ہی نہیں۔

(۳۴۳) سیدنا عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ”قیامت اس وقت قائم نہ ہوگی جب تک کہ قرآن جہاں سے آیا ہے وہیں واپس نہ لوٹ جائے۔ اس کی اسی طرح کی گنگناہٹ ہوگی جیسے شہد کی مکھیوں کی ہوتی ہے۔ یہ اللہ کے سامنے حاضر ہوکر کہے گا: اے رب! میں تیرے ہاں سے نکلا اور تیری طرف واپس آرہا ہوں ۔ میری تلاوت تو کی جاتی ہے مگر لوگ مجھ پر یعنی میرے اندر مذکور احکام پر عمل نہیں کرتے۔ میری تلاوت تو کرتے ہیں مگر وہ میرے اندر مذکورہ احکام پر عمل نہیں کرتے۔“

[تحقیق و تخریج: اس کی سند ضعیف ہے۔اسے مستغفری نے ”فضائل القرآن“ (ح: ۲۹۱) میں روایت کیا ہے۔ابن لہیعۃ کا عنعنہ ہے جبکہ ثابت بن عبداللہ نامعلوم ہے۔]

(۳۴۴) جناب عمرو بن دینار رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں ستر سال سے صحابہ کرام اور تابعین عظام سے سنتا آرہا ہوں، وہ سب یہی کہتے ہیں کہ اللہ ہی خالق ہے، اس کے علاوہ باقی اس کی مخلوق ہیں اور قرآن اللہ کا کلام ہے۔ یہ اسی کی طرف سے آیا اور اسی کی طرف لوٹ جائے گا۔

[تحقیق و تخریج: اس کی سند ضعیف ہے۔اسے امام بیہقی نے ”السنن الکبریٰ“ (ح: ۱۹۹۰۴)، طبری نے ”صریح السنۃ“ (ح: ۱۶) میں روایت کیا ہے۔ابن عیینہ مدلس

نے سماع کی تصریح نہیں کی۔صریح السنۃ میں سماعت کی صراحت ہے لیکن امام طبری کے شیخ کی توثیق مفقود ہے۔تاہم امام ابن عیینہ سے یہ قول ثابت ہے۔دیکھیے خلق افعال العباد، (ح:۱)۔]

(۳۴۵) معاویہ بن عمار کہتے ہیں کہ جعفر بن محمد سے دریافت کیا گیا کہ قرآن کریم خالق ہے یا مخلوق؟ تو انہوں نے فرمایا کہ یہ نہ خالق ہے اور نہ مخلوق، بلکہ یہ تو اللہ کا کلام ہے۔

[**تحقیق و تخریج:** حسن ہے۔اسے امام بخاری نے "خلق أفعال العباد" (ح: ۱۱٤)۔ ابوداوٗد نے "مسائل الإمام أحمد" (ح: ۱۷۱۲)، طبری نے "صریح السنة" (ح: ۱۵) میں روایت کیا ہے۔]

(۳۴۶) علی بن مضاء مولیٰ خالد القشری کہتے ہیں "المصیصة" شہر میں امام ابن مبارک رحمہ اللہ سے قرآن مجید کے بارے میں دریافت کیا گیا تو میں ان کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ یہ اللہ کا کلام ہے، یہ مخلوق نہیں۔

[**تحقیق و تخریج:** صحیح ہے۔ تاریخ دمشق : ۳۲ / ۳۰۹-۳۱۰]

(۳۴۷) علی بن مضاء کہتے ہیں کہ میں نے بقیہ بن الولید کو سنا، وہ کہہ رہے تھے کہ قرآن مجید اللہ کا کلام ہے، یہ مخلوق نہیں۔

[**تحقیق و تخریج:** اس کی سند ضعیف ہے۔علی بن مضاء کے حالات نہیں ملے۔اگر یہ علی بن محمد بن زکریا المضاء ہے تو ثقہ ہے اور روایت صحیح ہے لیکن ہمیں اطمینان نہیں ہے کیونکہ علی بن زکریا تو ابوالمضاء ہے اور یہ علی بن المضاء ہے۔علاوہ ازیں اس کے مذکورہ شیوخ وتلامذہ کا بھی ذکر نہیں ملتا۔ لہٰذا یہ نامعلوم ہے۔واللہ اعلم۔]

(۲۴۸) علی بن مضاء کہتے ہیں کہ میں نے عیسیٰ بن یونس کو سنا وہ کہہ رہے

تھے کہ قرآن مجید اللہ کا کلام ہے، یہ مخلوق نہیں۔

[**تحقیق و تخریج:** ایضاً۔]

(۳۴۹) علی بن مضاء کہتے ہیں میں نے قاسم الجزری کو سنا، وہ کہتے تھے کہ قرآن مجید اللہ کا کلام ہے۔ یہ مخلوق نہیں۔

[**تحقیق و تخریج:** ایضاً۔]

(۳۵۰) علی بن مضاء کہتے ہیں کہ ہشام بن بھرام نے کہا کہ میں نے معافی بن عمران کو کہتے سنا، وہ کہتے تھے کہ قرآن مجید اللہ کا کلام ہے۔ مخلوق نہیں۔

ہشام نے کہا کہ میں بھی وہی کہتا ہوں جو المعافی نے کہا۔

علی بن مضاء نے کہا کہ میں بھی وہی کہتا ہوں جیسے ہشام نے کہا۔

محمد بن منصور کہتے ہیں کہ جو بات یہ سب لوگ کہتے ہیں میں یہی بات پچاس مرتبہ کہتا ہوں۔

ابوسعید رحمہ اللہ (مصنف کتاب ہذا) کہتے ہیں کہ یہ سب لوگ جو بات کہتے ہیں، میں بھی یہی بات ستر دفعہ کہنے کو تیار ہوں۔ القرشی نے کہا کہ میں بھی وہی بات کہتا ہوں جو بات یہ لوگ کہتے ہیں۔

ازدی نے کہا کہ میں بھی زمانے بھر کے آغاز سے انتہاء تک کے دنوں کی تعداد کے برابر یہی بات کہتا ہوں اور میں اسی اعتقاد اور اقرار کے ساتھ اللہ عزوجل اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ملوں گا۔

ابوروح نے کہا کہ (کائنات میں) جتنے لوگ بینا اور نابینا ہیں، میں ان کی تعداد

کے برابر بار بار یہی بات کہتا ہوں۔

ہمارے شیخ ابوعبداللہ نے فرمایا کہ میں بھی تمام مخلوق کے تعداد کے برابر بار بار یہ بات کہتا ہوں۔

(۳۵۱) میں نے محمد بن منصور کو سنا، وہ کہہ رہے تھے کہ جعفر کو خلیفہ بنائے جانے کے اوائل میں مجھے خواب میں نبی ﷺ کی زیارت ہوئی تو میں نے آپ سے عرض کیا: اللہ کے رسول! لوگ کہتے ہیں کہ قرآن مجید مخلوق ہے؟ تو آپ ﷺ نے یہ سن کر منہ دوسری طرف پھیر لیا۔ میں نے عرض کیا: کیا یہ اللہ کا کلام اور غیر مخلوق نہیں ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں۔ میں نے دوبارہ اپنی بات دہرائی تو آپ نے دوبارہ فرمایا: ہاں۔

(۳۵۲) سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کو قرآن مجید تمام آسمانوں، زمینوں اور جو کچھ ان کے اندر ہے، سب سے زیادہ محبوب ہے۔''

[تحقیق و تخریج: اس کی سند ضعیف ہے۔ رجل میں شیوخ اھل مصر نا معلوم ہے۔]

(۳۵۳) ابوسعید رحمہ اللہ (مصنف کتاب ہذا) کہتے ہیں: اس تفصیل سے واضح ہو گیا کہ قرآن مجید اللہ کا کلام ہے اور یہ مخلوق نہیں۔ کیونکہ مخلوق کی زبان پر جو کلام جاری ہے اللہ نے اسے مخلوق بنایا ہے۔ اگر قرآن بھی مخلوق ہوتا جیسا کہ یہ گمراہ لوگ کہتے ہیں تو یہ مخلوق کا کلام ہوتا۔

بیان کردہ تمام روایات، حکایات، شواہد و دلائل اور ان کے علاوہ بھی بہت سے

دلائل سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن مخلوق نہیں۔ ان تمام علماء کے علم اور عقل کی روشنی میں یہ بات ظاہر ہے کہ اللہ کا کلام کبھی مخلوق نہیں ہوسکتا۔

باب: ۱۴

قرآن مجید کو مخلوق یا غیر مخلوق کہنے میں توقف کرنے والوں کی تردید

(۳۵۴) ابوسعید رحمہ اللہ (مصنف کتاب ہذا) کہتے ہیں کہ بعض لوگ جو بزعم خویش اصحاب علم ہیں اور اس بات کی وہ دعوے دار بھی ہیں، وہ کہا کرتے تھے کہ ہم قرآن کو نہ مخلوق کہتے ہیں اور نہ غیر مخلوق۔ مگر حیرت ہے کہ اپنے اس توقف کے باوصف وہ اپنے مخالفین کو بدعتی قرار دیتے ہیں خواہ کوئی قرآن کو مخلوق کہنے والا ہو یا غیر مخلوق کہتا ہو۔

(۳۵۵) ہم ان حضرات سے کہیں گے کہ آپ کا اپنے مخالفین کو مبتدع - بدعتی - کہنا اپنے دعویٰ میں ظلم ہے۔ تم اپنی بات پر غور کر کے اسے سمجھنے کی کوشش کرو۔

تمہارے مخالفین میں سے ایک فریق کا موقف سنت اور حق کے عین مطابق ہے۔ تمہاری نظر میں وہ مبتدع - بدعتی - لوگ ہیں۔ حالانکہ بدعت کا معاملہ ازحد سنگین ہے اور جس آدمی کی طرف بدعت کی نسبت کر کے اسے بدعتی کہا جائے، اہل اسلام کی نظر میں وہ انتہائی معیوب اور برا ہوتا ہے۔

تم لوگ جب تک اس بات کا یقینی اور حتمی علم حاصل نہ کر لو کہ تمہارے مخالف فریقوں میں سے کس نے حق بات کہی ہے یا باطل۔ اس وقت تک اس کے موقف پر بدعت کا اطلاق کرنے میں جلدی نہ کرو۔ تم لوگ کیونکر کسی فریق کو ان کے کسی قول کی

بنا پر بدعتی کہنے کی جسارت کر سکتے ہو جبکہ تمہیں یہ علم نہیں کہ وہ اپنے موقف میں حق پر ہیں یا ان سے غلطی سرزد ہوئی ہے؟

تمہارے اپنے عقیدے کے مطابق تم کسی کو یہ نہیں کہہ سکتے کہ تم حق پر نہیں ہو یا اصل بات وہ نہیں جو تم -(تمہارا مخالف)- کہتے ہو۔

جو آدمی دوسرے کے متعلق یہ تک نہیں جانتا کہ وہ اپنے دعوے میں حق پر ہے یا نہیں اور وہ خواہ مخواہ دوسرے کو بدعتی کہے اس سے بڑھ کر احمق اور جاہل کون ہوگا؟ اور وہ اس بات کا خیال نہیں کرتا کہ عین ممکن ہے اس کے دو مخالف فریقوں میں سے کوئی ایک برحق اور سنت کے موافق ہو۔

مگر اس نے بلا تحقیق اسے مبتدع -بدعتی- کہہ دیا- اور وہ اس بات کی پرواہ نہیں کرتا کہ وہ اپنے اس دعوے سے حق کو باطل اور سنت کو بدعت کہہ رہا ہو۔ یہ انداز صریح گمراہی اور بڑی جہالت ہے۔

(۳۵۶) اور آپ لوگوں کا کہنا کہ ہم نہیں جانتے کہ قرآن مخلوق ہے غیر مخلوق ؟ اگر آپ کے اس قول کی بنیاد قلّتِ علم وفہم ہے تو ہمارے اور آپ کے مابین کتاب و سنت پر غور کرنا فیصلہ کر دے گا اور اسے عقل قبول کرے گی۔

تمام اشیاء کی دو ہی صورتیں ہیں: (۱) خالق جس کی بہت سی صفات ہیں۔ (۲) مخلوق ان کی بھی بہت سی صفات ہیں۔ پس خالق اپنی تمام صفات سمیت خالق، ان میں سے کچھ بھی مخلوق نہیں اور مخلوقات اور ان کی تمام صفات مخلوق (پیدا کردہ) ہیں۔

اب رہی بات قرآن کی۔ اگر آپ کے نزدیک یہ مخلوقات کی صفت ہے تو اس بات

میں شک کی قطعاً گنجائش نہیں کہ تمام مخلوقات، اپنی کلام اور صفات سمیت مخلوق (پیدا کردہ) ہیں پس آپ کے دعوے کی روشنی میں آپ پر لازم ہے کہ آپ بھی قرآن کے بارے میں وہی بات کہیں جو جہمیہ کہتے ہیں، تاکہ آپ اس بارے میں مزید قیل وقال سے بچ جائیں۔ اور اپنے دل میں پوشیدہ بات کا کھلم کھلا اظہار کریں۔

اور اگر آپ کی نظر میں قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی صفت اور اس کا کلام ہے جو اسی کی طرف سے صادر ہوا ہے تو کسی بھی ایسے نمازی کو جو اللہ تعالیٰ پر اور اخرت پر ایمان رکھتا ہو، روا نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی صفات کے بارے میں اور اس کا جو کلام اس کی طرف سے صادر ہوا ہے اس کے بارے میں شک کرے کہ وہ غیر مخلوق ہے۔

یہ ایسی واضح بات ہے جس میں تم جیسے جاہل اور غبی کے سوا کسی دوسرے کو ذرہ بھر بھی شک نہیں۔ تمہاری بات اور قرآن کو مخلوق کہنے والوں کی بات میں بس معمولی فرق ہے۔

وہ لوگ اسے اللہ کا کلام بھی تسلیم کرتے ہیں اور مخلوق بھی کہتے ہیں اور تم لوگ قرآن کو اللہ کا کلام تسلیم کرتے ہو اور یہ نہیں جانتے کہ وہ مخلوق ہے یا غیر مخلوق؟

اگر تم کہو کہ تم اس کے مخلوق یا غیر مخلوق ہونے کو نہیں جانتے تو تمہارے موقف کے مطابق قرآن کو مخلوق کہنے والوں کی بات درست ہو سکتی ہے۔ تو تم انہیں بدعت کی طرف نسبت کر کے بدعتی کیونکر کہہ سکتے ہو۔ جبکہ تمہارے بقول تمہیں ان کے بارے میں شک ہے کیونکہ انسان کو جب تک کسی کے قول و فعل کے باطل اور بے اصل ہونے کا یقین نہ ہو اسے بدعت کی طرف منسوب کرتے ہوئے بدعتی کہنا درست نہیں۔

اسی لیے ہم نے کہا ہے کہ تمہاری بات اور قرآن کو مخلوق کہنے والوں کی بات میں بہت معمولی فرق ہے کیونکہ ان لوگوں نے کھلم کھلا قرآن کے مخلوق ہونے کا دعویٰ کیا اور تم نے کہا کہ قرآن اللہ کا کلام ہے اور اسے غیر مخلوق کہنے والے بدعتی اور تمہارے بقول گمراہ ہیں۔ پس اگر تمہارے نزدیک قرآن کو غیر مخلوق کہنے والے بدعتی ہیں تو یقیناً تمہارے نزدیک قرآن مخلوق ہے۔ مگر تم لوگ طعن و تشنیع کے خوف سے اور اس الزام سے بچنے کی خاطر پوشیدہ انداز اختیار کرتے ہو۔ اور جہمی ہونے کے الزام سے بچنے کی کوشش کرتے ہو جبکہ درحقیقت تم لوگ جہمی لوگوں کی آراء کو درست سمجھتے اور ان کے موقف کو اچھا سمجھتے ہو۔ اور ان (جہمی لوگوں) کے مخالفین کو بدعتی کہتے ہو۔

(۳۵۷) ہم نے اللہ کے کلام کی تحقیق کے حوالے سے قرآن مجید اور احادیث سے اس گروہ کے دعویٰ کی تردید میں جس قدر دلائل پیش کیے ہیں ان سے ثابت ہوا کہ قرآن مجید اللہ کا کلام ہے۔ اور یہ مخلوق نہیں۔ یہ تمام دلائل جس طرح جہمیہ کی تردید کرتے ہیں اسی طرح بعینہٖ قرآن کے بارے میں توقف کرنے والوں کی بھی تردید کرتے ہیں۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

[وَإِنْ أَحَدٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتَّى يَسْمَعَ كَلَامَ اللَّهِ] [التوبة: ٦]

''اور اگر مشرکین میں سے کوئی آپ سے پناہ طلب کرے تاکہ وہ اللہ کا کلام سن سکے تو تم اسے اس وقت تک پناہ دے دو۔''

اور[يُرِيدُونَ أَنْ يُبَدِّلُوا كَلَامَ اللَّهِ][الفتح: ١٥] ''یہ لوگ اللہ کے کلام کو بدل دینا چاہتے ہیں۔''

توجس کا اللہ تعالیٰ پراوران پیش کردہ قرآنی آیات پر ایمان ہے، اوراسے یہ یقین ہے کہ قرآن کریم، اصدق القائلین اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق اس کا سچا کلام ہے تو ایسے آدمی کے لیے یہ ایمان رکھنا بھی لازم ہے کہ یہ قرآن مخلوق نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کسی پیدا کی ہوئی کلام کو اپنی صفت اور کلام قرار نہیں دیا۔ اور اس نے کسی دوسرے کی کلام کو اپنا کلام نہیں کہا۔ کیونکہ وہ تو سب سے سچا ہے۔ اور لفظِ کلام اللہ کو بیت اللہ، عبداللہ، خلق اللہ اور روح اللہ جیسے الفاظ پر قیاس نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ مخلوق، اللہ میں سے نہیں، نہ ہی یہ اس کی صفات ہیں۔ جبکہ اللہ کا کلام تو اس کی صفت ہے اور اسی سے صادر ہوا ہے۔ کلام میں سے اسی کلام کو اللہ کی طرف نسبت کیا جائے گا جسے اس نے بولا۔ اگر مخلوق کی کلام کو اللہ کی طرف منسوب کرنا درست ہو تو وہ اللہ کی صفت اور اسی کا کلام ٹھہرے گا اگر بیت اللہ، عبداللہ وغیرہ الفاظ کی طرح مخلوق کے کلام کو بھی کلام اللہ ہی کہنا درست سمجھا جائے تو دن رات میں جو صحیح، غلط، شعر، گانے یا نوحے وغیرہ بولے جاتے ہیں یہ سب کلام اللہ ہوں گے تو پھر قرآن مجید کو باقی کلاموں پر فضیلت کی کیا وجہ ہوگی؟ یہ تو صریح گمراہی والی بات ہے۔ اس حوالے سے ہم بڑی تفصیل اور وضاحت کے ساتھ اللہ کی کتاب اور احادیث سے اس قدر دلائل پیش کر چکے ہیں جن پر اکتفاء کیا جا سکتا ہے۔ اور اللہ ہی جسے وہ چاہے صراط مستقیم کی راہ نمائی کر دے۔

(۳۵۸) ابوسعید رحمہ اللہ (مصنف کتاب ہذا) فرماتے ہیں: ہم نے مذکورہ بالا اوران جیسے بے شمار دلائل سے قرآن کے بارے میں توقف کرنے والے والوں کے موقف کے خلاف اپنا موقف پیش کیا ہے۔اس بارے میں ان کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ اس بارے میں وارد حدیث کو بیان کرنے والے جن راویوں اورمشائخ کوہم جانتے ہیں دراصل انہیں جہمیہ کے اصل موقف کا پورا علم ہی نہیں ہے۔ان حضرات سے جب قرآن کے بارے میں استفسار کیا گیا توان لوگوں نے کہا کہ ہم ان کے بارے میں دونوں میں سے کوئی ایک بات نہیں کہہ سکتے،وہ چونکہ ان جہمیہ کے موقف ہی سے ناواقف تھے، اس لیے انہوں نے کچھ کہنے سے توقف اوراحتراز کیا،کیونکہ یہ ایک انتہائی پیچیدہ بات تھی،جوانہوں نے سنی۔ وہ اس کی صحیح تاویل وتوجیہ نہ کرسکے۔انہیں اس سے قبل اس قسم کے سوال سے سابقہ نہ پڑا تھا۔اس لیےانہوں نے جواب نہ دیااورخاموشی اختیار کرلی۔لیکن اس کے برعکس جب یہ سوال ان لوگوں کے سامنے آیا۔جنہیں جہمیہ کے ساتھ اُٹھنے بیٹھنےاوران سے مناظرے کرنے کا موقعہ ملا۔انہوں نے ان کی انتہائی غلط باتیں اورموقف سنا،وہ ان کے عقائد سے بخوبی آگاہ تھے۔ان لوگوں میں جعفر بن محمد بن علی بن الحسین، عبداللہ بن مبارک،عیسیٰ بن یونس، القاسم جزری، بقیہ بن الولید، المعافی بن عمران وغیرہ عالی قدرحضرات کے نام آتے ہیں،جوجہمیہ کے بدترین عقائداوران کے موقف کے انجام سے مکمل طور پر باخبر تھے۔انہیں اس بارے میں قطعاً شک نہیں تھا کہ ان لوگوں کی باتیں کفریہ ہیں۔اوران کا پختہ عقیدہ تھا کہ قرآن مجیداللہ تعالیٰ ہی کا کلام

ہےاور یہ مخلوق نہیں ہے۔

کیونکہ جب ولید بن مغیرہ مخزومی کافر نے قرآن کے متعلق کہا تھا کہ ''انہ قول البشر'' ''بے شک یہ انسان کا کلام ہے۔'' تو اللہ تعالیٰ نے اس کی بات کی تردید کرتے ہوئے اسے جہنم رسید کر دیا۔

اس سے اہل علم نے واضح طور پر استدلال کیا ہے کہ قرآن مجید مخلوق نہیں، جو آدمی کسی چیز کو اچھی طرح جانتا ہو اس کی بات حجت ہوتی ہے اور جو آدمی اس سے غافل (لاعلم) اور کم تر بصیرت والا ہو اس کی بات کا کچھ بھی اعتبار نہیں ہوتا۔ اہل علم نے اس حوالے سے اہل بصیرت کے موقف کو اختیار کیا اور جنہوں نے محض اٹکل پچو اور اندازوں سے کام لیا، اس کے قول اور موقف کی طرف التفات نہیں کیا، تو ہم نے ان سے کہا کہ آپ لوگوں نے بصیرت کی کمی کے پیش نظر یہ موقف اختیار کیا ہے تو ان لوگوں نے جرأت کا مظاہرہ کیا۔ ان کے بالمقابل دوسرے لوگوں نے علم او ر بصیرت کے پیش نظر اپنا موقف اختیار کیا۔ وہ لوگوں میں سر برآوردہ ٹھہرے اور وہ دین کے اُصول وفروع سے بخوبی واقف تھے۔ اس لیے انہوں نے قرآن کو مخلوق کہنے والوں کو کافر قرار دیا۔ اِن کو اُن کے کافر ہونے میں ذرہ برابر بھی شک وشبہ نہیں تھا۔

باب: ۱۵

جہمیہ کے کافر ہونے کے دلائل

(۳۵۹) ابوسعید رحمہ اللہ (مصنف کتاب ہذا) کہتے ہیں: ایک آدمی نے جہمیہ کا دفاع کرتے ہوئے میرے ساتھ بغداد میں مناظرہ کیا۔ وہ کہنے لگا: آپ کس بنیاد پر جہمیہ کو کافر گردانتے ہیں، حالانکہ اسلام میں اہل قبلہ کو کافر کہنے سے منع کیا گیا ہے؟ اس سلسلے میں آپ کے پاس قرآن کی کوئی دلیل ہے یا کوئی حدیث یا اجماع کی بنیاد پر آپ ان کو کافر قرار دیتے ہیں؟

اس کے جواب میں (، میں) نے عرض کیا: ہماری نظر میں جہمیہ اہل قبلہ ہیں ہی نہیں۔ ہم انہیں اللہ کی کتاب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی بنا پر کافر کہتے ہیں اور ان کا کافر ہونا تو بالکل واضح ہے۔

(۳۶۰) ان کے کفر کے حوالے سے قرآن کی دلیل تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مشرکین قریش کے متعلق واضح طور پر ذکر کیا ہے کہ وہ لوگ قرآن کریم کی تکذیب کرتے ہیں اور قرآن کی تکذیب کے حوالے سے ان کا کہنا تھا کہ یہ مخلوق ہے۔ وہ یہ بات کہنے میں جہمیہ کی مثل تھے۔ ولید بن مغیرہ مخزومی قریشی نے کہا تھا: [إِنْ هَـٰذَا إِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ] [المدثر: ۲۵] ”کہ یہ قرآن تو محض انسانی کلام ہے۔“ بعینہٖ یہی بات جہم نے کہی تھی کہ ”ان هذا الا مخلوق“ کہ یہ قرآن تو ایک مخلوق یعنی پیدا کردہ چیز ہے۔

اسی طرح قرآن مجید کا انکار کرنے والوں نے کہا: [إِنْ هَذَا إِلَّا إِفْكٌ افْتَرَاهُ] [الفرقان: ٤] ''کہ یہ قرآن ایک من گھڑت کلام ہے جسے محمد ﷺ نے گھڑا ہے۔''

اسی طرح قرآن کا انکار کرنے والوں نے بھی یہ کہا: [إِنْ هَذَا إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ] [الأنعام: ٢٥] ''یہ قرآن تو پہلے زمانے کے لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں۔''

اسی طرح انہوں نے کہا: [إِنْ هَذَا إِلَّا اخْتِلَاقٌ] [ص: ٧] ''کہ قرآن تو ہے ہی من گھڑت۔''

قریش کفار مکہ کی بات اور جہم کی بات دونوں کا نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ یہ قرآن دوسری مخلوقات کی طرح ایک پیدا کی ہوئی چیز ہے۔ ان دونوں کی باتوں میں سوئی کی نوک یا بال کے برابر بھی کوئی فرق نہیں۔ لہٰذا ہم اسی وجہ سے جہمیہ کو کافر کہتے ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کے پیش رو قریشِ مکہ کو کافر کہا ہے۔ اور پھر اللہ نے ولید کے متعلق فرمایا: [سَأُصْلِيهِ سَقَرَ] [المدثر: ٢٦] ''کہ عنقریب میں اسے جہنم میں ڈالوں گا۔''

کیونکہ وہ کہتا ہے: [إِنْ هَذَا إِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ] [المدثر: ٢٥] ''یہ قرآن تو محض انسانی کلام ہے۔''

چونکہ ہر جھوٹ، من گھڑت بات، جادو اور انسانی کلام یہ سب مخلوق ہی ہیں۔ تو گویا ولید بن مغیرہ اور جہم بن صفوان دونوں کی بات ایک ہی ہوئی۔ تو ان لوگوں کا اس برحق کتاب کو مخلوق کہنا ان کے کافر ہونے کی واضح دلیل ہے۔

(٣٦١) اور جہمیہ کے کافر ہونے کے سلسلے میں ہمارا استدلال اس حدیث سے ہے جسے سیدنا عکرمہ نے بیان کیا ہے کہ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی خدمت

میں کچھ زندیقوں کو یعنی مرتدین کو پیش کیا گیا تو انہوں نے ان کے قتل کرنے کا حکم جاری فرمایا۔ یہ بات سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما تک پہنچی تو انہوں نے فرمایا کہ اگر میں نے یہ فیصلہ کرنا ہوتا تو میں ان کو قتل کرنے کا حکم دیتا، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ جو آدمی اپنا دین تبدیل کر دے اسے قتل کر دو۔ میں ان کو جلانے کا حکم نہ دیتا۔

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اللہ والا عذاب (یعنی آگ کا اور جلانے کا عذاب) نہیں دے سکتے۔ اس حدیث کے راوی سلیمان نے جریر کی سند سے اس حدیث کو روایت کرتے ہوئے مزید بیان کیا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ بات سیدنا علی رضی اللہ عنہ تک پہنچی تو انہوں نے فرمایا: افسوس ہے، ام الفضل کے بیٹے (یعنی ابن عباس رضی اللہ عنہما) پر وہ تو چھوٹی چھوٹی اور معمولی معمولی باتوں پر تنقید کرتے رہتے ہیں۔

[**تحقیق و تخریج:** اسے امام بخاری نے "الصحیح" (ح: ٦٩٢٢)، ابوداؤد نے "السنن" (ح: ٤٣٥١)، ترمذی نے "السنن" (ح: ١٤٥٨)، نسائی نے (ح: ٤٠٦٥) اور بیھقی نے "السنن الکبریٰ" (ح: ١٦٨٥٩) میں روایت کیا ہے۔]

(٣٦٢) ابوسعید رحمہ اللہ (مصنف کتاب ہذا) کہتے ہیں کہ جہمیہ کا گناہ ان سے بھی بڑھ کر اور ان کا کفر واضح ہے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے جن زندیقوں (مرتدین اور بے دینوں) کو قتل کیا تھا۔ ہماری نظر میں جہمیہ کا گناہ اور ان کی تاویل ان زندیقوں سے بڑھ کر ہے۔

(٣٦٣) چنانچہ سیدنا علی اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کا موقف ہے کہ زنادقہ (مرتدین) کو قتل کر دیا جائے۔ کیونکہ ان کے نزدیک یہ عمل کفر ہے۔ اور ان کے

نزدیک ایسے لوگ دین کو تبدیل کرنے والے ہیں اور اس طرح انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ارشاد پر عمل کیا۔ یہ حقیقت ہے کہ کسی آدمی کو اس وقت تک قتل نہیں کیا جا سکتا جب تک وہ کفریہ بات نہ کہے۔ کفر کے علاوہ کسی بھی کام پر قتل بطور سزا ہی ہوتا ہے۔ ان جہمیہ کے کفر پر قرآن کی یہ آیت اور پیش نظر حدیث دلیل ہے۔

(۳۶۴) اور ہم ان جہمیہ کو ان کے واضح کفر کی بنا پر کافر قرار دیتے ہیں، کیونکہ یہ لوگ قرآن کی واضح آیات کا انکار کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ قرآن مجید اس کا کلام ہے اور جہمیہ کہتے ہیں کہ یہ اس کی مخلوق ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ اس نے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کلام کی تھی۔ اور یہ کہتے ہیں کہ اللہ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ خود ہم کلام نہیں ہوا تھا اور نہ ہی موسیٰ علیہ السلام نے براہ راست اللہ کا کلام سنا ہے۔ بلکہ انہوں نے ایسا کلام سنا تھا جو کسی مخلوق سے صادر ہوا تھا۔ گویا ان کا دعویٰ یہ ہوا کہ کسی مخلوق نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی ربوبیت کی طرف بلاتے ہوئے کہا تھا: [إِنِّي أَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ] [طه: ١٢] ''کہ میں تمہارا رب ہوں۔ لہٰذا آپ اپنے جوتے اتار دیں۔''

اور ان (جہمیہ) کے دعویٰ کے مطابق موسیٰ علیہ السلام نے اس بولنے والے سے کہا تھا کہ واقعی آپ کی بات درست ہے۔ پھر (ان کے دعویٰ کے مطابق) موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے پاس جا کر اسے کسی مخلوق کی ربوبیت کی طرف دعوت دی۔ تو ان کے مذہب و عقیدے کے مطابق موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے کفر میں کیا فرق رہ گیا؟ پس اس سے بڑھ کر کفر کیا ہوگا؟

(۳٦۵) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:[إِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ إِذَا أَرَدْنَاهُ أَنْ نَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ][النحل: ٤٠] ”درحقیقت جب ہم کسی چیز کا ارادہ کرتے ہیں تو اسے کن کہتے ہیں تو وہ وجود میں آجاتی ہے۔“

جب کہ یہ کہتے ہیں کہ اللہ نے کسی بھی چیز کے متعلق ”کن“ کہا اور نہ ہی وہ وجود میں آئی اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کبھی ایسی بات کہتا ہے بلکہ اللہ سے کوئی کلام صادر ہی نہیں ہوا اور ان کے دعوے کے مطابق اللہ تعالیٰ کلام کرنے کی قدرت ہی نہیں رکھتا۔ گویا ان کے دعوے کے مطابق بات کرنے کے حوالے سے اللہ تعالیٰ اور بت میں کوئی فرق نہیں۔ دونوں برابر ہیں۔ تو اس سے بڑھ کر کفر کیا ہوگا؟

(۳٦٦) اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا ہے:[بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَاءُ][المائدة: ٦٤] ”بلکہ اللہ کے ہاتھ فراخ ہیں، وہ جیسے (اور جتنا) چاہے خرچ کرتا ہے۔“

نیز اللہ نے (شیطان سے خطاب کرتے ہوئے) فرمایا:

[مَا مَنَعَكَ أَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ]

”میں نے جس مخلوق (آدم) کو اپنے ہاتھ سے بنایا، اس کے سامنے سجدہ کرنے سے تجھے کس چیز نے منع کیا؟“

[ص: ۷۵]

نیز اس نے فرمایا:[بِيَدِكَ الْخَيْرُ إِنَّكَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ][آل عمران: ٢٦] ”(یا اللہ!) ہر بھلائی تیرے ہی ہاتھ میں ہے، بے شک تو ہر چیز پر

پوری طرح قادر ہے۔''

نیز فرمایا: [يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ] [الفتح: ١٠] ''ان (درخت کے نیچے بیعت کرنے والوں کے) ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ تھا۔''

ان تمام آیات میں اللہ تعالیٰ کے ہاتھ کا بیان ہے اور یہ جہمی کہتے ہیں کہ اللہ کا کوئی ہاتھ نہیں ۔ اور اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنے ہاتھوں سے پیدا نہیں کیا۔ اس کے دو ہاتھوں سے اس کی دو نعمتیں اور دو رزق مراد ہیں۔ ان لوگوں نے اللہ کے ہاتھوں کے بارے میں یہودیوں کے دعوے سے بھی بدتر بات کہہ دی۔

اللہ نے یہودیوں کی بات نقل کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ انہوں نے کہا: [قَالَتِ الْيَهُودُ يَدُ اللَّهِ مَغْلُولَةٌ] [المائدة: ٦٤] ''اللہ کا ہاتھ بندھا ہوا ہے۔''

اس کے بالمقابل جہمیوں نے کہا کہ اللہ کا ہاتھ مخلوق ہے۔ کیونکہ بلا شبہ اللہ کی نعمتیں اور رزق مخلوق ہیں۔ ایسی بات کہنا کفر ہی نہیں بلکہ کلام عرب میں بھی محال ہے۔ کیونکہ یوں نہیں کہا جا سکتا کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنی نعمت سے پیدا کیا، اسی طرح ارشاد الٰہی: بِيَدِكَ الْخَيْرُ] [آل عمران: ٢٦] ''میں یوں کہنا کہ ہر چیز تیری نعمت سے ہے۔ یہ بھی محال ہے۔ کیونکہ اللہ کی تمام نعمتیں ہی خیر ہیں۔ اسی طرح ارشاد الٰہی: [يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ] [الفتح: ١٠] کی تفسیر میں یوں کہنا کہ اللہ کی نعمت ان کے ہاتھوں پر تھی۔ یہ بھی محال ہے۔ ہم نے اس مقام پر ایک ہاتھ کا ذکر کیا ہے۔ حالانکہ بیعت کرنے میں بہت سے ہاتھ استعمال ہوتے ہیں۔

اس حوالے سے اللہ نے فرمایا ہے:

[إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ فَمَنْ نَكَثَ فَإِنَّمَا يَنْكُثُ عَلَى نَفْسِهِ]

’’بے شک جو لوگ آپ کے ہاتھ پر بیعت کر رہے تھے وہ درحقیقت اللہ کے ساتھ بیعت کر رہے تھے۔ ان کے ہاتھوں کے اوپر اللہ کا ہاتھ تھا۔ پس جس کسی نے بیعت کو توڑا تو اس کا وبال اسی پر ہوگا۔‘‘

[الفتح: ١٠]

اسی طرح [يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ][المائدة: ٦٤] کی تفسیر میں کہنا کہ یہاں اس کے ہاتھوں سے اس کی دو نعمتیں مراد ہیں جو فراخ اور کشادہ ہیں، جبکہ درحقیقت اس کی نعمتوں کا احاطہ کرنا ناممکن ہے۔ اسی لیے ہم نے کہا ہے کہ ان کی یہ تاویل محض کفر نہیں بلکہ کلام محال کی نوع میں سے ہے۔

(٣٦٧) اور ہم جہمیہ کو اس لیے بھی کافر قرار دیتے ہیں کہ یہ اللہ کے لیے چہرے، کان، آنکھ، علم اور کلام کرنے ہی سے انکار نہیں کرتے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی ہر صفت کی گمراہ کن تاویل کرتے ہیں، اسی طرح یہ لوگ رسوائی سے دوچار ہوئے اور ان کے دلوں میں پوشیدہ باتیں عیاں ہو گئیں۔

وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا کان، آنکھ، علم اور کلام یہ سب ایک ہی حقیقت ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنی ذات، جسم کے لحاظ سے ہر جگہ موجود ہے۔ وہ ہر گھر میں بند اور ہر صندوق میں مقید ہے۔ ان کے بقول ان کی بنائی ہوئی چار دیواروں اور ان کے پردے اور تالے اللہ تعالیٰ کا احاطہ کیے ہوئے ہیں۔ جس اِلٰہ (معبود) کی یہ صفات

ہوں ہم اس سے لاتعلقی کا اظہار کرتے ہیں۔

یہ موقف بھی ان کے کافر ہونے کی واضح دلیل ہے۔

(۳٦٨) اور ہم اس لیے بھی ان کو کافر کہتے ہیں کہ یہ نہیں جانتے کہ اللہ کہاں ہے؟ نہ ہی یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی جگہ بیان کرتے ہیں؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے جگہ بیان کی ہے۔ چنانچہ اس کا ارشاد ہے:[الرَّحْمَنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى][طه: ٥] ''رحمان عرش پر مستوی ہے۔''

نیز فرمایا:[وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ][الأنعام: ١٨] ''اور وہی اپنے بندوں کے اوپر غالب ہے۔''

نیز فرمایا:[إِنِّي مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا] [آل عمران: ٥٥] ''(اے عیسیٰ!) میں آپ کو پورے طور پر (اپنی حفاظت میں) لینے والا ہوں اور آپ کو اپنی طرف اٹھانے والا اور آپ کو کافروں سے پاک کرنے والا ہوں۔''

نیز فرمایا:[يَخَافُونَ رَبَّهُمْ مِنْ فَوْقِهِمْ][النحل: ٥٠]''وہ (اہل ایمان) اپنے اس رب سے ڈرتے ہیں جو ان سے اوپر ہے۔''

نیز فرمایا:

[أَأَمِنْتُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ أَنْ يَخْسِفَ بِكُمُ الْأَرْضَ][الملك: ١٦] ''(لوگو!) کیا تم اس ذات سے جو آسمان پر ہے، بے خوف ہو چکے ہو کہ وہ تمہیں زمین میں دھنسا دے۔''

ان کے علاوہ بھی بے شمار آیات ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے مکانیت (جگہ) کا بیان فرمایا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے بھی سیاہ فام لونڈی سے دریافت فرمایا تھا ''أین اللہ؟'' اللہ کہاں ہے؟ تو اس نے جواب میں کہا تھا: فی السماء! کہ اللہ آسمان پر ہے۔ پھر آپ نے اس سے اپنے متعلق دریافت فرمایا تھا کہ ''میں کون ہوں؟'' اس نے کہا تھا: آپ اللہ کے رسول ہیں۔ تو آپ نے اس کے آقا سے فرمایا تھا: ''تم اسے آزاد کردو۔ یہ صاحب ایمان ہے۔''

[تحقیق و تخریج: صحیح ہے۔ دیکھیے حدیث نمبر: 60۔]

جبکہ جہمیہ اللہ تعالیٰ کے لیے جگہ کا انکار کرتے ہیں۔ ان کی یہ بات بھی ان کے کافر ہونے کی واضح دلیل ہے۔ قرآن کریم واضح طور پر ان کے اس دعوے کی تردید اور انکار کرتا ہے۔ یہ لوگ یا ان میں سے بعض لوگ اس حقیقت کو جانتے اور اس سے واقف ہیں۔ مگر ہٹ دھرمی کی وجہ سے وہ اس کا انکار کرتے اور کمزور عقیدے والوں کو مغالطہ دیتے ہیں۔

اور وہ جانتے ہیں کہ ان کے دعوے کی تردید کے لیے قرآن سے بڑھ کر اور کون سی دلیل ہوسکتی ہے۔ یہ لوگ قتل کر دیئے جانے اور لوگوں میں رسوائی کے خوف سے کھلے طور پر قرآن کی آیات کا انکار کرنے کی جسارت نہیں کر سکتے۔ جبکہ دلی طور پر یہ تسلیم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی جو صفات بیان کی ہیں یہ ان صفات کے انکاری ہیں۔
ہم نے ان کے سرکردہ و سربرآوردہ لوگوں سے گفتگو کی ہے اور ہم نے سنا ہے وہ اس

بات کا برملا اعتراف کرتے تھے۔

(۳۶۹) یہ لوگ عبادت کے وقت ایسے الٰہ (معبود) کی عبادت کرتے ہیں جو بیک وقت زمین کی تہوں کے اندر بہت نیچے بھی ہے۔ زمین کے اوپر بھی اور سات آسمانوں سے اوپر بھی ہے۔ اور وہ معبود ان نمازیوں کا بھی رب ہے جو عبادت کے وقت یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ان کا معبود و رحمان (اللہ) ہے جو ساتویں آسمان سے بھی اوپر ہے اور اپنے عرشِ عظیم پر مستوی ہے۔

اس کے پیارے پیارے بہت ہی خوبصورت نام ہیں اس کا نام بہت بابرکت ہے اور وہ بلند مرتبے والا ہے۔

ہم نے ان کے مذہب کے جن بدترین عقائد کا ذکر کیا ہے۔ اس سے بڑھ کر کفر کیا ہوگا؟

(۳۷۰) ابوسعید رحمہ اللہ (مصنف کتاب ہذا) کہتے ہیں کہ جس جہمی نے میرے ساتھ مناظرہ کیا، اس نے مجھ سے کہا کہ آپ جہمیہ کو کھلم کھلا کافر کہنا چاہتے ہیں اور آپ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے بھی اس قسم کی بات بیان کی ہے جو انہوں نے زنادقہ کے متعلق کہی تھی۔ تو میں نے کہا کہ (میرے نزدیک) زنادقہ (مرتدین) اور جہمیہ دونوں برابر ہیں۔ ان کے عقائد ایک جیسے اور انجام بھی یکساں ہے۔ یہ دونوں گروہ ہر لحاظ سے برابر اور یکساں ہیں۔ ہر صنف وجنس اپنی صنف وجنس سے ہر معاملے میں برابر ہوتی ہے۔

کیونکہ بسا اوقات ایسا ہوتا تھا کہ قرآن مجید کا کوئی حصہ کسی خاص صورت حال

کے پس منظر میں نازل ہوتا تھا لیکن اس کا حکم اس پیش آمدہ حالت وصورت سے ملتے جلتے تمام واقعات کو بھی شامل ہوتا تھا۔

جہم بن صفوان اور اس کے پیروکار صحابہ کرام اور کبار تابعین کے زمانوں میں ظاہر نہیں ہوئے تھے۔ کہ ان کا نام لے کر وہ حضرات کچھ ارشاد فرماتے۔ یہ لوگ اگر ان کے زمانوں میں ہوتے اور اپنے ان عقائد کا اظہار کرتے تو ان کو بھی اسی طرح قتل کر دیا جاتا جس طرح سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانے کے زندیقوں کو قتل کر دیا تھا۔

ذرا دیکھیں کہ جعد بن درہم نے خالد القسری کے عہد میں اپنے بعض کفریہ عقائد کا اظہار کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل نہیں بنایا اور اس نے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کلام نہیں کی تو خالد القسری نے اسے عام مسلمانوں کے سامنے عید الاضحیٰ کے دن قتل کر دیا تھا۔ اس کے اس عمل پر کسی نے عیب لگایا نہ طعن کیا بلکہ سب لوگوں نے اس کی تصویب کرتے ہوئے اس کی تحسین کی۔ اسی طرح یہ جہمیہ صحابہ کرام یا تابعین عظام کے مبارک زمانوں میں نمودار ہوتے تو ان کی طرف سے ان کے متعلق قتل ہی کا فیصلہ صادر ہوتا۔ جیسا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے زندیقوں کے ساتھ کیا تھا۔ اور انہوں نے اپنے زمانے کے زندیقوں کو قتل کر دار یا اور جلا دیا تھا۔ اسی طرح سعد بن ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اس قسم کے کچھ لوگ سامنے آئے تو لوگوں نے مدینہ کے حکمران کو مشورہ دیا تھا کہ ان کو قتل کر دیا جائے۔

(۳۷۱) ہم نے جہمیہ کے کافر ہونے کے حوالے سے جو قرآنی آیات اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے آثار ذکر کیے ہیں۔ اور ہم نے ان کے کافر

ہونے کے واضح دلائل اوران کے کفریہ عقائد بیان کیے ہیں۔ ان پر غور کرنے سے واضح ہوجاتا ہے کہ ان کے کافر ہونے میں کوئی شک نہیں۔

اگر کسی کو اصرار ہو کہ ان کے سربرآوردہ لوگوں کے کافر ہونے کے متعلق اسلاف کے اقوال بیان کیے جائیں تو اس حوالے سے ان کے ہم عصر بعض اہل علم کے اقوال درج ذیل ہیں:

(۳۷۲) زھیر بن نعیم البابی کہتے ہیں کہ انہوں نے سلّام بن ابی مطیع کو فرماتے ہوئے سنا کہ جہمیہ (یقینی طور پر) کافر ہیں۔

[تحقیق و تخریج: اس کی سند ضعیف ہے۔ اسے ابوبکر الخلال نے "السنة" (ح: ۱۷۱۶) میں روایت کیا ہے۔ زھیر بن نعیم البابی مجھول ہے۔]

(۳۷۳) زھیر بن نعیم کہتے ہیں کہ میں حماد بن زید رحمہ اللہ کی معیت میں بصرہ کے بازار میں سے گزر رہا تھا کہ ان سے بشر المریسی کے متعلق دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا: وہ کافر ہے۔

[تحقیق و تخریج: اس کی سند ضعیف ہے۔ زھیر مجھول ہے۔]

(۳۷۴) ابوسعید رحمہ اللہ (مصنف کتاب ہذا) کہتے ہیں کہ مجھ تک یہ بات پہنچی ہے کہ یزید بن ہارون رحمہ اللہ نے کہا کہ جہمیہ، کافر ہیں۔ میں نے کئی دفعہ بغداد والوں سے کہا ہے کہ وہ مریسی کو قتل کر ڈالیں

[تحقیق و تخریج: اس کی سند ضعیف ہے۔ مصنف اور یزید بن ھارون کے درمیان مجھول واسطہ ہے۔]

(۳۷۵) حسن بن ربیع کا بیان ہے کہ میں نے عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کو سنا ، وہ کہتے تھے کہ جو آدمی یوں کہے کہ ارشاد ربانی [إِنَّنِي أَنَا اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنَا] [طه: ١٤] ''میں اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں۔'' جو آدمی اس ارشاد الٰہی کو مخلوق کہے، وہ (بلا شبہ) کافر ہے۔

(۳۷۶) میں نے محبوب بن موسیٰ انطا کی رحمہ اللہ سے سنا، وہ کہتے تھے کہ انہوں نے وکیع رحمہ اللہ کو سنا، وہ جہمیہ کو کافر قرار دیتے تھے۔

[تحقیق و تخریج: حسن ہے۔]

(۳۷۷) حماد بن ابی سلیمان سے مروی ہے کہ انہوں نے اس شخص کو کافر قرار دیا جو کہتا ہے کہ قرآن مخلوق ہے۔

[تحقیق و تخریج: اس کی سند ضعیف ہے۔ ابوسعید کو بیان کرنے والا نامعلوم ہے۔]

(۳۷۸) میں نے یحییٰ بن یحییٰ رحمہ اللہ سے سنا، وہ کہتے تھے کہ قرآن مجید اللہ کا کلام ہے۔ جس آدمی کو اس کے کلام الٰہی ہونے میں شک ہو یا جو آدمی اسے مخلوق کہے وہ کافر ہے۔

[تحقیق و تخریج: اس کی سند صحیح ہے۔]

(۳۷۹) میں نے ابوتوبہ ربیع بن نافع رحمہ اللہ سے سنا، وہ جہمیہ کو کافر قرار دیتے تھے۔

[تحقیق و تخریج: اس کی سند صحیح ہے۔]

(۳۸۰) ابوسعید رحمہ اللہ (مصنف کتاب ہذا) کہتے ہیں کہ یہ وہ حضرات ہیں

جنہوں نے بعد کے زمانوں میں اوراس سے پہلے کے ادوار میں سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جہمیہ اوران جیسے عقائد کے حاملین کو کافر قرار دیا اور انہیں مرتد کی طرح قرار دے کر قتل کا سزاوار ٹھہرایا۔

(۳۸۱) ہمیں حمانی نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہم کو ابراہیم بن منصور العلاّف نے بیان کیا۔ اور مجلس میں موجود سب لوگوں نے اور حمانی نے ابراہیم کے بڑے اچھے انداز سے تحسین وتوصیف کی۔ ابراہیم نے بیان کیا کہ جب (خلق قرآن کے حوالے سے) اہل علم پر ابتلاء کے دن تھے ان دنوں تیس اہل علم کو مامون کے دربار میں پیش کیا گیا۔ ان پر بہت زیادہ تشدد کیا گیا اور پھر انہیں واپس لایا گیا، تو میری ایک اعرابی سے ملاقات ہوئی۔ اس اعرابی نے مجھ سے کہا: کیا میں آپ کو ایک عجیب بات نہ بتاؤ؟ میں نے کہا: وہ کیا؟ اس نے بتلایا میں نے خواب میں دیکھا کہ تیس یا اس سے زیادہ آدمیوں کو مشرق یا مغرب کی جانب سے لایا گیا۔ میں نے دیکھا کہ ان کے پیٹ چیرے گئے تھے اور ان میں کچھ بھی نہیں تھا۔ مجھے خواب ہی میں کسی کہنے والے نے کہا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو قرآن کا انکار کرنے والے ہیں۔ وہ اعرابی نہیں جانتا تھا کہ یہ ابتلاء کیسا ہے اور ان کے ساتھ روا رکھے جانے والے سلوک کا سبب کیا ہے؟

[**تحقیق و تخریج:** اس کی سند ضعیف ہے۔ یحییٰ الحمانی ضعیف ہے۔]

(۳۸۲) ہمیں ابوالربیع الزھرانی نے بیان کیا اور کہا: ایک جہمی آدمی تھا اور وہ اپنی گفتگو میں رافضیت کا اور حبّ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا اظہار کیا کرتا تھا۔ ایک

آدمی کا اس کے ساتھ کافی میل جول تھا اور وہ اس کے عقائد سے بھی واقف تھا۔ اس نے کہا: مجھے یقین ہے کہ تم لوگ اسلام کی طرف پلٹ کر نہیں آؤ گے اور تم اس کے مطابق اعتقاد نہیں رکھتے۔ تمہیں آخر کس چیز نے رافضیت اختیار کرنے اور حبّ علی رضی اللہ عنہ کے دعوے پر اکسایا ہے؟

وہ بولا: آپ کی بات درست ہے اور میں آپ کی تصدیق کرتا ہوں۔ اگر ہم اپنے عقائد کا برملا اظہار و اعتراف کرنے لگیں تو ہمیں کافر اور زندیق کہا جائے گا۔ ہم نے دیکھا کہ بعض لوگ حُبّ علی رضی اللہ عنہ کا دعویٰ کرتے ہیں اور پھر جس پر چاہیں طعن وتشنیع کرتے رہتے ہیں، جیسا چاہیں اعتقاد رکھتے ہیں، زبان سے جو چاہیں کہتے رہتے ہیں، ان کو رافضیت اور تشیّع کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ تو ہم اپنے عقائد پر پردہ ڈالنے کے لیے یہ سب سے بہترین حیلہ سمجھا کہ ہم بھی حُبّ علی رضی اللہ عنہ کا دعویٰ اور اظہار کریں پھر ہم بھی جو چاہیں کہتے رہیں، جیسا چاہیں عقیدہ رکھیں اور جس پر جتنی چاہیں طعن وتشنیع کرتے رہیں۔

اور ہمیں رافضی یا شیعہ کہہ لیا جائے، یہ اس سے بہتر ہے کہ ہمیں زندیق اور کافر قرار دیا جائے۔ ہم جن شخصیتوں پر طعن وتشنیع کرتے ہیں ہمارے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ بہرحال ان سے بہتر نہیں تھے۔

[**تحقیق و تخریج:** اس کی سند ابوالربیع تک صحیح ہے جو اس واقعہ کے راوی ہیں۔]

(۳۸۳) ابوسعید رحمہ اللہ (مصنف کتاب ہذا) کہتے ہیں کہ اس شخص نے اپنے نظریات کے حوالے سے جو کچھ بیان کیا اس نے درست کہا۔ اس نے کوئی بھی بات

چھپائی نہیں ان لوگوں کے بعض سرکردہ اور سربرآوردہ لوگوں نے برملا اعتراف کیا کہ وہ تشیع کو بطور آڑ استعمال کرتے ہیں۔

وہ اپنے دعویٰ کے اثبات کے لیے اور اپنی گمراہی کو چھپانے کے لیے اور کمزور عقیدہ لوگوں کو اپنا شکار بنانے کے لیے تشیع کے لبادے کو ذریعہ بناتے ہیں۔ پھر وہ آہستہ آہستہ اپنے کفر اور بے دینی کے اثرات کو ان کے درمیان پھیلاتے رہتے ہیں تا کہ وہ باتیں جاہل اور کم علم لوگوں کے دلوں میں جا گزیں ہو جائیں جبکہ جاہل لوگ ان کے بارے میں قبل ازیں شک کا شکار ہوتے ہیں۔ جبکہ علم والوں کو ان کی گمراہی کا پورا یقین ہوتا ہے۔

لاحول ولاقوۃ الا باللہ

باب: ٦١

زندیقوں اور جہمیہ کو قتل کرنے اوران کو کفر سے توبہ کرانے کا بیان

(۳۸۴) سیدنا سوید بن غفلہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے زندیقوں کو قتل کرنے کے بعد جلا دیا تھا۔ اور پھر فرمایا تھا کہ اللہ اور اس کے رسول کی بات سچ ہے۔ (کہ دور نبوت کے بعد ایسے لوگ نمودار ہوں گے)

[تحقیق و تخریج: صحیح ہے۔ اسے امام ابن ابی شیبہ نے "المصنف" (ح: ۲۹۶۱۰) اور بزار نے "المسند" (ح: ۵۷۰) میں روایت کیا ہے۔]

(۳۸۵) ایوب رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں کچھ زندیقوں (مرتدین) کو لایا گیا تو آپ نے انہیں جلا دیا۔ اس کی اطلاع سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما تک پہنچی تو انہوں نے فرمایا کہ اگر میں ہوتا میں بھی ان کو قتل کروا دیتا۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو آدمی اپنا دین بدل لے یعنی مرتد ہو جائے اسے قتل کر ڈالو۔ اور لیکن میں انہیں جلانے کا حکم نہ دیتا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ والے عذاب (یعنی آگ) سے کسی کو عذاب نہ دو۔

ایوب کے شاگرد جریر بن حازم سے بیان کرنے والے راوی سلیمان بن حرب کی روایت میں ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ بات سیدنا علی رضی اللہ عنہ تک پہنچی تو انہوں نے فرمایا: ام فضل کے بیٹے پر افسوس ہے، وہ ہماری ایک ایک بات پر نقد کرتا ہے۔

[تحقیق و تخریج: صحیح ہے۔ دیکھیے حدیث نمبر: 361۔]

(۳۸۶) ابوسعید (مصنف کتاب ہذا) کہتے ہیں کہ ہماری نظر میں جہمیہ بدترین قسم کے بے دین (مرتد) ہیں۔ ہماری رائے ہے کہ پہلے ان سے ان کے کفریہ عقائد سے توبہ کروائی جائے۔ اگر وہ توبہ کرلیں تو ٹھیک ہے اور اگر توبہ نہ کریں، تب بھی انہیں چھوڑ دیا جائے اور اگر ان کے خلاف شہادتیں آ جائیں اور یہ پھر بھی اپنے کفریہ عقائد سے توبہ نہ کریں تو انہیں قتل کر دیا جائے۔ ہمیں اطلاع پہنچی ہے کہ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے مرتدین کے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا تھا۔

(۳۸۷) ابوادریس رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ کچھ مرتدین کو سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں لایا گیا۔ انہوں نے اپنے مرتد ہونے کا انکار کیا (کہ ہم تو مرتد نہیں ہوئے) پھر جب ان کے خلاف ثبوت ودلائل مل گئے تو آپ نے انہیں قتل کروا دیا۔ اور ان سے ایک کے متعلق فرمایا کہ میں نے اس سے توبہ کروائی تو اس نے اپنے جرم کا اعتراف کر کے توبہ کر لی ہے۔ اس لیے اسے میں نے چھوڑ دیا ہے۔

[**تحقیق و تخریج:** اس کی سند ضعیف ہے۔ ھشیم مدلس کا عنعنہ ہے۔]

(۳۸۸) عبدالرحمٰن بن محمد بن حبیب بن ابی حبیب اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا حبیب بن ابی حبیب سے بیان کرتے ہیں کہ خالد بن عبداللہ القسری رحمہ اللہ نے عیدالاضحیٰ کے دن واسط شہر میں عید کا خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: لوگوں جا کر قربانیاں کرو۔ اللہ ہماری اور تمہاری قربانیاں قبول فرمائے۔ میں آج جعد بن درہم (جہمی) کو ذبح کرنے والا ہوں۔ کیونکہ وہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل نہیں بنایا اور نہ ہی اس نے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کلام کی ہے۔ وہ جو کچھ کہتا ہے اللہ

تعالیٰ اس سے یکسر پاک اور بلند ہے۔ پھر اس کے بعد اس نے جعد کو قتل کر دیا۔

[**تحقیق و تخریج:** ضعیف ہے۔ دیکھیے حدیث نمبر:13۔]

(۳۸۹) خلف بن خلیفہ اشجعی کہتے ہیں کہ ایک آدمی کو خالد بن عبداللہ القسری رحمہ اللہ کے پاس لایا گیا، جس نے قرآن کا مقابلہ کرتے ہوئے کہا کہ اللہ نے قرآن میں کہا ہے:

[إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ، فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ، إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ][الكوثر: ١-٣]

جبکہ میں نے اس بھی عمدہ اور بہتر کلام ترتیب دیا ہے، وہ یہ ہے:

"إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْجَمَاهِرَ، فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَجَاهِرْ، وَلَا تُطِعْ كُلَّ سَافِهٍ وَكَافِرٍ."

تو خالد رحمہ اللہ نے اس ظالم کی گردن اڑا دی اور اسے سولی پر لٹکا دیا۔ وہ سولی پر لٹک رہا تھا اور خلف بن خلیفہ اس کے پاس سے گزرا تو اس کی سولی پر ہاتھ رکھ کر کہا:

"إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْعَمُودَ، فَصَلِّ لِرَبِّكَ عَلَى عُودٍ، فَأَنَا ضَامِنٌ لَكَ أَنْ لَا تَعُودَ۔"

''ہم نے سولی کی لکڑیاں تیرے مقدر میں کی ہیں، تو انہی پر اپنے رب کے لیے نماز ادا کر۔ میں تجھے برملا کہہ رہا ہوں کہ تو اب دنیا میں نہیں آئے گا۔''

[**تحقیق و تخریج:** اس کی سند ضعیف ہے۔ خلف بن خلیفہ مختلط ہے۔ ھشام بن منصور اور احمد بن سلیمان الباھلی کی توثیق نہیں ملی۔]

(۳۹۰) موسیٰ بن اسماعیل کہتے ہیں کہ میں نے ابراہیم بن سعد رحمہ اللہ سے کہا : آپ زنادقہ (مرتدین) کے بارے میں کیا کہتے ہیں، آیا ان سے توبہ کروائی جائے؟ انہوں نے کہا کہ نہیں۔ میں نے عرض کیا: آپ یہ بات کس بنا پر کہتے ہیں؟ تو فرمایا کہ مدینہ منورہ میں ہمارے ایک حکمران نے ایک زندیق (مرتد) کو قتل کروادیا تھا اور اس سے توبہ نہیں کروائی تھی۔ وہ وہیں ڈھیر ہو گیا تھا۔ بعدازاں اس نے میرے والد (سعد بن ابراہیم) کے پاس پیغام بھیج کر اس بارے میں دریافت تو میرے والد نے کہا تھا کہ آپ پریشان اور ملول نہ ہوں کیونکہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: [فَلَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا] [غافر: ٨٤] کہ ان لوگوں نے جب ہماری گرفت بھی یعنی تلوار دیکھی۔

[قَالُوا آمَنَّا بِاللَّهِ وَحْدَهُ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهِ مُشْرِكِينَ، فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ إِيمَانُهُمْ لَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا] [غافر: ٨٤-٨٥]

”تو کہنے لگے کہ ہم اللہ وحدہ پر ایمان لے آئے اور ہم جو قبل ازیں اس کے ساتھ شرک کرتے تھے، اس کا انکار کرتے ہیں۔ تو جب ان لوگوں نے ہمارے عذاب کو دیکھ لیا تو ان کے ایمان لانے نے ان کو کوئی فائدہ نہ دیا۔“

کہا: یہاں بأس یعنی گرفت اور عذاب سے مراد تلوار ہے۔ پھر فرمایا کہ اس مرتد کو قتل کرنا ہی اصل طریقہ ہے۔

[**تحقیق و تخریج:** صحیح ہے۔]

(۲۹۱) میں نے ربیع بن نافع، ابوتوبہ الحلبی کو کہتے سنا، وہ فرماتے تھے کہ میری امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے ساتھ جہمیہ کو قتل کرنے کے بارے میں گفتگو ہوئی تو

انہوں نے فرمایا کہ قتل کرنے سے پہلے ان سے توبہ کروائی جائے۔ میں نے کہا کہ ان کے خطباء یعنی سرکردہ لوگوں سے تو توبہ نہ کروائی جائے۔ بلکہ ان کی گردن اڑا دی جائے۔

[تحقیق و تخریج: اس کی سند صحیح ہے۔]

(۳۹۲) زید بن اسلم رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو اپنا دین تبدیل کر لے یعنی مرتد ہو جائے تو تم اس کی گردن اڑا دو۔

[تحقیق و تخریج: اس کی سند مرسل ہے۔ اسے امام مالک نے "المؤطا" (ح: ۱٤٤٤) اور بیھقی نے "السنن الکبریٰ" (ح: ١٦٨٢١) میں روایت کیا ہے۔ زید بن اسلم تابعی ہیں۔]

اس کی وضاحت کرتے ہوئے امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ ان زنادقہ اور ان جیسے لوگ جو اسلام کو چھوڑ کر کسی دوسرے دین میں چلے جائیں، ان کو قتل کر دیا جائے، ان سے توبہ کروانے کی بھی ضرورت نہیں، کیونکہ ان کی توبہ کو شہرت نہیں ملے گی۔ یہ قبل ازیں بظاہر اسلام کا دعویٰ کرتے تھے اور دل میں کفر چھپائے ہوئے تھے۔ میری رائے ہے کہ ان سے توبہ نہ کروائی جائے اور نہ ان کی بات کو قبول کیا جائے۔ پس جو بھی اسلام کو چھوڑ کر کسی دوسرے مذہب میں چلا جائے اور وہ اس کا اعلانیہ اظہار بھی کرتا ہو اس سے توبہ کروائی جائے گی یعنی اسے توبہ کرنے کی مہلت دی جائے گی۔ وہ اگر توبہ کر لے تو بہتر ورنہ اسے قتل کر دیا جائے۔

یعنی یہ لوگ اسلام پر تھے بعد میں مرتد ہوئے ہوں تو انہیں دوبارہ اسلام قبول کرنے کی دعوت دی جائے اورتوبہ کرنے کی مہلت دی جائے۔ اگر وہ تائب ہوجائیں تو ان کی توبہ قبول کرلی جائے اور اگر وہ توبہ کرنے سے انکار کریں تو انہیں قتل کردیا جائے۔

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس حدیث سے یہ مراد نہیں کہ کوئی آدمی یہودیت چھوڑ کر نصرانیت کو اختیار کرلے (تو اس کے ساتھ یہ سلوک روا رکھا جائے) بلکہ اس سے مراد ہے کہ کوئی آدمی اسلام کو چھوڑ کر کوئی دوسرا مذہب اختیار کرلے۔ واللہ اعلم

(۳۹۳) ابوسعید رحمہ اللہ (مصنف کتاب ہذا) کہتے ہیں کہ جن لوگوں کو سعد بن ابراہیم اور مالک بن انس رحمہما اللہ جیسے فقہاء مدینہ کافر قرار دیتے ہوں۔ ان کے کفر سے بڑھ کر اور کون سا کفر ہوگا۔ ایسے لوگوں کو قتل کردیا جائے۔ ان سے توبہ کروانے کی بھی ضرورت نہیں۔ ان فقہاء کرام نے ان کے کفر کو ارتداد سے بڑھ کر کفر قرار دیا ہے۔ اُن کے نزدیک مرتد سے تو توبہ کروائی جائے وہ توبہ کرلے تو ان کے ہاں اس کا رجوع الی الاسلام بھی مقبول ہے۔

ان حضرات کی نظر میں جہمیوں کا زندقہ، ارتداد سے زیادہ بڑا اور خطرناک اور یہودیوں اور نصرانیوں کے کفر سے بھی بڑھ کر ہے۔ اسی لیے امام ابن المبارک رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ جہمی لوگوں کی باتوں کو نقل کرنے کی نسبت مجھے یہود و نصاریٰ کی باتیں نقل کرنا زیادہ محبوب یعنی آسان تر ہے۔

[تحقیق و تخریج: صحیح ہے۔ دیکھیے حدیث نمبر:24۔]

(۳۹۴) ابن مبارک رحمہ اللہ کا یہ قول ہم کو حسن بن صباح البغدادی نے علی بن شفیق سے اور انہوں نے ابن المبارک سے روایت کیا۔

[تحقیق و تخریج: ایضاً۔]

(۳۹۵) ابوسعید رحمہ اللہ (مصنف کتاب ہذا) کہتے ہیں:

ابن مبارک نے یہ بالکل سچ کہا ہے، کیونکہ ان جہمیہ کی بعض باتیں یہود و نصاریٰ کی باتوں سے زیادہ خطرناک ہیں۔ اسی لیے مدینہ کے اہل علم نے ان کے بارے میں سخت موقف اختیار کرتے ہوئے فتویٰ دیا کہ ان کو فوراً قتل کر دیا جائے۔ ان سے توبہ کروانے کی بھی ضرورت نہیں۔ اسی لیے توبہ ربیع بن نافع الحلبی نے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے کہا کہ اُن کے سرکردہ لوگوں سے توبہ کروائے بغیر ہی انہیں قتل کر دیا جائے۔ کیونکہ یہ لوگ اپنے گندے عقائد پر دلی طور پر پختہ ہوتے ہیں۔ وہ صرف جان بچانے کی خاطر بظاہر اسلام کا نام لیتے اور دعویٰ کرتے ہیں، ایسے لوگوں میں سے کوئی بھی آدمی اپنی رائے اور غلط موقف سے رجوع کرنے کو تیار نہیں ہوتا۔

(۳۹۶) ابوسعید رحمہ اللہ (مصنف کتاب ہذا) کہتے ہیں: میں ایک دن یحییٰ بن یحییٰ کی خدمت میں حاضر ہوا تاکہ جہمی لوگوں کے عقائد و نظریات ان کی خدمت میں بیان کر کے ان کے بارے میں ان کے خیالات معلوم کروں۔ اس دن اتفاق سے ان کے ہاں حسین بن عیسیٰ البسطامی، احمد بن یونس القاضی، محمد بن رافع اور غالباً ابوقدامہ سرخسی اور دیگر بہت سے اہل علم اور بزرگ تشریف فرما تھے۔ میں نے اپنی بات کا ان کے سامنے اظہار کیا تو یحییٰ بن یحییٰ نے غضبناک ہو کر مجھے جھڑک دیا۔

ڈانٹ پلائی اور کہا کہ چپ کرو۔ اسی طرح وہاں پر موجود باقی اہل علم نے بھی میرے جہمیہ عقائد ذکر کرنے پر شدید نکیر کی اور جہمیہ کے متعلق ناراضی کا اظہار کرتے ہوئے ان کی مذمت کی۔

تو ذرا غور کیجیے کہ ان اہل علم کی نظر میں جہمیہ کا بطور دین ومذہب ذکر کرنا ان کے ہاں کس قدر مذموم ہوگا۔ بعد ازاں یحییٰ رحمہ اللہ نے مجھ سے مخاطب ہوکر فرمایا کہ قرآن کریم اللہ کا کلام ہے جسے اس کے کلام الٰہی ہونے میں شک ہو یا اسے مخلوق قرار دیتا ہوں وہ کافر ہے۔

(۳۹۷) یوسف بن یحییٰ بُویطی رحمہ اللہ امام محمد بن ادریس شافعی رحمہ اللہ سے زندیق کے بارے میں روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: وہ رجوع کرے تو اس کی بات قبول کر لی جائے اور اسے قتل نہیں کیا جائے گا۔ اس پر انہوں نے قرآن کریم کی اس آیت کریمہ سے استدلال کیا کہ [إِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُونَ][المنافقون: ۱]

”(اے رسول!) جب یہ منافق آپ کی خدمت میں آتے ہیں۔“

تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ آپ ان منافقین کے قتل کے درپے نہ ہوں۔ کیونکہ وہ بظاہر اسلام کا نام لیتے ہیں۔

زندیق کی صورت حال بھی ایسی ہی ہے وہ جب بظاہر اسلام کا نام لیتا اور اظہار کرتا ہے تو اس وقت وہ بظاہر مسلمان ہی متصور ہوگا۔ ہم اس کے ظاہری قول کا اعتبار کریں گے۔ جیسے کہ ایک صحابی نے میدان جنگ میں ایک کافر پر قابو پالیا اور اس کو قتل کرنے لگے تو اس نے فوراً کلمہ پڑھ لیا تھا۔ صحابی نے پھر بھی اسے قتل کر دیا تھا۔ بعد

میں اس واقعہ کا رسول اللہ ﷺ کے سامنے ذکر ہوا تو آپ نے فرمایا: ''اس نے کلمہ پڑھ لیا تھا تو تم نے اسے قتل کیوں کر دیا؟ صحابی نے عرض کیا کہ اس نے دل سے نہیں بلکہ صرف ظاہری طور پر اور اپنی جان بچانے کے لیے کلمہ پڑھا تھا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا تو نے اس کا دل چیر کر دیکھا تھا (کہ اس نے دل سے نہیں بلکہ ظاہری طور پر کلمہ پڑھا ہے؟

[**تحقیق و تخریج:** صحیح ہے۔ حدیث کے لیے دیکھیں: صحیح مسلم، ح: ۹۶۔]

(۳۹۸) ابوسعید رحمہ اللہ (مصنف کتاب ہذا) فرماتے ہیں: میرا میلان بھی امام شافعی رحمہ اللہ کے قول (اور فتویٰ) کی طرف ہی ہے کہ ان کے ظاہری اقرار کو قبول کیا جائے خواہ وہ اسے قتل سے بچنے کے لیے بطور ڈھال ہی اختیار کر رہے ہوں۔ انہیں قتل نہیں کیا جائے گا اور وہ اپنے دلوں میں جو بات بھی رکھتے ہوں (ہمیں اس سے کوئی سروکار نہیں) جیسا کہ منافقین نے اپنی قسموں کو بطور ڈھال استعمال کیا۔ تو رسول اللہ ﷺ کو اجازت نہیں دی گئی کہ آپ ان کو قتل کریں۔

ہماری نظر میں زندیق (مرتد) منافق سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔ کیونکہ عین ممکن ہے کہ منافق اللہ کے رسول اور اس کے دین کا انکاری ہو اور وہ اللہ عزوجل کا اقرار کرتا اور اس پر ایمان رکھتا ہو اور اس کی ربوبیت کا بھی اقرار کرتا ہو۔ جبکہ اس کے برعکس زندیق (مرتد) اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنے والا، اللہ کے رسول اور اس کی نازل کردہ کتابوں کا صاف صاف انکار کرتا ہے۔

اوراہل اسلام میں جہمیہ کے علاوہ زندیقوں کا کوئی تصور ہی نہیں اوراس سے بڑھ کر زندیقیت کیا ہوگی کہ ایک آدمی ظاہری طور پرتو اسلام کی طرف اپنی نسبت کرتا ہو اور باطنی طور پر قرآن کے بارے میں ان کے نظریات ان کفار قریش جیسے ہوں جو قرآن کا کھلم کھلا انکار کرتے اور کہتے تھے:[إِنْ هَذَا إِلَّا اخْتِلَاقٌ][ص: ٧]''یہ قرآن (اللہ کا کلام نہیں بلکہ)من گھڑت ہے۔''

اوروہ کفار قرآن کے متعلق یوں کہتے تھے:[إِنْ هَذَا إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ] [الأنعام: ٢٥]''یہ قرآن تو پہلے لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں۔''

اوروہ کہتے تھے: [إِنْ هَذَا إِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ][المدثر: ٢٥]''یہ قرآن (اللہ کا نہیں بلکہ)انسان کا بنایا ہوا کلام ہے۔''

جہمیہ بھی یہی کہتے ہیں کہ یہ قرآن اللہ کی مخلوق یعنی اس کا پیدا کردہ ہے۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اس باطل نظریے میں قریش ہی نہیں ان سے پہلے قوم عاد اورقوم ہود نے بھی اسی قسم کی باتیں کی تھیں۔انہوں نے بھی اپنے دور کے نبی سے کہا تھا:

[سَوَاءٌ عَلَيْنَا أَوَعَظْتَ أَمْ لَمْ تَكُنْ مِنَ الْوَاعِظِينَ، إِنْ هَذَا إِلَّا خُلُقُ الْأَوَّلِينَ، وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِينَ] [الشعراء: ١٣٧]

''آپ ہمیں وعظ ونصیحت کریں یا نہ کریں۔ ہمارے لیے سب برابر ہے۔ جو کچھ تم کہتے ہوتم سے پہلے لوگ بھی ایسے ہی کہا کرتے تھے۔ ہمیں عذاب بالکل نہیں دیا جائے گا۔''

ذرا غور کریں ان لوگوں کے اور جہمیہ کے نظریات میں کون سا فرق ہے کہ ہم ان

کوقتل کرنے اور کافر قرار دینے میں بزدلی دکھائیں؟

(۳۹۹) اگر ان کوقتل کرنے کے حق میں اور ان کو کافر قرار دینے کے جواز میں ہمارے سامنے حماد بن زید، سلاّم بن ابی مطیع، ابن المبارک، یزید بن ہارون، ابوتوبہ، یحییٰ بن یحییٰ، احمد بن حنبل رحمہم اللہ اور ان کے ہم پلّہ اہل علم کے اقوال وفتاویٰ نہ ہوتے تب بھی ہم ان کے قتل کے جواز اور ان کو کافر قرار دینے میں توقف نہ کرتے اور جولوگ ان سے زیادہ صاحبِ علم اور افضل تھے ہم ان سے برأت کا اظہار نہ کرتے لیکن ہم نے ان کے حوالے سے اللہ عزوجل کی کتاب میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں غور وخوض کیا اور ان کے کفریہ اقوال جن کو عامۃ الناس بھی گمراہی قرار دیتے ہیں اور یہ لوگ قرآن کے متعلق اپنے عقائد ونظریات میں گزشتہ مشرک اقوام کے مماثل ومشابہ ہیں نیز ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی صفات کا انکار، اس کی وحدانیت کا اس کے مکان (جگہ) سے واقفیت اور اس کے عرش پر مستوی ہونے کا انکار اور ان کی گمراہ کن تاویلات کی ہیں۔ان کے باطل عقائد ونظریات عیاں کر کے اللہ تعالیٰ نے ان کا پردہ چاک اور ان کی بدعقیدگی کو عیاں اور ان کے دلوں کے اندر چھپی گمراہی کو نمایاں کر دیا۔ ان لوگوں نے جب بھی اللہ کے قرآن سے اپنے باطل نظریات کے حق میں دلیل لینا چاہی، ان کے باطل مذہب کی کجی میں مزید اضافہ ہوتا گیا۔اور صحیح العقیدہ اہل سنت والجماعت ان کی مخالفت کرنے اور ان کی زندیقیت (بے دینی) کو ظاہر کرنے میں مزید دلیر ہوتے چلے گئے۔

(۴۰۰) یہ سب اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہی ممکن ہوا۔وہی اپنے بندوں کو نیکی

اوراچھائی کی توفیق دینے والا ہے۔

ولا حول ولا قوة الا باللہ العلی العظیم - والحمد للہ رب العالمین وصلی اللہ علی سیدنا محمد وعلیٰ جمیع الانبیاء والرسل المرسلین۔

ٹائپنگ: مسلم ورلڈ ڈیٹا پروسیسنگ